فہم سیرت سلسلہ نمبر 3

تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی

فہمِ حقوقِ مصطفیٰ ﷺ

جسمیں آپ سیکھیں گے

- ایک امتی پر حضور ﷺ کے کونسے 6 بنیادی حقوق عائد ہوتے ہیں؟
- انسانیت پر حضور ﷺ کے 6 بنیادی احسانات کیا ہیں؟
- حضور ﷺ کی سنتوں کو اپنی زندگی میں لانے کا آسان طریقہ کیا ہے؟
- کیا ہمیں حضور ﷺ سے سچی محبت ہے؟ اس کو پہچاننے کی 6 علامتیں کیا ہیں؟
- حضور ﷺ سے محبت پیدا کرنے کے 6 اہم طریقے کیا ہیں؟
- حضور ﷺ سے اظہار محبت کے 3 بنیادی اصول اور اظہار محبت کے مروجہ طریقوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
- حضور ﷺ سے اپنا تعلق بڑھانے، جوش، جذبہ پیدا کرنے والے 116 دلچسپ واقعات، مستند احادیث کی روشنی میں
- ایک مسلمان حضور ﷺ کے دین کی مدد و نصرت کے لیے کیا کیا شکلیں اختیار کر سکتا ہے؟
- خطباء، علماء، آئمہ، مقررین، واعظین اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے موثر انداز میں، مستند طریقے سے سیرت النبی ﷺ بیان کرنے کے لیے علمی تحقیقی مواد

مرتب: مفتی منیر احمد صاحب

استاذ: جامعۃ معہد العلوم الاسلامیۃ (رجسٹرڈ)

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)
MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی

فہم سیرت سلسلہ نمبر:3

فہم حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرتب: مفتی منیر احمد صاحب
استاذ: جامعہ معہد العلوم الاسلامیۃ (رجسٹرڈ)
فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)
MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

{جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں}

◄ کتاب کا نام : فہم حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
◄ مرتب : مفتی منیر احمد صاحب
◄ طباعت : ذی قعدۃ 1443ھ / جون 2022ء
◄ ناشر : المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)
◄ ای میل : admin@almuneer.pk
◄ ویب سائٹ : almuneer.pk
◄ فیس بک : AlMuneerOfficial
◄ یوٹیوب : Al Muneer Markaz Taleem-O-Tarbiyat Foundation

ملنے کا پتہ

جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ
متصل جامع مسجد الفلاح بلاک "H" شمالی ناظم آباد، کراچی
فون نمبر: 0331-2607207 - 0331-2607204

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	کچھ باتیں کتاب کے بارے میں	13
2	تمہیدی بات	21
	پہلا حق: حضور ﷺ پر ایمان لانا	
3	❑ حضور ﷺ پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟	24
4	❑ حضور ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے	24
5	❑ حضور ﷺ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟	26
6	❑ حضور ﷺ کو خاتم النبیین ماننا ضروری ہے	26
7	● ختم نبوت کا معنیٰ ومطلب	26
8	● ختم نبوت کی اہمیت	26
	دوسرا حق: حضور ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا	
9	❑ قرآنی ہدایت	35
10	❑ درود شریف کا حکم	35
11	❑ درود شریف کے فضائل	35
12	❑ درود شریف پڑھنے کے مواقع/اوقات	36
13	❑ درود شریف نہ پڑھنے پر وعید	36
14	❑ مستند درود شریف	36
	تیسرا حق: حضور ﷺ سے وابستہ ہر چیز کا ادب کرنا	
15	❑ ادب کا حکم	39
16	❑ ادب سے متعلق چار قرآنی ہدایات	39
17	(1) حضور ﷺ سے آگے مت بڑھو	39
18	(2) اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو	41
19	(3) جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو/ بلاتے ہو اس طرح حضور ﷺ کو مت پکارو:	43

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
20	(4) مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کرو تو اس سے پہلے صدقہ دیا کرو	44
21	❑ ادب کے چند واقعات	47
22	● حدیث کے ادب کے چند واقعات	47
23	حضور ﷺ کے شہر کا ادب	51
24	● روضہ اقدس ﷺ کا ادب	51
25	● اہل بیت/صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب	51
	چوتھا حق: حضور ﷺ کی اتباع کرنا	
26	فصل 1: حضور ﷺ ہی کی اتباع کیوں؟	55
27	❑ تمہید	55
28	**پہلی بات: آپ ﷺ کی زندگی تاریخی اعتبار سے مستند اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے**	56
29	❑ تمہید	56
30	(1) آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت تمام طریقوں سے ہوئی ہے	57
31	❑ پہلا طریقہ: آپ ﷺ کی سیرت کی حفاظت تحریر سے	57
32	1) عہد نبوی ﷺ (11ھ تک) میں تحریر شدہ احادیث کی مقدار اور شکلیں	57
33	2) عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی) میں احادیث کی تحریری شکلیں	58
34	3) عہد تابعین (دوسری صدی) کا تحریری سرمایہ	58
35	4) تیسری صدی سے اب تک کا تحریری سرمایہ	59
36	❑ دوسرا طریقہ: آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت حافظے سے	59

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
37	1۔ ذریعہ حفاظت فقط تحریر نہیں ہے	59
38	2۔ حفظ مشکل نہ تھا	60
39	❑ تیسرا طریقہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت عمل سے	68
40	(1) تعامل	68
41	(2) تواتر	70
42	❑ چوتھا طریقہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت تعلیم و تبلیغ سے	73
43	(2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت شروع سے ہوئی	77
44	(3) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت کا ایک بڑی جماعت نے اہتمام کیا	78
45	(4) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت میں درمیان میں کبھی انقطاع نہیں	79
46	(5) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت انتہائی معیاری طور پر ہوا	81
47	**دوسری بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلو سامنے ہیں کوئی گوشہ مخفی نہیں**	91
48	(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی احوال	92
49	(2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات	93
50	(3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات	93
51	(4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق	94
52	(5) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنوں اور غیروں کے درمیان	94
53	تیسری بات: آپ کی زندگی تمام انسانی کمالات کا مجموعہ اور کامل نمونہ ہے	98
54	❑ اصناف انسانی اور اس کے مختلف احوال	98

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
55	❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء کی سیرت کا مجموعہ ہے	100
56	❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مختلف متضاد صفات کا مجموعہ ہے	102
57	چوتھی بات: آپ کی زندگی آپ کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے	111
58	❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی	111
59	❑ نظریہ عبادات اور عملی پہلو	112
60	❑ نظریہ اخلاق اور عملی پہلو	115
61	(1) قرآنی اور آسمانی شہادتیں	115
62	(2) اہل وعیال اور متعلقین کی شہادتیں	117
63	(3) عملی شہادتیں	118
64	(4) دشمنوں سے اخلاق	123
65	فصل 2: اتباع کی برکات، اہمیت اور ترک اتباع کے نقصانات	129
66	❑ فضائل و برکاتِ اتباع	129
67	(1) محبوبیت خداوندی، عمومی مقبولیت اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے	129
68	(2) بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے متوجہ ہونے کا سبب ہے	130
69	(3) عین اطاعت خداوندی ہے	131
70	(4) ایمان کی علامت اور اس کی تکمیل کا ذریعہ ہے	131
71	(5) ہدایت کی کسوٹی ہے	131
72	(6) بڑی کامیابیاں دلانے والی ہے	132
73	(7) انبیاء، صدیقین، شہداء، صلحاء کی معیت اور رفاقت کا مدار ہے	132
74	(8) جنت میں معیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سبب ہے، عشق رسول کا معیار ہے	132
75	(9) سو شہید کے مرتبہ تک پہنچانے والی ہے	133

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
76	(10) نیک لوگوں کے دل میں محبت، فاجروں کے دلوں میں ہیبت، رزق کی فراخی دین میں پختگی کا سبب ہے	135
77	(11) گمراہی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے	135
78	(12) ساری خوبیوں کی جڑ	136
79	(13) ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے	136
80	(14) قرب الٰہی کے منازل طے کرانے میں تمام مجاہدات مراقبات کا بدل ہے	136
81	(15) بہترین ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے	137
82	❑ اہمیت اتباع	138
83	(1) اسلام پر استقامت کی طرح سنت پر بھی استقامت ضروری ہے	138
84	(2) صراط مستقیم اور حصول نجات کا مدار ہے	138
85	(3) سنت ذریعۂ نجات ہے	138
86	(4) قبولیت اعمال کے لیے شرط ہے	138
87	(5) اصلی اور جعلی نوٹ	140
88	(6) معمولی سی محنت پر سالوں کی سنت کا ثواب	140
89	❑ ترک اتباع کے نقصانات	141
90	(1) ترک سنت کی صورت میں فتنہ اور مصیبت کا اندیشہ ہے	141
91	(2) ترک سنت گمراہی ہے	142
92	(3) تارک سنت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قطع تعلق کا اعلان	143
93	(4) ترک سنت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی	143
94	(5) ترک سنت گناہ ہے	145
95	(6) تارک سنت جنت میں داخول سے انکار کرنے والا ہے	146
96	(7) سنت کو ہلکا سمجھنے کا انجام	146
97	(8) ترک سنت کے نقصانات پر اکابرین کے واقعات	147

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
98	فصل 3: طریقہ اتباع	150
	پانچواں حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا	
99	فصل 1: حکمِ محبت	153
100	❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو	153
101	فصل 2: ثمراتِ محبت	155
102	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تمام محبتوں پر غالب کرنے سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے	155
103	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی	156
104	فصل 3: وجوہاتِ محبت	157
105	❑ تمہید	157
106	**(1) کمال**	158
107	**1. جو تھوڑا تھوڑا سب کے پاس تھا وہ سارا کا سارا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا**	158
108	**2. جو کسی نبی کے پاس دنیا میں نہ تھا وہ محمد رسول اللہ کے پاس تھا**	164
109	(1) عہد و میثاق	164
110	(2) عمومی رسالت	166
111	(3) ختم نبوت/تکمیل دین	169
112	(4) دائمی معجزہ (قرآن کریم)	173
113	(5) جوامع الکلم	179
114	(6) رعب و نصرت	181
115	(7) محبوب خالق عالم (اللہ تعالیٰ کی خصوصی محبوبیت)	183
116	(8) رحمتِ عالم	194
117	(9) امانِ عالم	196

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
118	(10) خزائنِ عالم (زمینی خزانے)	197
119	**3. جو کسی نبی کے پاس آخرت میں نہ ہوگا وہ محمد رسول اللہ کے پاس ہوگا**	199
120	(1) وسیلۃ وفضیلۃ	199
121	(2) مقامِ محمود و شفاعتِ عظمیٰ	200
122	(3) مقامِ اوّلیّت	202
123	**4. جو کسی نبی کی امت کے پاس دنیا میں نہ تھا وہ محمد رسول اللہ کی امت کے پاس ہے**	203
124	(1) خیرُ الاُمَم (بہترین امت)	204
125	(2) مالِ غنیمت کا حلال ہونا	205
126	(3) پوری زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ	206
127	(4) احکام کے اعتبار سے آسانیاں	207
128	(5) جمعہ کے دن کا تحفہ	208
129	(6) بھول چوک کی معافی	209
130	(7) عمومی عذاب الٰہی سے حفاظت	211
131	(8) پوری امت کا گمراہی پر جمع نہ ہونا	212
132	(9) زمین پر اللہ کے گواہ	213
133	(10) نماز کی صفیں ملائکہ کی صفوں کے مشابہ	214
134	**5. جو کسی نبی کی امت کے پاس آخرت میں نہ ہوگا وہ محمد رسول اللہ کی امت کے پاس ہوگا**	215
135	(1) روشن پیشانی	215
136	(2) دوسری امتوں پر گواہی	216
137	(3) سب سے پہلے پل صراط سے گزرنا اور جنت میں داخلہ	217
138	(4) عمل تھوڑا ثواب زیادہ	217
139	(5) جنت میں سب سے زیادہ تعداد	219

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
140	(6) دنیا میں آنے کے اعتبار سے پیچھے لیکن قیامت کے دن آگے	220
141	**6. باعتبار امت (جو خصائص حضور ﷺ کو حاصل تھے امت کے مقابلہ میں)**	221
142	(1) کچھ چیزیں آپ ﷺ کے لیے خصوصیت کے ساتھ حرام تھیں امت کے لیے نہیں	221
143	(2) کچھ چیزیں آپ ﷺ کے لیے خصوصیت کے ساتھ حلال تھیں امت کے لیے نہیں	224
144	(3) کچھ چیزیں آپ ﷺ پر خصوصیت کے ساتھ واجب تھی امت پر نہیں	226
145	(4) دیگر خصوصیات	226
146	**(2) جمال**	232
147	''حُسن'' کیا ہے؟	232
148	حُسنِ مصطفوی	232
149	رُوئے انوار	235
150	جبیں دلنشین	240
151	محرابی ابرو	242
152	مخمور آنکھیں	243
153	اشک باری	246
154	بلند اور نمایاں ناک	248
155	رُخسار مبارک	248
156	لب مبارک	248
157	بوسہ لینا	249
158	مسکرانا اور ہنسنا	250
159	دندان مبارک	250

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
160	دھن مبارک	251
161	لعاب مبارک	251
162	زبان، دُرفشاں	253
163	خوش الحانی	257
164	منظر کشی	258
165	اثر انگیزی	259
166	ٹھوڑی مبارک	259
167	کان مبارک	260
168	داڑھی مبارک	261
169	تراشیدہ مونچھیں	262
170	زلفیں مبارک	263
171	کنگھی کرنا	264
172	مانگ نکالنا	264
173	آئینہ دیکھنا	265
174	خوشبو لگانا	265
175	گردن مبارک	265
176	کندھے مبارک	266
177	مہرِ نبوت	267
178	سینہ مبارک	268
179	قلب مبارک	268
180	شکم مبارک	270
181	پُشت مبارک	271
182	بازو مُبارک	272
183	دستِ مبارک	272
184	ساقِ مقدس	278

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
185	پاؤں مبارک	279
186	قدمین شریفین	279
187	قدم مبارک بڑے تھے	279
188	موقع حُسن بے مثال	279
189	انگلیاں لمبی تھیں	280
190	پاؤں کے تلوے	280
191	ایڑیاں مبارک	281
192	برکاتِ قدمین شریفین	181
193	قدمین شریفین اور ریاض الجنۃ	281
194	پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ کا جاری ہونا	282
195	قرآن اور خاکِ پا کی قسم	282
196	ٹھوکر سے سواریوں کا تیز رفتار ہونا	283
197	قدمین شریفین کا بوسہ	283
198	**(3) احسانات**	285
199	❏ ساری انسانیت حضور ﷺ کی احسان مند ہے	285
200	❏ حضور ﷺ کے 6 بڑے احسانات	288
201	پہلا احسان: وحدتِ رَبّ	288
202	دوسرا احسان: وحدتِ اَبّ	290
203	تیسرا احسان: احترام انسانیت	292
204	چوتھا احسان: انسان کو مایوسی اور احساس کمتری سے نکالنا	297
205	پانچواں احسان: دین و دنیا کی وحدت کا تصور	301
206	چھٹا احسان: حقیقی مقصد زندگی سے باخبر کرنا	302
207	فصل: 4 مفہوم محبت	307
208	فصل: 5 علاماتِ محبت	308
209	پہلی علامت: آپ ﷺ کے ملاقات کی شدید خواہش ہونا	308

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
210	دوسری علامت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا	309
211	تیسری علامت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عزت و ناموس اور آپ کے دین کی حفاظت کرنا	311
212	● تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	312
213	● گستاخانِ ناموس رسالت کا انجام	316
214	چوتھی علامت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا	329
215	پانچویں علامت: کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرنا۔	329
216	چھٹی علامت: جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت تھی ان سے محبت، اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند تھا ان کو ناپسند کرنا۔	334
217	● حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہننے اور کھانے کی چیزوں سے محبت کرنا۔	334
218	● عربی زبان اور اہل عرب سے محبت کرنا۔	335
219	● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا، دین دشمن، صحابہ دشمن سے بغض کرنا۔	336
220	● دنیا سے بے رغبتی اور فقر کی زندگی کو ترجیح دینا۔	337
	ساتویں علامت: جن لوگوں/چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت تھی ان کی رعایت رکھنا	338
221	فصل: 6 طریقۂ محبت (محبت پیدا کرنے کا طریقہ)	341
222	فصل: 7 اظہارِ محبت	342
223	پہلی بات: محبوب کا مقام و مرتبہ	342
224	دوسری بات: محبوب کی پسند و ناپسند	343
225	تیسری بات: محبوب کی اطاعت کرنا	344
226	❑ اظہار محبت کے مروجہ طریقے اور ان کی شرعی حیثیت	347
227	● ماہ ربیع الاول کی من گھڑت فضیلتیں بیان کرنا	347
228	● ماہ ربیع الاول میں سبیلیں لگانا، کھانا تقسیم کرنا	348
229	● ماہ ربیع الاول میں جھنڈیاں لگانا	350
230	● 12 ربیع الاول کا روزہ	350
231	● مخصوص طریقوں پر مخصوص عبادتیں	351
232	● مروجہ جشن عید میلاد النبی	351
233	(1) مروجہ جشن عید میلاد النبی میں درج ذیل ناجائز اور خلاف شریعت کام ہوتے ہیں:	353
234	(2) اہم کو ترک کرنا:	354
235	فصل: 8 نمونۂ محبت	356
	چھٹا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور پیغام کی مدد و نصرت کرنا	
236	ہمیں دین کی مدد اور نصرت کا حکم ہے	366
237	دین کی مدد اور نصرت کی شکلیں اور طریقے	370
238	(1) اشاعتِ دین کی شکلیں	370
239	(2) حفاظت اور دفاعِ دین	373
240	دین کا دفاع اور نصرت کرنے والوں کے واقعات	375
241	● دین کے دفاع کے خاطر اپنی جان کی قربانی دینے والوں کے واقعات	375
242	● دین کے دین کے دفاع کے لیے اپنی ضرورت، کام اور وقت کی قربانی دینے والوں کے واقعات	379
243	● دین کے دفاع کے لیے اپنے مال کی قربانی دینے والوں کے واقعات	381
244	● دین کے دفاع کے لیے اپنے تعلقات کی قربانی دینے والوں کے واقعات	385
245	حوالہ جات	389

زوار اکیڈمی

مولانا سید زوار حسین اکیڈمی ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

Molana Syed Zawwar Hussain Academy Trust (Regd)

صدر نشین | سید فضل الرحمٰن   تاریخ ۲۷ ستمبر ۲۰۲۱ء

سیرت طیبہ ایک بہت بڑا اور وسیع موضوع ہے، اس کی بہت سی شاخیں ہیں، بہت سے ذیلی عنوانات ہیں، بہت سے پہلو اور بہت سی جہات ہیں، جن پر الگ سے کام ہوا ہے، کتب اور مقالات تحریر کیے گئے ہیں، اور یہ سلسلہ جاری ہے، اہل علم مسلسل اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔ ان موضوعات میں ایک اہم اور ہماری زیادہ توجہ کا مستحق مضمون حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ہمیں یہ شرف حاصل ہے کہ ہم آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے امتی ہیں، اس حیثیت سے ہم پر کچھ فرائض بھی لازم ہوتے ہیں، یہ فرائض اور ان کا بیان ایک جانب تو سیرت کا ایک عنوان ہے، دوسری جانب یہ شریعت کا بھی موضوع ہے، اس لیے کہ آپ علیہ السلام کو پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ تسلیم کی محبت اور اتباع کو ایمان کے بنیادی تقاضوں میں شمار کیا گیا ہے، جو کہ حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنیادی اور اہم ترین عنوانات ہیں۔

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عنوان اس لیے بھی زیادہ توجہ کا مستحق ہے کہ یہ ایک عملی عنوان ہے، سیرت کے حوالے سے بہت سی معلومات ایسی ہیں جن کا تعلق محض مطالعے سے ہے، جن کو پڑھ لینا کافی ہے، لیکن حقوق کا معاملہ عمل کے دائرے میں شمار ہوتا ہے، حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے احکامات ہیں، جن کو اپنے عمل کا حصہ بنائے بغیر ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی کے ذریعے جہاں ایک جانب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں، وہیں اس کے نتیجے میں شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے دنیا اور آخرت کی کامیابیاں بھی سمیٹ سکتے ہیں، جو ہر صاحب ایمان کا اصل مقصود ہے۔

ہمارے مفتی منیر احمد صاحب اسلامی تعلیمات کو آسان اور سہل انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور بہت سے اہم عنوانات پر اس نوعیت کی کتب تحریر کر چکے ہیں جن کی درسی افادیت بہت زیادہ ہے، اور جنہیں ہم اپنی درسی روایت کا حصہ بنا کر بہت سہولت کے ساتھ ان احکامات کو ذہن نشین کرنے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امت پر چھ حقوق بیان کیے گئے ہیں، اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ان حقوق کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے ہر عنوان کے تحت قرآن و سنت سے دلائل بیان کیے گئے ہیں، اور ہر بات حوالے کے ساتھ درج کی گئی ہے۔ نیز پوری کتاب میں تمام مضامین کو اس انداز سے مختصر نکات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے کہ ان کو بہ سہولت بیان بھی کیا جا سکے اور انہیں یاد رکھنے میں بھی سہولت ہو سکے۔

کتاب کے مضامین دقت نظر کے ساتھ ساتھ حسن ترتیب سے بھی مزین ہیں۔ یہ سیرت طیبہ کے حوالے سے ایک اہم خدمت ہے جو یقیناً عنداللہ قبول اور عندالناس مقبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے استفادے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین   بجاہ سید المرسلین وعلی آلہ وصحابہ اجمعین

سید عزیز الرحمن

A 4/18, Nazimabad No.4, Karachi.
Phone: + 92 - 21 - 36684790
info@rahet.org
www.rahet.org
اے-۴/۱۸، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی-۷۴۶۰۰
فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰ - ۲۱ - ۹۲ +

تبصرہ

(ماہنامہ بینات کراچی)

زیرنظر کتاب فہم حقوق مصطفی مولانا مفتی منیر احمد صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن واستاذ جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ نارتھ ناظم آباد کی تازہ تصنیف ہے، جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ بنیادی حقوق چھ ابواب میں ذکر کیے ہیں۔ انسانیت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ احسانات، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو اپنی زندگی میں لانے کا آسان طریقہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کی پہچان کی علامات، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پیدا کرنے کے چھ اہم طریقے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار محبت کے تین بنیادی اصول، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت بڑھانے، جوش وجذبہ پیدا کرنے کے لیے 116 دل چسپ واقعات مستند احادیث کی روشنی میں، مذکورہ موضوعات کے علاوہ اور بھی مفید اور کارآمد باتیں بہت ہی پیارے اور آسان انداز میں تحریر کی گئی ہیں۔

سامعین اور قارئین کے ذہنوں میں اس موضوع سے متعلق اٹھنے والے کئی سوالات کا بھی مسکت اور مدلل جواب تحریر کیا گیا ہے۔

ماشاءاللہ! اللہ تعالیٰ مفتی صاحب سے عوام الناس کی دینی راہنمائی کے لیے بہت اچھا کام لے رہے ہیں، دوسری کتب کی طرح یہ کتاب بھی اس سلسلہ کی کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان مساعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

(جمادی الاخریٰ، 1443ھ)

تبصرہ

(سنڈے میگزین، جنگ)

یہ کتاب فہم سیرت سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن چھے حقوق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ جو مصنف کے مطابق ہر امتی پر عائد ہوتے ہیں۔اُن میں پہلا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہے، دوسرا حق کثرت سے درود پڑھنا، تیسرا حق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا ادب کرنا، چوتھا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا، پانچواں حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اور چھٹا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مدد و نصرت کرنا ہے۔ان حقوق کی تفصیل کے بیان کے لیے درجنوں ذیلی عنوانات کے ذریعہ نہایت عمدگی سے علمی و تحقیقی مواد فراہم کیا گیا ہے۔اپنے دقیع مواد کے سبب اسے سیرت النبی کا منی انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جائے، تو بے جا نہیں ہوگا۔آغاز میں ایک تفصیلی ہدایت نامہ بھی موجود ہے۔جس میں کتاب سے زیادہ بہتر طور پر استفادے کے طریقہ کار کی رہنمائی کی گئی ہے۔ گو کہ اسلوب نگارش سادہ اور عام فہم ہے، مگر بعض مقامات پر نظرِ ثانی کی خاصی گنجائش موجود ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر عام پڑھے لکھے افراد کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔

(نومبر 2021ء، بروز اتوار)

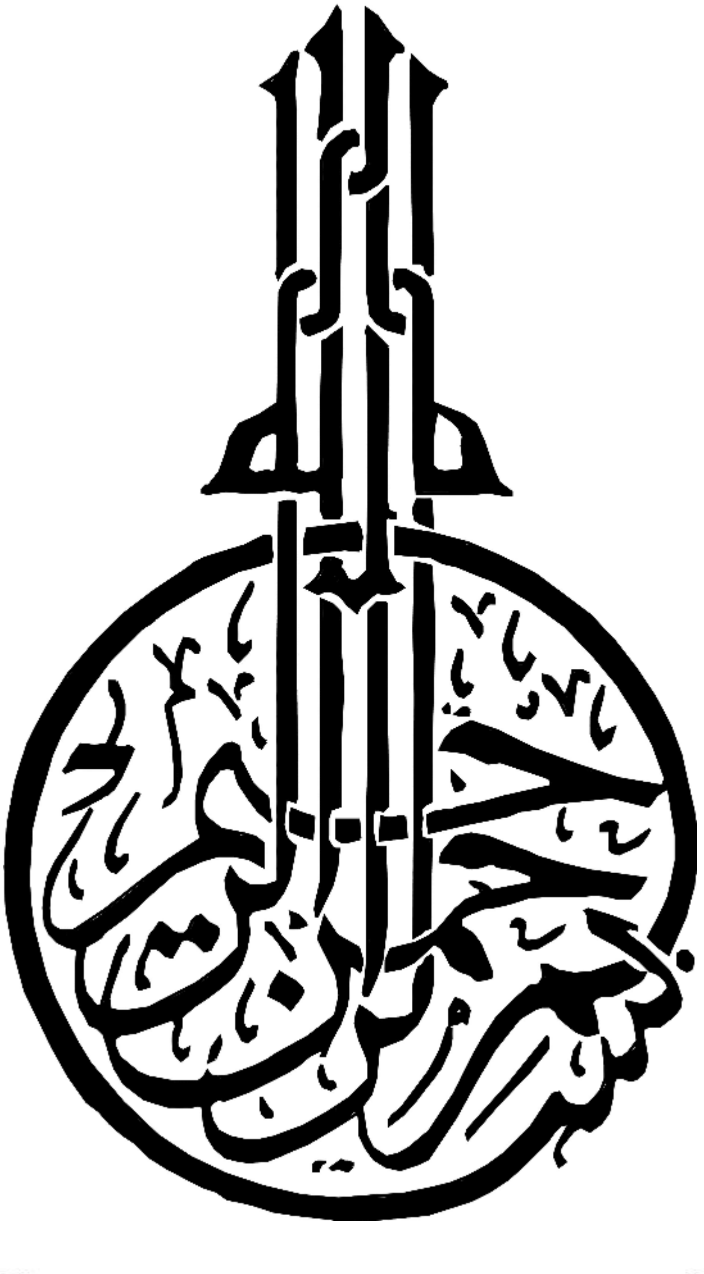
بسم الله الرحمن الرحيم

کچھ باتیں کتاب کے بارے میں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

سرکار دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ تمام طبقات انسانی (امیر، غریب، حاکم، محکوم، چھوٹا، بڑا، مرد، عورت) کی ہر حالت (خوشی، غمی، صحت، بیماری) کے لیے اسوہ حسنہ اور نمونہ ہے۔ اس کے لیے اچھی، پاکیزہ اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ہر مسلمان کے ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو پڑھے، سنے اور سیکھے۔ اور بحیثیت امتی ہمارے ذمہ آقا کریم ﷺ کے جو جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو بھی پہچانیں اور ادائیگی کی کوشش کریں۔

والدین اپنے بچوں کو، اساتذہ اپنے طلبہ کو، ائمہ کرام اپنے مقتدیوں کو، ادارے کے سربراہ اپنے ماتحتوں کو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کی آگاہی دیں، ان کو حضور ﷺ کے حقوق بتائیں بلکہ سکھائیں کیونکہ یہ ہم سب کی دینی اور شرعی ذمہ داری ہونے کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کے محبت وعقیدت کے اظہار کی علامت ہے، چنانچہ اسی نسبت سے آج سے تقریبا 10 سال پہلے سیرت کوئز لیول 1 کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے بنیادی گوشوں سے ہر ہر بچہ، بچی کو اور پڑھے لکھے آدمی سے لیکر ان پڑھ آدمی تک کو واقفیت ہو سکے اور اس کو یاد کیا جا سکے۔ الحمدللہ اس کتابچے کو عوام وخواص سب ہی میں پذیرائی ملی اور ربیع الاول کے موقع پر اسکولوں، مکاتب قرآنیہ، مدارس دینیہ اور دیگر جگہوں میں اس سے خوب خوب استفادہ ہوتا رہا۔

جس وقت سیرت طیبہ کے موضوع پر سیرت کوئز کے نام سے کام ہو رہا تھا تو اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسی عظیم الشان مبارک ہستی کے ہم پر عائد ہونے والے جو حقوق ہیں وہ بھی اس انداز میں امت کے سامنے لائیں جائیں جو لوگوں کے لیے سمجھنا اور سمجھانا آسان ہوں اور مستند ہوں۔ چنانچہ اس پر اللہ کا نام لیکر کام شروع کیا گیا مختلف مراحل اور 10 سال کی محنت کے بعد آج الحمدللہ یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

❑ کتاب کی تیاری میں جو باتیں مدنظر رہیں اور جن مراحل سے یہ کتاب گزری

(1) جامعیت: امت پر حضور ﷺ کے عائد ہونے والے بہت سارے حقوق میں سے ایسے 6 بنیادی اور جامع حقوق لیے گئے ہیں جو بمنزلہ کلیات کے ہیں۔ دیگر حقوق کسی نہ کسی طرح ان کے احاطہ میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح امت پر حضور ﷺ کی بہت ساری احسانات میں سے 6 بنیادی اور جامع احسانات لیے گئے۔

- حضور ﷺ کے جس حق کو لیا گیا تو اس حق کی تمام بنیادی معلومات کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ مثلاً جب ایک حق حضور ﷺ اور آپ کی ختم نبوت پر ایمان لانا اس کا ذکر ہوا تو ایمان اور ختم نبوت سے متعلق تمام بنیادی عنوانات کو ذکر کیا گیا۔ ایمان ختم نبوت کا معنی مطلب، اہمیت، قادیانیت اور آئین پاکستان، تحریک ختم نبوت کا تعارف قادیانیوں سے میل جول کا حکم وغیرہ وغیرہ۔
- ایسے ہی جب دوسرا حق درود شریف اور حضور ﷺ کے آداب کا ذکر ہوا تو اس سے متعلق تمام بنیادی عنوانات کو ذکر کیا گیا۔ درود شریف کا حکم، فضائل، کن مواقع واوقات میں پڑھنے کی تاکید ہے؟ مستند درود شریف کیا ہیں؟ ادب کا حکم، ادب سے متعلق چار قرآنی ہدایات، ادب کے 23 واقعات۔
- ایسے ہی جب چوتھے حق یعنی حضور ﷺ کی اتباع کا ذکر ہوا تو اس سے متعلق تمام بنیادی عنوانات کو ذکر کیا گیا۔ اتباع کیوں ضروری ہے، اتباع کی برکات، اہمیت، ترک اتباع کے نقصانات، طریقہ اتباع۔
- ایسے ہی جب ایک حق یعنی حضور ﷺ سے محبت کرنا ذکر ہوا تو اس سے متعلق تمام بنیادی عنوانات لے کر ذکر کیا گیا۔ محبت کا حکم، ثمرہ، وجوہات محبت، علامات محبت، اظہار محبت، نمونہ محبت، مفہوم محبت وغیرہ
- ایسے ہی جب ایک حق حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مدد ونصرت کا ذکر ہوا۔ تو اس سے متعلق تمام بنیادی عنوانات کو ذکر کیا۔ دین محمدی کی مدد کا حکم، شکلیں، مدد کے واقعات۔
- پھر جس عنوان کو لیا گیا تو کوشش کی گئی کہ امکانی حد تک اس عنوان سے متعلق قرآن کی کوئی آیت صحاح ستہ کی کوئی صریح حدیث رہ نہ جائے۔ مثلاً دیکھیں عنوان اتباع کی برکات، ص: 129، محبت کے عنوانات، ص: 152
- اسی طرح خصائص النبی اور کمالات نبی کا جب ذکر ہو تو اس سے متعلق تمام نبیادی عنوانات کا ذکر کیا گیا۔ حضور ﷺ کا تمام انسانی کمالات، تمام نبیوں کی صفات کا جامع ہونا ذکر کیا گیا۔ انبیاء کرام کے مقابلے حضور ﷺ کے 13 خصائص، امتوں کے مقابلے امت محمدیہ کے 16 خصائص امت محمدیہ کے مقابلے میں حضور ﷺ کے 19 خصائص۔ الغرض حضور ﷺ کے دنیاوی خصائص کیا ہیں؟ اُخروی کیا ہیں۔ انبیاء کے مقابلے میں کیا ہیں؟ امت کے مقابلے

میں کیا ہیں۔ سب کو جامعیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

- پھر جب آپ ﷺ کے جمال اور حلیہ مبارک کا ذکر ہوا تو حضور ﷺ کے ہر ہر عضو کے جمال کا الگ الگ ذکر گیا اور ہر عضو سے متعلق جتنی احادیث تھیں ان کو اس عضو کے جمال کی وضاحت میں ذکر کیا گیا۔
- پھر جب حضور ﷺ کی سیرت کا ذکر ہوا کہ وہ تاریخی اعتبار سے مستند اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ تو حضور ﷺ کی زندگی کی حفاظت کے تمام طریقے تحریر، حفظ، عمل، تعلیم و تبلیغ سب کو تفصیل سے ذکر کیا گیا، پھر حضور ﷺ کے عہد سے لے کر اب تک ہر دور میں تحریر کی شکلیں اور مقدار کا ذکر کیا گیا۔

(2) عمل کی شکلیں اور اس کے طریقے: پھر جب حضور ﷺ کے حقوق کا ذکر ہوا تو صرف معلومات کی حد تک اس کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس حق کی ادائیگی کے لیے کیا ممکنہ طریقے ہو سکتے ہیں؟ اس کو بھی ذکر کیا گیا۔ جیسے جب حضور ﷺ کا حق اتباع کا ذکر ہوا تو حضور ﷺ کی مبارک سنتوں کو اپنی زندگی میں لانے کے لیے عملی طریقہ کار بھی بتایا گیا۔

- جب محبت کی تفصیلات بیان کی گئیں تو حضور ﷺ سے محبت پیدا کرنے کے 6 طریقے اور اظہار محبت کے 3 بنیادی اصول اور مروجہ طریقے کی شرعی حیثیت کو بھی بتلایا۔
- جب حضور ﷺ کے دین کی مدد و نصرت کی بات آئی تو مدد و نصرت کے 7 شکلیں اور 4 طریقے بھی ذکر کیے گئے۔
- جب ختم نبوت کے سلسلہ میں قادیانیت کا ذکر ہوا تو ایک مسلمان کو قادیانیوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس کی بھی وضاحت کی گئی۔
- جب حضور ﷺ کے ادب میں یہ باتیں آئیں کہ حضور ﷺ سے آگے نہ بڑھو، آواز بلند نہ کرو، ادب سے پکارو تو فی زمانہ ہم اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ اس کی بھی وضاحت کی گئی۔
- جب مسئلہ ناموس رسالت اور اس کی سنگینی کو بیان کیا گیا اور موجودہ دور میں جب شرعی سزا کے نفاذ میں کوتاہی ہو رہی ہے تو ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کی بھی وضاحت کی گئی۔

(3) عمل کے لیے طبیعتیں آمادہ ہوں: حضور ﷺ کے حقوق کے ذکر میں یہ بات بھی مدنظر رہی کہ صرف سیرت اور حقوق النبی ﷺ کی معلومات نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ واقعات کا بھی ذکر ہو۔ تاکہ واقعات پڑھنے، سننے سے طبیعتیں حضور ﷺ کے حقوق کی ادائیگی پر بھی آمادہ ہوں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے آداب سے متعلق تفصیلات ذکر کی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ 23 واقعات بھی ذکر کیے گئے۔

- اسی طرح جب حضور ﷺ کی اتباع کا ذکر ہوا تو اتباع سے متعلق 6 واقعات بھی ذکر کیے گئے۔ جب حضور ﷺ سے محبت کا ذکر ہوا تو محبت کرنے والوں کے 15 واقعات بھی ذکر کیے گئے۔

- دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد و نصرت کا ذکر ہوا تو دین محمدی کے لیے جانی، مالی، جذباتی، تعلقاتی، قربانی دینے والوں کے 27 واقعات بھی ذکر کیے گئے۔

(4) آسان اور متعارف اسلوب: اس بات کی کوشش کی گئی کہ کتاب انتہائی آسان اور سہل اسلوب میں ہو کہ کم علم شخص کے لیے بھی اس کا سمجھنا آسان ہو۔

(5) وقت کی ضرورت اور حساس موضوعات: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی مناسبت سے موجودہ دور کے حساس مسائل جیسے: مسئلہ ختم نبوت، مسئلہ تحفظ ناموس رسالت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار محبت کے مروجہ طریقے، بدعات اور جشن عید میلاد النبی۔ ان کی بھی وضاحت کی گئی۔ تاکہ ایک مسلمان کو ان حساس مسائل کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا دوٹوک موقف بھی معلوم ہو۔

(6) ہر بات باحوالہ: یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ہر بات مستند و باحوالہ ہو (الحمدللہ 900 سے زیادہ حوالہ جات ہیں اور آیات قرآنیہ اس کے علاوہ ہیں) تاکہ پڑھانے والے علماء کرام کو کہیں خلجان ہو تو اصل حوالہ کی مراجعت سے اطمینان کر سکیں، مزید وضاحت مطلوب ہو تو حوالوں کی مدد سے اصل مرجع اور ماخذ سے وہ بھی بآسانی حاصل کر سکیں۔

- حوالوں کو درمیان کتاب میں ذکر نہیں کیا بلکہ وہاں صرف نمبر دیے گئے ہیں تاکہ عام قاری حوالوں کی کثرت سے پریشان نہ ہو۔

(7) تدریسی تجربات کے بعد طباعت: یہ کتاب کئی مرتبہ عوام کو نوٹس کی شکل میں پڑھائی گئی اس کے بعد اس کے چھپنے کی نوبت آئی۔

❑ کتاب کی ترتیب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق کو 6 ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

باب:1 پہلا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا

باب:2 دوسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا ادب کرنا

باب:3 تیسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا

باب:4 چوتھا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا

باب:5 پانچواں حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا

باب:6 چھٹا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام اور دین کی مدد و نصرت کرنا

پھر جو مختصر ابواب تھے ان میں باب کے تحت صرف ذیلی عنوانات کا ذکر کیا گیا۔ جیسے باب: 1، باب: 2، باب: 3، باب: 6۔ لیکن جو ابواب تفصیلی تھے جیسے باب: 4 اور باب: 5 تو اس میں مزید تسہیل کے لیے اس کے بڑے بڑے عنوانات کو فصلوں پر تقسیم کیا گیا۔ جیسے:

باب: 4 چوتھا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

فصل 2: اتباع کی برکات، اہمیت اور ترک اتباع کے نقصانات

فصل 3: اتباع کا طریقہ

باب: 5 پانچواں حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا

فصل 1: حکمِ محبت	فصل 2: ثمراتِ محبت	فصل 3: وجوہاتِ محبت
فصل 4: مفہومِ محبت	فصل 5: علاماتِ محبت	فصل 6: طریقۂ محبت
فصل 7: اظہارِ محبت	فصل 8: نمونۂ محبت	

❑ کتاب سے استفادہ کے طریقے

- **پہلا طریقہ:** باقاعدہ مکمل کتاب کی تدریس ہو اور یہ سب سے بہتر اور اعلیٰ شکل ہے۔

(1) کون پڑھائے؟: یہ کتاب چونکہ عام فہم اور آسان اسلوب پر ہے اس لیے کوئی بھی پڑھنے والا اس کو پڑھ کر سنائے۔

(2) کہاں پڑھائے؟: مسجد میں، گھروں میں، اداروں میں، جہاں بھی ممکن ہو وہاں پڑھائیں۔

(3) کب پڑھائے؟: جن ایام میں، جن اوقات میں مجمع کو سہولت ہو مجمع زیادہ سے زیادہ آسکے ان ایام میں ان اوقات میں پڑھایا جائے خواہ وہ ہفتہ اتوار ہو یا کوئی اور چھٹی کے ایام، یا روزانہ کام کے ایام میں کوئی سہولت کا وقت ہو۔

(4) کس کو پڑھائے؟: چونکہ یہ کتاب ہر طبقہ، ہر عمر کے افراد کے لیے ہے اس لیے ہر ایک کو پڑھا سکتے ہیں۔

(5) کیسے پڑھائے؟

1) دورانیہ کتنا ہو: دورانیہ آدھا گھنٹہ ایک گھنٹہ دو گھنٹے حسب سہولت و رغبت ہو سکتے ہیں۔ البتہ کل گھنٹے 20 ہوں گے۔

- **دوسرا طریقہ:** منتخب ابواب کی تدریس:

اگر کوئی ادارہ تدریس کے لیے زیادہ وقت نہ نکال سکتا ہو لیکن وہ اپنے اور عملہ میں سیرت طیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی

معرفت اور ان کی آدائیگی کے جذبہ سے متعلق ضروری آگاہی پیدا کرنا چاہتا ہوتو موقع مناسبت سے کسی خاص عنوان کو منتخب کرکے اسی کو پڑھایا جائے۔

- **تیسرا طریقہ:** کتاب کے مضامین سنانا:

اگر تدریساً کتاب پڑھانے کی ترتیب قائم نہ ہو سکے تو مختلف مواقع میں وقت اور مجمع کی مناسبت سے کتاب کے مضامین بیان کردیے جائیں۔ مثلاً

جمعہ کے بیانات میں گزشتہ ترتیب پر کتاب کے مضامین بیان کردیے جائیں

یا ہفتہ واری بیانات میں

یا ائمہ کرام روزانہ کسی نماز کے بعد

سیرت طیبہ کے عنوان سے قائم کی جانے والی مجالس، کانفرنس، اور نشستوں میں یا ربیع الاول کے مہینے میں کسی نماز کے بعد اس کتاب کے مضامین بیان کردیے جائیں۔ اس کے لیے پوری کتاب کے مضامین کو 16 بیانات میں تقسیم کردیے گئے ہیں۔ موقع محل کی مناسبت سے کسی بیان کا انتخاب کرکے اس کے مضامین کو بیان کیا جائے۔

(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق/حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی ختم نبوت پر ایمان لانا

(2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق/حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا

(3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق/حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب کرنا

(4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق/حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا/سارے عالم کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کیوں ضروری ہے؟/پہلی وجہ: انسانی مذاہب کے تمام بانیوں، پیشواؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جن کی سیرت/زندگی محفوظ ہو۔

(5) دوسری وجہ: حضور کے علاوہ کسی اور کی زندگی کے تمام پہلو سامنے نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام گوشے اور پہلو سامنے ہیں۔

(6) تیسری وجہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمام انسانی کمالات کا مجموعہ اور کامل نمونہ ہے۔

(7) چوتھی وجہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے۔

(8) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی برکات، اہمیت اور ترک اتباع کے نقصانات اور طریقہ اتباع

(9) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق/حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا/حکم محبت، ثمرات، وجوہات محبت میں سے وہ دس

کمالات جو دنیا میں کسی نبی کے پاس نہیں تھے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔

(10) حضور ﷺ سے محبت کرنا/حضور ﷺ کا تمام انسانی کمالات، تمام نبیوں کی صفات کا جامع ہونا۔

(11) انبیاء کے مقابلے میں، دیگر امتوں کے مقابلے میں اور امت محمدیہ کے مقابلے میں حضور ﷺ کے خصائص کی وضاحت

(12) حضور ﷺ کے حسن و جمال کی تفصیلات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور ﷺ سے محبت کرنے کے دلچسپ واقعات

(13) محسن انسانیت کے 6 بڑے احسانات کی قرآن وحدیث اور واقعات سے وضاحت

(14) حضور ﷺ سے جس محبت کا مطالبہ ہے اس کا مفہوم، سچی محبت کو پہچاننے کی 6 علامات

(15) حضور ﷺ سے محبت پیدا کرنے کے 6 اہم طریقے، حضور ﷺ کے اظہار محبت کے 3 بنیادی اصول اور اظہار محبت کے مروجہ طریقوں کی شرعی حیثیت کی وضاحت

(16) حضور ﷺ کے 6 بنیادی حقوق/حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین اور پیغام کی مدد ونصرت کرنے کی تفصیلات، اہمیت، حکم کا بیان اور مدد ونصرت کے 7 شکلوں اور 4 طریقوں کی وضاحت۔ نیز دین محمدی کے لیے جانی مالی، جذباتی تعلقاتی قربانی دینے والوں کے واقعات

- **چوتھا طریقہ:** انفرادی مطالعہ:

اگر کوئی شخص کتاب سے از خود استفادہ کرنا چاہتا ہو تو وہ انفرادی طور پر بھی اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

❑ اہم گزارش

حضور ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے حقوق معلوم کرنا اور اس کی آدیگی کی فکر کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اس لیے خود بھی اس کتاب سے مستفید ہو اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اس کتاب کا تعارف کر کے ان تک بھی یہ کتاب پہنچانے کی کوشش کرے۔

منیر احمد

استاذ: جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فہم حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

- تمہیدی بات
- پہلا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا
- دوسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا
- تیسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا ادب کرنا
- چوتھا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا
- پانچواں حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا
- چھٹا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام اور دین کی مدد و نصرت کرنا

تمہیدی بات

❑ ہر نسبت کی بناء پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں ❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہماری نسبتیں اور اس کے تقاضے

❑ امت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ بنیادی حقوق

❑ ہر نسبت کی بناء پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں

سوال: لوگوں پر لوگوں کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، عموما اس کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟

جواب:

- دنیا میں مختلف طبقات انسانی کی آپس میں مختلف نسبتیں ہیں۔ کوئی بیٹا ہے تو کوئی باپ، کوئی شوہر ہے تو کوئی بیوی، کوئی مالک ہے تو کوئی ملازم۔
- ہر نسبت کی وجہ سے انسانوں پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً جب تک ایک انسان بیٹے کے روپ میں ہے تو جو نسبت اس کو والدین کے ساتھ ہے، اس نسبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس نسبت کی وجہ سے والدین کے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں ان حقوق کو ادا کرے۔

اسی طرح جب یہ بچہ جوان ہو جاتا ہے اور اس کی شادی ہو جاتی ہے اور میاں بیوی کی ایک نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ تو اس نسبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ازدواجی نسبت کی وجہ سے شوہر پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں یہ اس کو ادا کرے۔

پھر اس شخص کی جب اولاد ہو جاتی ہے تو باپ کی نسبت سے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں ان کی بجا آوری اس کی ذمہ داری ہے۔

جب یہ بات طے ہوئی کہ ہر نسبت کی وجہ سے انسان پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، تو اب یہ جاننا چاہیے کہ ایک امتی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کیا نسبتیں حاصل ہیں۔

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہماری نسبتیں اور اس کے تقاضے

سوال: ایک امتی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کیا نسبتیں حاصل ہیں اور ان نسبتوں کے کیا کیا تقاضے ہیں؟

جواب:

- ہر امتی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمیں چند نسبتیں حاصل ہیں:

ایک نسبت یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور ہم امتی

ایک نسبت یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاکم اور ہم محکوم

ایک نسبت یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارین میں محسن ہم زیر بارِ احسان

ایک نسبت یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب ہم محب

- ان مذکورہ نسبتوں میں سے اگر ایک قسم کی نسبت بھی کسی کے ساتھ ہوجائے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس نسبت کی وجہ سے عائد حقوق ادا کیے جائیں۔
- پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت کے ساتھ ہمیں یہ سب نسبتیں حاصل ہیں۔ بلکہ اعلیٰ اور اکمل درجے کی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق بھی سب سے زیادہ ہوں گے اور ان کی ادائیگی بھی دیگر تمام حقوق کی نسبت زیادہ لازم ہوگی۔ باوجود زیادہ ہونے کے وہ حقوق چھ حقوق کے احاطہ میں ہیں۔

❑ امت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ بنیادی حقوق

- پھر آپ کے جو احسانات امّتیوں پر ہیں ان کی کمیّت وکیفیّت کو دیکھا جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ امّتیوں کی گردن پر آپ کے حقوق اس قدر زیادہ ہیں کہ قیامت تک ان سے سبکدوشی محال ہے۔ لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق چھ کلیات کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔(1)

سوال: امّتیوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون سے چھ بنیادی حقوق عائد ہوتے ہیں؟

جواب: پہلا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا

دوسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا ادب کرنا

تیسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا

چوتھا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا

پانچواں حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا

چھٹا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام اور دین کی مدد ونصرت کرنا

باب:1

پہلا حق: حضور ﷺ پر ایمان لانا

- ❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟
- ❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے
- ❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟
- ❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ضروری ہے
  - خاتم النبیین کا معنی اور مطلب
  - ختم نبوت کی اہمیت

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن
MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

پہلا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کو زندگی کے جس شعبہ سے متعلق ہوں، کرنے سے متعلق ہوں یا نہ کرنے سے متعلق ہوں ان سب کو حق اور سچ جاننا، اسی میں دنیا آخرت کی کامیابی سمجھنا، اس پر پختہ یقین رکھنا، کسی قسم کا شک نہ کرنا۔(2)

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے

سوال: کیا نجات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب دیں۔

جواب: قران کریم میں ارشاد مبارک ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔(تغابن:8)

لہٰذا اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔(فتح:8-9)

(اے پیغمبر) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔(اعراف:158)

(اے رسول ان سے) کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا

ہے، اور اس کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۔ (فتح:13)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو (وہ یاد رکھے کہ) ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔

(آل عمران:85)

جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائیگا اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ ۔ **(3)**

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک وہ لا إِلَهَ إِلاَّ الله کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو (دین) میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں، چنانچہ جب وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے میری طرف سے اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیا، الا یہ کہ اس (شہادت) کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اس امت کا (یعنی اس دور کا) کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سنے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو ضرور دوزخیوں میں ہوگا۔ **(4)**

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! اس نصرانی کے بارے میں جو انجیل پر عمل پیرا ہو اور اس یہودی کے بارے میں جو تورات پر عمل پیرا ہو اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہو۔ پھر وہ آپ کی اتباع نہ کرے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سنے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ میری اتباع نہ کرے تو دوزخ میں جائے گا۔ **(5)**

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

سوال: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک با اخلاق باکردار یہودی جو موسیٰ علیہ السلام کو رسول مانتا ہے اسی طرح ایک عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام کو رسول مانتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول نہیں مانتا۔

آپ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلے گا جبکہ ایک گناہگار مسلمان جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر مانتا ہے مگر اخلاق واعمال اور کردار کے اعتبار سے بہت برا ہے وہ ایک نہ ایک دن ہمیشہ ہمیشہ جنت میں جائے گا؟

جواب: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر نہ ماننے والا قانون اسلام کا باغی ہے اور باغی ہر حکومت اور قانون کی نگاہ میں مجرم سمجھا جاتا ہے خواہ کتنے ہی اعلیٰ کردار کا ہو۔(6)

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ضروری ہے

• ختمِ نبوت کا معنیٰ ومطلب

سوال: ختم نبوت کا معنی اور مطلب اور اس کی اہمیت بیان کریں۔

جواب: اللہ رب العزت نے سلسلۂ نبوت کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمائی اور اس کی انتہاء محمد عربی اکی ذات اقدس پر فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الانبیاء ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔ اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدۂ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔(7)

• ختمِ نبوت کی اہمیت

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی جان ہے، ساری شریعت اور سارے دین کا مدار اسی عقیدے پر ہے۔ قرآن کریم کی ایک سو سے زاید آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سینکڑوں احادیث (تقریباً دو سو دس) سے یہ مسئلہ ثابت ہے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور چودہ صدیوں کے مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، علماء اور صوفیاء رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ (احزاب:40)

حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

تمام مفسرین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ''خاتم النبیین'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ ﷺ ''آخری نبی'' ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا۔ عقیدۂ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح آپ ﷺ کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

میں آیا پس میں نے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔(8)
مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔(9)
رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔(10)
میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔(11)
میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔(12)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لیے جتنی جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد 259 ہے۔(13) اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ و دفاع کے لیے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ اور تابعین کی تعداد بارہ سو ہے (جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے)۔(14) رحمت عالم ﷺ کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے جام شہادت نوش کر گئی۔ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سوال: حضور ﷺ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کے متعلق کیا کیا پیش گوئیاں فرمائیں اور ان کا ظہور کب اور کس طرح ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان جھوٹے مدعیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

جواب: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک 30 کے لگ بھگ دجال اور کذاب پیدا نہ ہوں، جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔(15)

اور ایک روایت میں ہے:

قریب ہے کہ میری امت میں 30 جھوٹے پیدا ہوں ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔(16)

ان دو ارشادات میں حضرت محمد رسول ﷺ نے ایسے مدعیان نبوت کے لیے ''دجال و کذاب'' کا لفظ استعمال فرمایا جس کا معنیٰ ہے کہ وہ لوگ شدید دھوکے باز اور بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے ہوں گے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے

مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسائیں گے، لہٰذا امت کو خبردار کر دیا گیا کہ وہ ایسے عیار و مکار مدعیان نبوت اور ان کے ماننے والوں سے دور رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشنگوئی کے مطابق 1400 سو سالہ دور میں بہت سے کذاب و دجال مدعیان نبوت کھڑے ہوئے جن کا برا حشر اسلام کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔

نوٹ: آج تک جو جھوٹے مدعیان نبوت ہوئے ان کی تفصیل ''ائمہ تلبیس'' (دو جلد) میں مولانا محمد رفیق دلاوری رحمہ اللہ نے قلمبند کی ہے۔ اس کی تلخیص 22 جھوٹے نبی کے نام سے نثار احمد خان فتحی نے کی، ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔(17)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری دور میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا۔ اسود عنسی نے کافی قوت پکڑ لی اور اس کا فتنہ یمن میں پھیل گیا۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ (جو یمن میں رہتے تھے) کو خط ارسال فرمایا کہ اس فتنہ کا مقابلہ کرو اور اسود عنسی کا خاتمہ کر دو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے کچھ ہی عرصہ پہلے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے موقع تاک کر اسود عنسی کو تہ تیغ کر کے اس کے فتنے کو ختم کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسیلمہ کذاب کا فتنہ بھی زور پکڑ چکا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ یمامہ کے میدان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسیلمہ کذاب کے لشکر کے درمیان ایک خوفناک اور خونریز جنگ ہوئی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے 28 ہزار مسیلمہ کذاب کے ماننے والوں کو مع مسیلمہ کذاب کے تہ تیغ کیا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد اس جنگ میں شہید ہوئی۔

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اسوۂ صدیق رضی اللہ عنہ اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے سامنے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ نامی معاہدہ کیا۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد یہودیوں سے میثاق مدینہ ہوا۔ عیسائیوں کا مشہور وفد، وفد نجران مسجد نبوی میں آ کر ٹھہرا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسیلمہ کذاب سے کوئی صلح نہیں کی اور کسی قسم کی نرمی نہیں برتی اور نہ ہی کوئی وفد اس کو سمجھانے یا تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ مسیلمہ کذاب کے بعد جس بدبخت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس کا یہی حشر ہوا۔

انیسویں صدی کے اوائل میں مغربی استعمار اسلامی ممالک کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ اس نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے اپنی سرپرستی میں بہت سی باطل تحریکوں کی بنیاد رکھی جن میں ایک تحریک ''قادیانیت'' ہے جس کا بانی مرزا غلام احمد

قادیانی ہے جس کا آبائی وطن قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب تھا۔ اس نے اسلام کا صحیح راستہ چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کیا اور نہ صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی شان میں ہرزہ سرائی کا بھیانک مظاہرہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی توہین کی۔ اپنے آپ کو بعینہ محمد رسول اللہ کہا اور آپ ﷺ کی شان، نام ومنصب اور مرتبہ سب پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین وتحقیر کی۔ وحی نبوت کا دعویٰ کیا، قرآن کریم کو منسوخ قرار دیا۔ اپنی جعلی وحی کا نام قرآنی نام پر ''تذکرہ'' رکھا۔ اپنی خودساختہ وحی کو قرآن کی طرح ہر خطا سے پاک سمجھا۔ قرآن پاک میں لفظی اور معنوی تحریفات کیں اور اسلام کو نعوذ باللہ مردہ اور لعنتی قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بازاری زبان استعمال کی اور ان پر طعن وتشنیع کے نشتر چلائے۔ مرزا قادیانی نے اپنے ماننے والے مرتدوں کی جماعت کو ''صحابہ رسول'' کے نام سے پکارا۔ اپنی بیوی کو ''ام المؤمنین'' کے نام سے تعبیر کیا۔ اپنے گھر والوں کو ''اہل بیت'' کا نام دیا اصحاب الصفہ کے مقابلہ میں ''اصحاب الصفہ'' رسول مدنی کے مقابلے میں ''رسول قدنی'' گنبد خضرا کے مقابلے میں گنبد بیضاء، روضہ اطہر کے مقابلے میں روضہ مطہر، تین سو تیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں اپنے تین سو تیرہ چیلوں کی فہرست تیار کی۔ جہاد کو حرام، انگریز کی اطاعت کو فرض قرار دیا۔

مرزا قادیانی نے اپنی ''جنم بھومی'' قادیان کو مکہ اور روضہ سے افضل اور قادیان آنے کو ''ظلی حج'' قرار دیا۔ جنت البقیع کے مقابلے میں بہشتی مقبرہ تیار کرایا۔ احادیث رسول ﷺ کو بگاڑا۔ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم وبزرگان کو مسخ کیا۔ اولیاء امت اور علماء کرام کو مغلظات سنائیں۔ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر، جہنمی، عیسائی، یہودی اور مشرک قرار دیا۔ مسلمانوں کو جنگلوں کے سور اور رنڈیوں کی اولاد کہا۔ تمام مسلمانوں سے معاشرتی مقاطعہ کا اعلان کیا، شادی بیاہ سے لے کر جنازہ، کفن، دفن اور تمام معاملات میں بائیکاٹ کی تعلیم دی۔ (18)

سوال: قادیانیت کی ابتداء کب ہوئی اور ان کے کتنے فرقے ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟

جواب: مرزا غلام احمد قادیانی نے 1889ء میں اپنی جماعت کی بنیاد رکھی۔ 1908ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی جماعت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد اس جماعت کا پہلا سربراہ حکیم نور الدین بنا، جس کا انتقال 1914ء میں ہوا۔ حکیم نور الدین کے مرنے کے بعد اقتدار واختیارات کے حصول کا جھگڑا ہوا کہ اب سربراہ کون بنے گا؟ محمد علی لاہوری نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اسے سربراہ ماننے سے انکار کردیا اور قادیان چھوڑ کر لاہور چلا آیا۔ لاہور آکر لاہوری گروپ نے عام مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد اور مسیح موعود کہنے کا ڈھونگ رچایا مگر جس شخص نے خود اپنی زندگی میں نبوت

ملنے اور وحی آنے کا دعویٰ کیا ہو ایسے شخص کو مجدد تو کیا ایک مسلمان بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ صرف کافر و دجال اور کذاب ہی ہوسکتا ہے اور اس کے تمام پیروکار چاہے وہ اپنا کوئی سا نام رکھیں، اسی زمرہ کفار میں شامل ہوں گے۔(19)

سوال: لاہوری اور قادیانی مرزائیوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: لاہوریوں کا قادیانیوں سے تین مسائل میں اختلاف ہے۔

1) قادیانی گروپ مرزا کے نہ ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں، لاہوری ان کو کافر نہیں کہتے۔

2) قادیانی گروپ مرزا قادیانی کو قرآنی آیت "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" کا مصداق قرار دیتے ہیں، لاہوری اس آیت کا مرزا کو مصداق نہیں سمجھتے۔

3) قادیانی گروپ مرزا کو حقیقی نبی قرار دیتا ہے، لاہوری اسے حقیقی نبی قرار نہیں دیتے۔

سوال: جب لاہوری مرزا غلام احمد کو نبی ہی نہیں مانتے تو ان کے کافر ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: آنحضرت ﷺ کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ بالا جماع کافر ہے۔ اس کو جو لوگ اپنا امام، مجدد، ماموّر من اللہ، مہدی، مسیح، ظلی نبی تسلیم کریں وہ بھی کافر ہیں، حتیٰ کہ مدعی نبوت کو جو لوگ مسلمان سمجھیں بلکہ جو اسے کافر نہ سمجھیں وہ بھی کافر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے اپنے فتاویٰ میں، عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں اور اسمبلی نے اپنے قانون میں قادیانیوں کی طرح لاہوری گروپ کو بھی کافر قرار دیا ہے۔(20)

سوال: مسلمانوں کو قادیانیوں کے ان دونوں گروپوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

جواب: ان دونوں گروپوں کے ساتھ معاشرتی و مذہبی میل جول شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے قطعاً ناجائز ہے۔ رابطہ عالم اسلامی نے اپریل 1974ء کے ایک بڑے اجتماع میں جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا ایک قرارداد منظور کی جس میں اسلامی ممالک اور 144 مسلم آبادیوں کی تنظیموں کے نمائندے شامل تھے جس کی شق 3 یہ ہے کہ: "مرزائیوں (دونوں گروپ) سے مکمل عدم تعاون اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور ان کے کفر کے پیش نظر ان سے شادی بیاہ کرنے سے اجتناب کیا جائے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔"

اس شق کے پیش نظر تمام دنیا کے وہ مسلمان جو ان دونوں گروپوں کی ضرر رسانی اور ان کے کفر و زندقہ کا بخوبی علم رکھتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ ان کے ساتھ میل جول، اٹھنا، بیٹھنا، خرید و فروخت، ان کی دعوت میں شریک ہونا یا ان کو دعوت پر مدعو کرنا بند کردیں۔ اگر یہ مرجائیں تو ان کے کفن، دفن، جنازے میں شریک نہ ہوں اور ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں۔

نوٹ: اسلام، عیسائی اور یہودی وغیرہ دیگر غیر مسلموں کو برداشت کرتا ہے سوائے موالات (قلبی دوستی) کے، مواسات

(ہمدردی نفع رسانی) مدارات (ظاہری خوش اخلاقی) سماجی تعلقات اور معاملات کی اجازت دیتا ہے۔عیسائی کافر ہیں مگر ان کا نبی سچا تھا۔ یہودی خود غلط ہیں مگر جن کو وہ نبی مانتے ہیں وہ صادق تھے۔ سچے نبی کے جھوٹے پیروکاروں سے تعلقات ہو سکتے ہیں مگر کذاب و دجال کے پیروکاروں، حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغیوں اور کفر کو اسلام کا لبادہ پہنا کر دھوکہ دینے والوں سے تعلقات نہیں رکھے جا سکتے۔(21)

سوال: قادیانیوں کے بارے میں پاکستان کا آئین کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: 7 ستمبر 1974ء کو نیشنل اسمبلی آف پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

سوال: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں تحریک ختم نبوت کا کیا کردار رہا؟ مختصراً بیان کریں۔

جواب: تحریکِ ختمِ نبوت 1974ء ایک نظر میں

نمبر شمار	تاریخ	واقعات
1	22 مئی	پشاور جاتے ہوئے طلبہ کے وفد کی ربوہ اسٹیشن پر قادیانیوں سے تو تکار ہوئی۔
2	29 مئی	پشاور سے واپس آتے ہوئے قادیانیوں نے طلبہ پر قاتلانہ حملہ کیا۔
3	30 مئی	لاہور اور دیگر شہروں میں ہڑتال ہوئی۔
4	31 مئی	سانحہ ربوہ کی تحقیقات کے لیے صمدانی ٹریبونل کا قیام عمل میں آیا۔
5	3 جون	مجلس عمل کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں منعقد ہوا۔
6	9 جون	لاہور میں مجلس عمل کا کنوینر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا گیا۔
7	13 جون	وزیر اعظم نے نشری تقریر میں بجٹ کے بعد مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔
8	14 جون	ملک گیر ہڑتال ہوئی۔
9	16 جون	مجلس عمل کا لائل پور (فیصل آباد) میں اجلاس ہوا جس میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو امیر اور مولانا محمود احمد رضوی کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔
10	30 جون	قومی اسمبلی میں ایک متفقہ قرارداد پیش ہوئی جس پر غور کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔
11	24 جولائی	وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ جو قومی اسمبلی کا فیصلہ ہوگا ہمیں منظور ہوگا۔
12	3 اگست	صمدانی ٹریبونل نے تحقیقات مکمل کر لیں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

13	5اگست تا 23اگست	وقفوں سے مکمل گیارہ روز مرزا ناصر پر قومی اسمبلی میں جرح کی گئی۔
14	20اگست	صمدانی ٹریبونل نے اپنی رپورٹ سانحہ ربوہ سے متعلق وزیر اعلیٰ کو پیش کی۔
15	22اگست	رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی گئی۔
16	24اگست	وزیر اعظم نے فیصلہ کے لیے 7 ستمبر کی تاریخ مقرر کی۔
17	28،27 اگست	لاہوری گروپ پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی۔
18	1 ستمبر	لاہور شاہی مسجد میں ملک گیر ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔
19	5,6 ستمبر	اٹارنی جنرل (جناب یحییٰ بختیار) نے اسمبلی میں عمومی بحث کی اور مرزائیوں پر جرح کا خلاصہ پیش کیا۔
20	7 ستمبر	قومی اسمبلی نے 4:53 پر فیصلہ کا اعلان کیا کہ مرزا قادیانی کے ماننے والے ہر دو گروپ غیر مسلم ہیں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

مشق

سوال1: لوگوں پر لوگوں کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، عموماً اس کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟

سوال2: ایک امتی کو حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا نسبتیں حاصل ہیں اور ان نسبتوں کے کیا کیا تقاضے ہیں؟

سوال3: امتیوں پر حضور ﷺ کے کون سے چھ بنیادی حقوق عائد ہوتے ہیں؟

سوال4: حضور ﷺ پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

سوال5: کیا نجات کے لیے حضور ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب دیں۔

سوال6: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک با اخلاق با کردار یہودی جو موسیٰ علیہ السلام کو رسول مانتا ہے اسی طرح ایک عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام کو رسول مانتا ہے مگر محمد ﷺ کو رسول نہیں مانتا۔

سوال7: ختم نبوت کا معنی اور مطلب اور اس کی اہمیت بیان کریں۔

سوال8: حضور ﷺ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کے متعلق کیا کیا پیش گوئیاں فرمائیں اور ان کا ظہور کب اور کس طرح ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان جھوٹے مدعیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

سوال9: قادیانیت کی ابتداء کب ہوئی اور ان کے کتنے فرقے ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟

سوال10: لاہوری اور قادیانی مرزائیوں میں کیا فرق ہے؟

سوال11: جب لاہوری مرزا غلام احمد کو نبی ہی نہیں مانتے تو ان کے کافر ہونے کی کیا وجہ ہے؟

سوال12: مسلمانوں کو قادیانیوں کے ان دونوں گروپوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

سوال13: قادیانیوں کے بارے میں پاکستان کا آئین کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

سوال14: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں تحریک ختم نبوت کا کیا کردار رہا؟ مختصراً بیان کریں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:2

دوسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا

- ❑ قرآنی ہدایت
- ❑ درود شریف کا حکم
- ❑ درود شریف کے فضائل
- ❑ درود شریف پڑھنے کے مواقع/اوقات
- ❑ درد شریف نہ پڑھنے پر وعید
- ❑ مستند درود شریف

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

دوسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا

قرآنی ہدایت

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کے بارے میں قرآن کریم میں ہمیں کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب: قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ اللهَ وَملائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيهِ وَسَلِّمُوا تَسلِيمًا۔(احزاب:56، كويتيه،نبی،فقرة:34)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

درود شریف کا حکم

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا کب فرض اور کب واجب ہے؟

جواب: 1) پوری زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے، یہ فرض نماز میں درود پڑھنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔**(22)**

2) اور جب سورۃ احزاب کی وہ آیت سنی جائے جس میں ایمان والوں کو درود پڑھنے کا حکم ہے اس وقت درود پڑھنا واجب ہے۔

3) اور جب مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنا جائے تو اس وقت بھی واجب ہے، بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں جتنی مرتبہ سنا ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔**(23)**

درود شریف کے فضائل

سوال: درود شریف پڑھنے کے کیا فضائل ہیں؟

جواب: 1) اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کا ثواب ملتا ہے۔ (احزاب: 56)

2) فرشتوں کے ساتھ موافقت ہو جاتی ہے۔(ایضاً)

3) 10 رحمتیں ملتی ہیں، 10 گناہ معاف ہوتے ہیں، 10 درجات بلند ہوتے ہیں۔**(24)**

4) پریشانیوں، غموں سے نجات ملتی ہے۔**(25)** 5) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب ملتا ہے۔**(26)**

6) آپ ﷺ کی شفاعت ملتی ہے۔(27) 7) اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔(28)

❑ درود شریف پڑھنے کے مواقع/اوقات

سوال: احادیث میں کن موقعوں اور اوقات میں درود پڑھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے؟

جواب: 1) مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت 2) روضہ مبارک پر حاضری کے وقت
3) مجلس کے ختم پر 4) شب جمعہ اور جمعہ کے دن
5) صبح وشام 6) اذان کا جواب دینے کے بعد
7) دعا کے شروع اور آخر میں 8) ختم قرآن کے موقع پر
9) بیان، وعظ اور خطبہ کے وقت 10) تلبیہ کے بعد، حجر اسود کے استلام کے وقت، صفا و مروہ پر سعی کے وقت
11) رنج و غم کے وقت(29)

❑ درود شریف نہ پڑھنے پر وعید

سوال: احادیث میں درود نہ پڑھنے پر کیا وعیدیں آئی ہیں؟

جواب: 1) جس شخص کے سامنے حضور ﷺ کا نام آئے اور وہ درود نہ پڑھے، اس کے لیے جبرئیل علیہ السلام کی ہلاکت اور بربادی کی بددعا ہے اور حضور ﷺ کی طرف سے اس کی تائید ہے۔(30)
2) اور ایسے شخص کو حضور ﷺ نے بخیل فرمایا۔(31)

❑ مستند درود شریف

سوال: سب سے افضل اور مستند ترین درود شریف کون سا ہے؟

جواب: درود ابراہیمی جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔(32)

سوال: کوئی چھوٹا سا کتابچہ جس میں حضور ﷺ سے منقول/مستند درود شریف کو یکجا کیا گیا ہو اس کا نام بتائیں؟

جواب: زاد الخلیل مکتبہ معہد الخلیل

سوال: آج کل عہد نامہ، درود تاج، درود ہزاروی، درود لکھی، دعا جمیلہ وغیرہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں ملتی ہیں، کیا ان میں موجود فضائل قرآن و حدیث سے ثابت ہیں؟

جواب: یہ درود نبی ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ سے منقول نہیں اور ان کے جو فضائل لکھے ہوتے ہیں وہ بھی من گھڑت ہیں۔(33)

مشق

سوال 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کے بارے میں قرآن کریم میں ہمیں کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

سوال 2: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا کب فرض اور کب واجب ہے؟

سوال 3: درود شریف پڑھنے کے کیا فضائل ہیں؟

سوال 4: احادیث میں کن موقعوں اور اوقات میں درود پڑھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے؟

سوال 5: احادیث میں درود نہ پڑھنے پر کیا وعیدیں آئی ہیں؟

سوال 6: سب سے افضل اور مستند ترین درود شریف کون سا ہے؟

سوال 7: کوئی چھوٹا سا کتابچہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول/مستند درود شریف کو یکجا کیا گیا ہو اس کا نام بتائیں؟

سوال 8: آج کل عہد نامہ، درود تاج، درود ہزاروی، درود لکھی، دعا جمیلہ وغیرہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں ملتی ہیں، کیا ان میں موجود فضائل قرآن وحدیث سے ثابت ہیں؟

مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:3

تیسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا ادب کرنا

- ادب کا حکم
- ادب سے متعلق چار قرآنی ہدایات
  - آگے نہ بڑھنے کا مطلب
  - آواز بلند نہ کرنے کا مطلب
  - آواز بلند کرنے پر وعید
  - ادب سے پکارنے کا مطلب
- ادب کے چند واقعات
  - حدیث کا ادب
  - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کا ادب
  - روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب
  - اہل بیت/صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

تیسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہر چیز کا اداب کرنا

❑ ادب کا حکم

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور آداب سے متعلق قرآن کریم میں کیا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۔(فتح:8-9، کویتیہ، نبی، فقرة:30)

(اے پیغمبر) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو۔

❑ ادب سے متعلق چار قرآنی ہدایات

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کے بارے میں قرآن کریم میں ہمیں کیا کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب:

(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے مت بڑھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔(سورۃ الحجرات:1)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔

- **ممبر نبوی اور خلفاء راشدین کا ادب:** مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خطبہ دینے کے لیے لکڑی کا ایک منبر بنایا گیا جس کے تین درجے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دینے کے لیے سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے تو درمیان والے درجے پر پاؤں رکھتے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کے لیے درمیان والے درجے پر بیٹھتے، جبکہ پاؤں مبارک نچلے درجہ پر رکھتے۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کے لیے سب سے نچلے درجے پر بیٹھتے، جبکہ پاؤں

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

زمین پر رکھتے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیے، جب خطبہ دینے کی ضرورت پیش آتی تو آپ رضی اللہ عنہ زیادہ کیے ہوئے درجات میں سے پہلے درجے پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ادب کے معاملے میں سند کی حیثیت رکھتا ہے۔(34)

- **حضور ﷺ آگے نماز پڑھنے سے پرہیز کرنا:** نبی اکرم ﷺ پر وصال مبارک سے پہلے جب مرض کا غلبہ ہوا تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد میں نمازوں کی امامت کروائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں سترہ نمازیں پڑھانے کا شرف نصیب ہوا۔ وصال مبارک سے دو روز قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نمازِ ظہر کی امامت کروا رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ شدید علالت کے باوجود جماعت میں شمولیت کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اندازہ ہوا کہ سید المرسلین ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو وہ دورانِ نماز مصلے سے پیچھے ہٹے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آہستہ آہستہ پہلی صف میں آگئے اور نبی اکرم ﷺ مصلے پر تشریف لے گئے اور اس طرح یہ نماز مکمل ہوئی۔ نماز سے فراغت حاصل ہونے پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ دورانِ نماز پیچھے کیوں ہٹے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ .(35)

ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ رسول ﷺ کے آگے نماز پڑھے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیت: **لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** (سورۃ الحجرات:1) کے فرمانِ الٰہی پر کس بے ساختگی سے عمل کرتے تھے۔

- **کھیل میں بھی حضور ﷺ کا مدمقابل بننے سے اجتناب:** حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو فریق تیراندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے۔ کسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ ان دونوں کو تیراندازی میں مشغول دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنی اسماعیل! تم تیراندازی کرو، چونکہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں تم میں سے فلاں فریق کے ساتھ ہوں۔ یہ الفاظ سنتے ہی دوسرے فریق نے کمان رکھ دی۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا؟ کمان کیوں رکھ دی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں جب کہ آپ دوسرے فریق کے ساتھ ہیں؟ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مقابلہ کرو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔(36)

- **کھانے میں حضور ﷺ سے پہل نہ کرنا:** حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول ﷺ کے ساتھ دسترخوان

پر حاضر ہوتے تو اس وقت تک کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک نبی ﷺ شروع نہ فرماتے۔ چونکہ آقا کی موجودگی میں غلام کا کسی کام میں پہل کرنا بے ادبی سمجھی جاتی ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانا کھانے میں بھی پہل نہ کیا کرتے تھے۔(37)

- **رہائش میں حضور ﷺ سے فوقیت سے بچنا:** نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ اس مکان کی دو منزلیں تھیں۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مع اہل وعیال اوپر والی منزل میں ٹھہرے، جب کہ نبی اکرم ﷺ نچلی منزل میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رات کو محو خواب تھے، اچانک آنکھ کھلی۔ معاً دل میں خیال آیا کہ نبی اکرم ﷺ نیچے ہیں اور میں اوپر ہوں، یہ تو صریحاً بے ادبی ہے۔ چنانچہ بستر سے اٹھ کر کمرے کی دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے رہے، حتی کہ صبح ہوگئی۔ جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بصد اصرار آپ ﷺ کو اوپر والی منزل میں ٹھہرایا اور خود مع اہل وعیال نیچے آ گئے۔(38)
- **حضرت علی رضی اللہ عنہ محفل نبوی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:** جس وقت نبی اکرم ﷺ کلام شروع فرماتے تو آپ کے اصحاب اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ جب آپ ﷺ خاموش ہوجاتے تب حاضرین میں سے کوئی ایک کلام کرتا اور دوران گفتگو آپ ﷺ سے بحث ومباحثہ نہ کرتے۔(39)

دنیا کے بڑے بڑے امراء کی مجالس میں ان آداب کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان آداب کا تعلق قلبی محبت وعقیدت سے ہے۔ اہل دنیا کو یہ نعمت کہاں نصیب ہے......؟

- **حضور ﷺ کی نسبت کو اپنی نسبت سے مقدم رکھنا:** حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بیت المال سے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم کے روزینے مقرر کرنے لگے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار (3,000) درہم سالانہ مقرر کیے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار پانچ سو (3,500) درہم مقرر کیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اسامہ کا روزینہ آپ نے مجھ سے زیادہ کیوں مقرر کیا؟ فرمایا کہ اس کا باپ تیرے باپ سے اور وہ خود تجھ سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کو پیارے تھے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیارے کو اپنے پیارے پر فوقیت دی۔ عشق نبوی اور ادب نبوی کی یہ کتنی درخشندہ مثال ہے......!(40)

(2) اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ۔

(حجرات: 2، کویتیۃ، نبی، فقرۃ: 32)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

- اس آیت کے نزول کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! اب تو میں آپ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ (41/1)

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت دھیمی آواز کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ (41/2)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے بلند آواز خطیب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیات سنیں تو گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ کسی آدمی نے ایک مرتبہ پوچھا: کیا حال ہے؟ تو کہنے لگے:

شَرٌّ كَانَ يَرۡفَعُ صَوۡتَهُ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهُ، وَهُوَ مِنۡ أَهۡلِ النَّارِ۔

برا حال ہے۔ میں تو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتا تھا۔ میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔

اس آدمی نے جب یہ صورت حال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے جا کر کہہ دو:

إِنَّكَ لَسۡتَ مِنۡ أَهۡلِ النَّارِ، وَلَكِنَّكَ مِنۡ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ۔ (41/3)

آپ ہرگز جہنمی نہیں، بلکہ جنتی ہیں۔

یعنی قدرتاً بلند آواز شخصیت ہونے کی وجہ سے دورانِ گفتگو آواز قدرے بلند ہو گئی تو معاف کر دیا جائے گا۔

- **امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ابو جعفر منصور کو تنبیہ:** ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی میں کسی بات پر مباحثہ کیا۔ دوران گفتگو جب خلیفہ کی آواز قدرے بلند ہوئی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کر۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: لَا تَرۡفَعُوٓا أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِيِّ (سورۃ الحجرات: 2) ''اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو''۔

اور ایک قوم کی (ان کے باادب ہونے کی وجہ سے) تعریف کی:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصۡوَٰتَهُمۡ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُوْلَٰٓئِكَ الَّذِينَ امۡتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمۡ لِلتَّقۡوَىٰ، لَهُم مَّغۡفِرَةٌ وَأَجۡرٌ عَظِيمٌ۔ (سورۃ الحجرات: 3)

یقین جانو! جو لوگ اللہ کے رسول (ﷺ) کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

اور ایک قوم کی (ان کے بے ادب ہونے کی وجہ سے) مذمت بیان کی:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ (حجرات:4)

(اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، ان میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حیاتِ مبارکہ میں تھا۔ یہ سنتے ہی ابو جعفر کی آواز پست ہو گئی۔ **(42)**

● **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا ادب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی طرح:** حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام عبد الرحمٰن بن مہدی (م: 198ھ) کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے سامنے حدیث پاک پڑھی یا سنائی جاتی تو وہ لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے: لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ''اپنی آوازوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو''۔ اور نیز یہ بھی فرماتے کہ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت خاموش رہنا اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں ارشاد فرماتے وقت لازم تھا۔ **(43)**

(3) جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو/ بلاتے ہو اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مت پکارو:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ **(44)**

(اے لوگو!) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلا لیا کرتے ہو۔ اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ لہذا جو لوگ اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اُن پر کوئی آفت نہ آ پڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے۔

اس آیت کے نزول کے بعد جب بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے تو ''يَا نَبِيَّ اللهِ!... يَا رَسُولَ اللهِ... يَا حَبِيبَ اللهِ!...... کہتے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتے: فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي ''آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں!''

● **أَنَا أَسَنُّ وَرَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَكْبَرُ:** حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، تاہم عمر میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: يَا عَمَّاهُ! أَنْتَ أَكْبَرُ مِنِّي؟ ''اے میرے چچا! کیا آپ مجھ سے بڑے ہیں؟'' یہ الفاظ سنتے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور عرض کیا: أَنَا أَسَنُّ وَرَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَكْبَرُ ''نہیں! میری

عمر زیادہ ہے اور اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے بڑے ہیں۔" (45)

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی منقول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم بڑے ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ انہوں نے جواباً کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں، البتہ میں پیدائش میں ان سے پہلے ہوں۔ (46)

اس سے اندازہ لگا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام گفتگو میں بھی کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس میں بے ادبی کا شائبہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا جذبہ ان کے اَنگ اَنگ میں اس طرح سما چکا تھا کہ روانی کلام میں بھی خلاف ادب کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ (47)

(4) مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرو تو اس سے پہلے صدقہ دیا کرو

قرآن کریم میں ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ (مجادلة:12)

اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو۔ یہ طریقہ تمہارے حق میں بہتر اور زیادہ ستھرا طریقہ ہے۔ ہاں اگر تمہارے پاس (صدقہ کرنے کے لیے) کچھ نہ ہو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ منافقین مدینہ نے لوگوں میں اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کے انداز میں بات کرتے۔ دیکھنے والوں کو یہ تأثر ملتا کہ یہ بات کرنے والا بڑا اہم آدمی ہے اور کوئی خاص گفتگو کر رہا ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمانوں نے بھی غیر اہم باتیں کرنے کے لیے اس روش کو اپنا لیا۔ چونکہ یہ سب کچھ آداب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تھا، لہٰذا اللہ رب العزت نے حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو۔ جب لوگوں نے اپنی غلطی کا احساس ہونے پر یہ عادت ترک کر دی تو رب کائنات نے اس حکم کو منسوخ فرما کر مسلمان پر کشادگی فرما دی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ حکم اترا تو منافقین نے بخل کی وجہ سے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا (تو خلاف ادب ہے جو) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

● **آگے نہ بڑھنے کا مطلب:**

سوال: آج جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان موجود نہیں تو یہ جو ادب ہمیں سکھایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے

مت بڑھو ہم اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: آگے نہ بڑھو کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل رہے ہوں تو ان سے آگے مت چلو بلکہ اس میں مزید یہ بھی داخل ہے کہ: ہم اپنے نظام تعلیم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام تعلیم سے مقدم نہ کریں۔

ہم اپنے معاشی نظام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاشی نظام سے مقدم نہ کریں۔

ہم اپنے معاشرتی نظام یعنی (رہن سہن) کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے معاشرتی نظام سے مقدم نہ کریں۔

الغرض ہماری زندگی گزارنے کا ہر نظام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے نظام کے تابع ہونا چاہیے۔

- **آواز بلند نہ کرنے کا مطلب:**

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ادب ہمیں سکھایا گیا ہے کہ اپنی آواز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، آج ہم کیسے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث، آپ کا قرآن، آپ کی بتائی ہوئی اذان یہ سب بھی آپ کی آوازیں ہیں۔لہٰذا جس وقت اذان ہورہی ہو، قرآن وحدیث سنایا جارہا ہو اس وقت حتی الامکان ہمیں کسی اور کام میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ بلا عذر ایسی مجلس کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔قرآن وحدیث کی جو باتیں ہمارے مزاج، ماحول کے خلاف ہوں ان کا انکار، تاویلیں وغیرہ نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ سب بے ادبی ہے اور اپنی آواز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند کرنے کے مترادف ہے۔ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضری کے وقت بھی اپنی آواز کو پست رکھنا چاہیے۔

- **گھر کے دروازے کو کھٹکھٹانے میں احتیاط:** حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کسی شدید ضرورت اور تقاضے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا تو وہ ازراہِ ادب اپنے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا کہ اطلاع بھی ہوجائے اور زیادہ آواز کہیں طبیعت میں گرانی کا باعث بھی نہ بنے۔(48)

- **حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صاحبزادی کو طمانچہ رسید کیا:** ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوت میں داخل ہوئے تو اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلند آواز میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوت میں اپنی بیٹی کی یہ بے ادبی دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ چنانچہ آپ نے ایک طمانچہ اس زور سے رسید کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوٹ میں جا چھپیں۔(49)

- **حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیٹی کی پاکدامنی کے یقین کے باوجود زبان نہ کھولنا:** ایک مرتبہ منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر جلوہ افروز ہوئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا: اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کا علان فرمادیں گے اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب توبہ کرلیتا ہے تو اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم سے عرض کیا کہ میری طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دے دیجئے۔ گو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا یقین تھا، مگر ادب نبوی کی وجہ سے زبان نہ کھل سکی۔ صرف اتنا کہا: میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں۔ (50)
- **کیل ٹھونکنے والے کو تنبیہ:** سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر مسجد نبوی کے کسی قریبی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ (51)
- **کارپنٹر سے شرط:** حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے لیے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا۔ آپ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کسی جگہ دروازہ تیار کرے گا، تاکہ تیاری کے دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ پہنچے۔ جب دروازہ تیار ہوجائے گا تو اپنی جگہ پر نصب کردیا جائے گا۔
- **مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آوازیں بلند کرنے پر تنبیہ:** حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی۔ جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ آپ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ جاؤ، ان دونوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا: طائف سے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ شہر (مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں دُرّے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟ (52)
- **زور سے ہنسنے پر تنبیہ:** حضرت نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عشاء کے وقت مسجد نبوی میں موجود تھے۔ اچانک کسی شخص کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں قبیلہ بنو ثقیف سے ہوں۔ یہ سن کر آپ نے پوچھا: کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا: میں طائف کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ یاد رکھو! اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔ (53)

- **آواز بلند کرنے پر وعید:**

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنی کی بے ادبی پر قرآن نے کیا وعید (دھمکی) دی ہے؟

جواب: قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (سورۃ الحجرات:2)

اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

- **ادب سے پکارنے کا مطلب:**

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جو ادب ہمیں سکھایا گیا ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا پکارتے ہو اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مت پکارو آج ہم اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیتے وقت یا سنتے وقت صرف نام پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ درود شریف کا اہتمام بھی کیا جائے۔

❑ ادب کے چند واقعات

- **حدیث کے ادب کے چند واقعات**
- حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (م:118ھ) اس امر کو مستحب سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث باوضو ہی پڑھائیں۔**(54)**
- حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا جب وضو نہ ہوتا اور حدیث بیان کرنا چاہتے تو تیمم کر لیتے تھے۔**(55)**
- حضرت ضرار بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سلف صالحین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ بے وضو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کریں۔**(56)**
- حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م:175ھ) کتابتِ حدیث بھی وضو کر کے کیا کرتے تھے۔**(57)**
- حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

مَا وَضَعْتُ فِيْ كِتَابِ الصَّحِيْحِ حَدِيْثًا إِلَّا اغْتَسَلْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ۔ **(58)**

میں نے صحیح بخاری میں جو حدیثیں بھی درج کی ہیں ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے میں نے غسل کیا ہے اور دو رکعت نماز پڑھی ہے۔

- حدیث کے بیان کے لیے غسل کرتے، خوشبو لگاتے اور نیا لباس زیب تن کرتے: جب لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

علم حاصل کرنے کے لیے آتے تو ایک خادم ان لوگوں سے پہلے دریافت کرتے کہ حدیث مبارکہ پڑھنے کے لیے آئے ہو یا فقہی مسائل معلوم کرنے کے لیے؟ اگر وہ کہتے کہ مسائل معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فوراً نکل آتے۔ اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث مبارکہ کی سماعت کے لیے آئے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ غسل کر کے خوشبو لگاتے اور نیا لباس زیب تن کر کے باہر تشریف لاتے۔ (59)

آپ کے لیے ایک تخت بچھایا جاتا جس پر بیٹھ کر آپ حدیث بیان فرماتے۔ اثنائے روایت مجلس میں عود (خوشبو) کی دھونی دی جاتی۔ کسی طالب علم نے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ اس طرح سیدنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کروں'' (60)

● **حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو درس حدیث میں بچھو نے سولہ (16) مرتبہ ڈسا:** حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے احادیث نبوی بیان فرما رہے تھے۔ قرأت حدیث کے دوران آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا، مگر آپ نے حدیث مبارک کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایتِ حدیث سے فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا تھا کہ ذرا میرا کمر دیکھو۔ میں نے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈسا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے بتا کیوں نہ دیا؟ فرمایا: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی عظمت کے لیے صبر کیا۔ (61)

● **خوش طبعی کے باوجود خشوع طاری ہو جاتا تھا:** حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ خوش طبع شخصیت کے مالک تھے، لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کا ذکر آتا تو ان پر ادب کی وجہ سے خشوع طاری ہو جاتا تھا۔ (62)

● **پیاس کی شدت، سرکہ پی لیا محسوس تک نہ ہوا:** حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس حدیث میں مشغول تھے کہ انہیں سخت پیاس کی وجہ سے حلق اتنا خشک محسوس ہوا کہ بولنا بھی مشکل ہو گیا۔ انہوں نے ایک طالب علم سے فرمایا: پانی لے آؤ۔ طالب علم جب گھر پہنچا اور پینے کے لیے پانی طلب کیا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت پریشان ہوئے اور فرمایا: افسوس! ہمارے خاندان سے علم رخصت ہو گیا۔ اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے پانی کے گلاس میں سرکہ ملا کر بھیجا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پی لیا اور انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ پانی میں سرکہ ملا ہوا ہے۔ جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو فرمایا: الحمدللہ! ابھی ہمارے خاندان میں علم باقی ہے۔

● **حدیث کے بیان میں بیماری کی رعایت نہیں کی:** رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ (م: 93ھ) بیمار ہونے کی وجہ سے ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے ان سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ سائل نے کہا کہ آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی؟ فرمایا: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کروٹ کے بل لیٹے لیٹے بیان کروں۔ (63)

● **گورنر کو بھی نظر انداز کر دیا گیا اور وطن کو خیر باد کہنا پڑا:** خالد بن احمد الذھلی گورنر بخارا نے اما بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ گھر آ کر میرے لڑکوں کو "صحیح بخاری" اور "تاریخ کبیر" پڑھا دیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد کو جواب دیا کہ میں علم کی توہین نہیں کر سکتا اور نہ لوگوں کے گھروں میں علم اور کتابیں لیے پھر سکتا ہوں۔ گورنر صاحب سے کہہ دیجیے کہ اگر ان کو علم کا شوق ہے تو وہ میری مسجد یا گھر میں آ کر مجھ سے پڑھ لیا کریں۔ گورنر صاحب کا پیغام آیا کہ آپ میرے لڑکے کے لیے ایک الگ مجلس منعقد کیا کریں، جس میں کوئی دوسرے طالب علم شریک نہ ہو، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں دین کے بارے میں یہ امتیازی رویہ ہرگز صحیح نہیں سمجھتا۔ گورنر صاحب نے جب یہ کھرا کھرا جواب سنا تو بعض علماء کو جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے حسد تھا، ان کے پیچھے لگا دیا اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا کو خیر باد کہتے ہوئے سمرقند تشریف لے گئے۔ وہیں کچھ عرصہ کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور سمرقند سے چھ میل دور "خرتنگ" کے مقام میں مدفون ہوئے۔ (64)

● **شہزادے کو حدیث بیان کرنے سے محروم کر دیا گیا:** امام قبیصۃ ابن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ (م: 215ھ) کے دروازے پر بادشاہ ابو دلف کا لڑکا مع اپنے خادموں کے حدیث کی روایات حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت قبیصہ رحمۃ اللہ علیہ نے نکلنے میں کچھ دیر کی تو شہزادے کے خادموں نے آواز دی: شہزادہ دروازے پر ہے اور آپ باہر نہیں آتے؟ حضرت قبیصہ رحمۃ اللہ علیہ باہر نکلے تو انہوں نے اپنے تہبند کے کنارے پر خشک روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ جو شخص دنیا سے صرف اس پر راضی ہو وہ شہزادے کو کیا جانتا ہے؟ اللہ کی قسم! میں (شہزادے کی بے ادبی کی وجہ سے) اس سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔ (65)

● **کھڑے ہو کر حدیث پوچھی تو بیس (20) کوڑوں کی سزا ہوئی:** ایک مرتبہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کھڑے ہونے کی حالت میں ایک حدیث پوچھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث نبوی کی یہ بے ادبی اتنی ناگوار گزری کہ اسے سزا کے طور پر بیس کوڑے لگائے۔ پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں۔ یہ دیکھ کر ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کاش! امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مجھے اور زیادہ کوڑے مارتے، پھر اور اتنی زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔ (66)

● **کھڑے ہو کر حدیث پوچھنے پر قاضی کو بھی قید کی سزا ہوئی:** ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی جگہ کھڑے تھے۔ اسی دوران قاضی جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے ان کے لیے چند دن کی قید کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے کہا: حضرت! یہ تو قاضی صاحب ہیں (ان کو بھی قید کیا جائے گا؟) فرمایا: "قاضی اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے۔" (67)

● **راستے میں حدیث پوچھنے کو بھی بے ادبی سمجھتے تھے:** ابن مہدی روایت کرتے ہیں کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ "عقیق" کی طرف جا رہا تھا۔ دوران گفتگو میں نے ایک حدیث مبارک کی بابت پوچھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جھڑک

دیا اور فرمایا کہ مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث مبارک کی بابت سوال کرو گے (ان کے نزدیک یہ ادب نبوی کے خلاف تھا۔)(68)

حضور ﷺ کے شہر کا ادب:

- **قضائے حاجت کے لیے شہر آقا ﷺ سے باہر تشریف لے جاتے:** حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی۔ جب قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو آپ شہر سے باہر حدود حرم تک جاتے اور اس طرح بیٹھ کر فراغت حاصل کرتے کہ جسم تو حدود حرم میں رہتا، تاہم فضلہ حدود سے باہر گرتا۔ کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر میری موت واقع نہ ہو جائے۔ ایک طرف تو دیارِ حبیب سے اتنا لگاؤ اور دوسری طرف ادب کی یہ انتہا کہ اپنے جسم کی نجاست مدینہ منورہ کی مٹی میں شامل کرنا گوارا نہیں۔ محبت و ادب کا یہ امتزاج بہت کم دیکھا گیا ہے۔
- **قدم مبارک کے نشان پر پاؤں رکھنے کی ڈر سے دیواروں کے قریب چلتے:** امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے راستے کے درمیان میں چلنے کے بجائے دیواروں کے قریب چلتے۔ پوچھنے پر فرمایا: ممکن ہے کہ ان راستوں پر نبی ﷺ کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہوں۔ اگر میرے قدم ان نشانات پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہو گی۔(69/1)
- **گھوڑے پر سواری کو گوارا نہیں کرتے تھے:** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس سواری کے لیے بہترین گھوڑے موجود ہیں، مگر آپ مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مقدس جگہ پر میرے آقا کے مبارک قدم لگے ہوں میں اس جگہ کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں۔(69/2)
- **شہر آقا ﷺ کی مٹی کو خراب کہنے پر تیس (30) درے اور قید کی سزا:** ایک مرتبہ کسی شخص نے دوران گفتگو کہا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فتوی دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور کچھ عرصہ کے لیے قید کر دیا جائے۔ کسی نے پوچھا کہ اتنی سختی کیوں؟ فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ جس زمین میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ آرام فرما ہیں وہ اس کے متعلق گمان کرتا ہے کہ اس کی مٹی خراب ہے......!(70)
- **مدینہ کی اشیاء سے محبت کا انداز:** کسی شخص نے حضرت مولانا رشید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک کپڑا پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ مدینہ سے لایا ہوں۔ آپ نے اس کپڑے کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ ایک طالب علم نے کہا: حضرت! یہ تو غیر ملکی کپڑا ہے، مدینے کا بنا ہوا تو نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا: جس ملک کا بھی بنا ہوا ہے اسے دیار محبوب ﷺ کی ہوا تو لگی ہے نا! عشق نبوی ﷺ و ادب نبوی کی یہ کتنی عمدہ مثال ہے......!

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

• روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب:

• روضہ اقدس کا کثرتِ ادب کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خواب میں دیدار: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روضہ اقدس اور مسجد نبوی کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

لَوْرَأَيْتُمْ مَارَأَيْتُ، لَمَاأَنْكَرْتُمْ عَلٰى مَاتَرَوْنَ۔ (71)

اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو پھر میرے عمل پر اعتراض نہ کرتے

یہ اسی ادب نبوی ہی کی برکت تھی کہ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خواب میں کثرت سے دیدار ہوتا تھا۔ حضرت مثنٰی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو۔ (72)

• روضہ مبارک کے قریب دفن ہونے کو بے ادبی سمجھتے تھے: خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقت وفات آیا تو بعض لوگوں نے سوچا کہ انہیں گنبد خضریٰ میں دفن کریں گے۔ جب یہ بات ان کے کانوں میں پڑی تو ان کو منع کیا کہ میرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک دفن ہونا میری طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی ہوگی۔ میری اوقات کیا ہے کہ میری قبر ان کے قریب ہو؟ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ (73)

• سبز رنگ کا جوتا پہننا گوارا نہیں کیا: ایک شخص نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سبز رنگ کا نہایت خوبصورت جوتا ہدیۃً پیش کیا۔ آپ نے ہدیہ کو سنت کی نیت سے قبول تو فرمالیا، مگر جوتے کو استعمال نہ کیا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا: قاسم کو زیب نہیں دیتا کہ گنبد خضریٰ کا رنگ بھی سبز ہو اور میرے جوتے کا رنگ بھی سبز ہو۔ سبز رنگ کا جوتا میرے نزدیک بے ادبی ہے۔

• اہل بیت/صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب

• اہل بیت کا ادب: قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (حج: 32)

جو شخص اللہ کی شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دلوں کے تقوی سے حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث وفقیہ نے اپنی معروف کتاب ریاض الصالحین میں باب اکرام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وبیان فضلھم کے تحت ذکر کی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت کی تعظیم بھی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل ہے۔ لہٰذا جس طرح دیگر شعائر کی تعظیم ہر مسلم پر لازم ہے اسی طرح اہل بیت کی تعظیم بھی ہر مسلمان پر ضروری ہے کیونکہ شعائر اللہ کی تعظیم درحقیقت اللہ ہی کی تعظیم ہے۔ (74/1)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے بارے میں ان کی رعایت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت مجھ کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔**(74/2)**

- **صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب:** قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر اور آپ کے ساتھ بھلائی میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کے اصحاب کی توقیر کی جائے، ان کے ساتھ بھلائی و احسان کا معاملہ کیا جائے، ان کا حق پہچانا جائے، ان کی اچھی تعریف کی جائے، ان کے لیے دعاء و استغفار کیا جائے، ان میں آپس میں جو اختلافات ہوئے ہیں، ان کے بارے میں توقف کیا جائے جو ان سے عداوت رکھے اس سے دشمنی رکھی جائے، مؤرخین کی جو خبریں ان میں سے کسی کی شان کے خلاف ہوں ان سے اعراض کیا جائے، ان میں سے کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ نہ کیا جائے۔**(74/3)**

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

مشق

سوال1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور آداب سے متعلق قرآن کریم میں کیا حکم دیا گیا ہے؟

سوال2: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کے بارے میں قرآن کریم میں ہمیں کیا کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

سوال3: آج جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان موجود نہیں تو یہ جو ادب ہمیں سکھایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے مت بڑھو ہم اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟

سوال4: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ادب ہمیں سکھایا گیا ہے کہ اپنی آواز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، آج ہم کیسے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

سوال5: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنی کی بے ادبی پر قرآن نے کیا وعید (دھمکی) دی ہے؟

سوال6: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جو ادب ہمیں سکھایا گیا ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا پکارتے ہو اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مت پکارو آج ہم اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:4

چوتھا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

❑ تمہید

پہلی بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تاریخی اعتبار سے مستند ہے

دوسری بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلو سامنے ہے کوئی گوشہ مخفی نہیں

تیسری بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمام انسانی کمالات کا مجموعہ اور کامل نمونہ ہے

چوتھی بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے

فصل 2: اتباع کی برکات، اہمیت اور ترک اتباع کے نقصانات

فصل 3: اتباع کا طریقہ

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

تمہید

سوال: کس شخصیت کی سیرت تمام طبقات انسانی (یعنی امیر وغریب، حاکم ومحکوم، باپ بیٹا اوران کی ہر حالت (یعنی خوشی غمی، صحت بیماری) کے لیے آئیڈیل سیرت بن سکتی ہے؟

جواب: جن کی سیرت اور زندگی میں چار باتیں موجود ہوں۔

پہلی بات: اس شخصیت کی سیرت اور زندگی کے جو حالات بتائے جا رہے ہیں وہ فرضی وخیالی نہ ہوں بلکہ حقیقی ہوں اور تاریخ اور روایت کے اعتبار سے مستند ہوں یعنی ہم تک وہ مستند طریقے سے پہنچے ہوں، تاریخی اعتبار سے ان کی حیثیت مشتبہ اور مشکوک نہ ہو۔ کیونکہ فرضی، خیالی واقعات سے نہ کوئی متاثر ہوتا ہے نہ ان کی پیروی کی جاتی ہے۔

دوسری بات: جس کی سیرت وزندگی کے تمام پہلو سامنے ہوں، کوئی گوشہ مخفی نہ ہو ورنہ جو گوشے سامنے ہوں گے ان کی تو پیروی ہو سکے گی جو سامنے ہی نہ ہوں گے ان کی پیروی کیسے ہوگی؟ (75)

تیسری بات: جو شخصیت تمام انسانی کمالات اور اچھی صفات کا کامل مجموعہ ہو تاکہ تمام طبقات کے لیے نمونہ بن سکے۔

چوتھی بات: وہ شخصیت جو نظریہ اور تعلیم پیش کر رہی ہو وہ خود اس کا عملی نمونہ ہو یعنی جو کہے وہ کر کے بھی دکھائے۔

سوال: وہ کون سی شخصیت ہے جس کی سیرت وزندگی میں تمام طبقات انسانی اور ان کی ہر حالت میں آئیڈیل بننے کی پہلی شرط (جس کی زندگی تاریخی اعتبار سے مستند اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو) پائی جاتی ہیں؟

جواب: صرف اور صرف محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے۔

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

پہلی بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تاریخی اعتبار سے مستند اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے

(1) آپ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت تمام طریقوں (تحریر، حفظ، عمل، تعلیم وتبلیغ) سے ہوئی

(2) شروع سے ہوئی (3) ایک بڑی جماعت نے اس کا اہتما کیا

(4) درمیان میں کبھی انقطاع نہیں ہوا (5) یہ کام انتہائی معیاری طور پر ہوا

تمہید

سوال: انسانی مذاہب کے تمام بانیوں، پیشواؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسی ہستی ہے جن کی سیرت/ زندگی اس طرح محفوظ ہو کہ:

- اس مذہب کے بانی کی زندگی میں شروع ہی سے ان کی سیرت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہو
- اور یہ اہتمام کسی فرد یا افراد نے نہیں بلکہ ایک بڑی جماعت، لاکھوں کروڑوں افراد نے کیا ہو۔(76)
- اور ہر طریقہ سے کیا ہو یعنی تحریری، زبانی، عملی، تعلیم، تبلیغ الغرض انسانوں کی وہ ساری کوششیں اور تدبیریں صرف ہوئی ہوں جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق انسان کا دماغ سوچ سکتا ہے۔(77)
- اور حفاظت کے ہر طریقہ کو انتہائی معیاری انداز میں کیا گیا ہو۔ (78)
- پھر یہ اہتمام بانی مذہب کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک ہر زمانہ میں ہوا ہو، درمیان میں انقطاع نہ ہوا ہو۔(79)

جواب: تمام مذاہب کے بانیوں میں ایسی ہستی سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ تمام مذاہب کے بانیوں کے مقابلہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت

(1) تمام طریقوں سے ہوئی ہے، تحریر سے، زبانی، سینہ بہ سینہ، عمل سے، تعلیم وتبلیغ سے۔

(2) شروع سے ہوئی ہو

(3) ایک بڑی جماعت نے اس کا اہتمام کیا ہو

(4) درمیان میں کہیں انقطاع نہ ہو

(5) اور یہ کام انتہائی معیاری طور پر ہوا ہو

ایسی ہستی سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی اور نہیں ہے۔

❑ توضیح و تفصیل:

(1) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت تمام طریقوں سے ہوئی ہے

❑ پہلا طریقہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی حفاظت تحریر سے

1) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (11ھ تک) میں تحریر شدہ احادیث کی مقدار اور شکلیں:

- **تحریر کی مقدار:** کل ذخیرہ احادیث جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کی تعداد 50 ہزار کے قریب ہے جن میں صحیح احادیث کی تعداد 5 ہزار کے قریب ہے، اور اس تعداد کا غالب حصہ عہد نبوی ہی میں تحریر ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث کی کتابت سو سال یا دو سو سال بعد ہوئی ہے۔
- **تحریر کی شکلیں:**

1. **جو تحریر لکھوا کر کسی کو دی**
   جیسے: ابو شاہ یمنی تمیم داری، سراقہ کو
2. **لکھوا کر کسی کو بھجوائی**
   - **خطوط و فرامین**
     جیسے: 104 یا 105 تبلیغی خطوط مختلف حکمرانوں کو
   - **معاہدات/ امان نامے**
     جیسے: میثاق مدینہ، حدیبیہ کا صلح نامہ
   - **مسائل و احکام**
     جیسے: نماز، روزہ، سود، شراب، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام لکھوا کر بھجوائے
3. **جو تحریر لکھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھی، وفات کے بعد سامنے آئی**
   جیسے تلوار کے قبضے سے 2 تحریریں دستیاب ہوئیں
4. **عہد نبوی کا وہ سرمایہ جو صحابہ نے خود لکھا۔**
   جیسے: مکثرین صحابہ کے لکھے ہوئے صحائف۔ جیسے:
   (1) صحیفہ عبداللہ بن عمرو ؓ
   (2) صحیفہ ابو ہریرۃ ؓ
   (3) صحیفہ انس ؓ
   (4) صحیفہ جابر بن عبداللہ ؓ
   (5) صحیفہ رافع بن خدیج ؓ
   (6) صحیفہ سمرۃ بن جندب
   (7) صحیفہ سعد بن عبادہ
   (8) صحیفہ عبداللہ بن مسعود ؓ
   (9) عہد نبوی ؐ میں دیگر صحابہ کے صحائف

- **مکمل تفصیلات کے لیے دیکھیں حاشیہ (80)**

2) عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی کے آخر تک) میں احادیث کی تحریر کی شکلیں:

جو تحریر صحابہ نے صحابہ کو لکھ کر دی
جیسے: ابوبکرؓ نے انسؓ کو زکوٰۃ کے احکام لکھ کر دیئے اور حضرت ابن عباسؓ کی وہ تختیاں جس پر ابورافع کی روایتیں لکھا کرتے تھے

جو تحریر صحابہ نے صحابہ کو لکھوا کر بھجوائی
جیسے امیر معاویہؓ کو حضرت مغیرہ نے دعا لکھوا کر بھجوائی

جو تحریر صحابہ نے تابعین کو لکھ کر دی
جیسے: حضرت عمرؓ نے عقبہ بن فرقد کو بعض سنتیں لکھ کر دی، حضرت ابن عباسؓ نے نجدہ خارجی کے سوالات کے جوابات احادیث کی روشنی میں لکھ کر دیئے۔

جو تحریر صحابہ نے تابعین کو لکھوا کر بھجوائی۔
جیسے حضرت عروۃ بن زبیرؓ نے غزوہ بدر کا مفصل حال لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا

جو تحریر تابعین نے صحابہ کے زمانہ میں خود لکھی۔
جیسے: ابان حضرت انسؓ کے ساتھ بیٹھ کر حدیثیں لکھتے تھے، سعید بن جبیرؓ ابن عباسؓ کے پاس لکھتے تھے

جو تحریر تابعین نے صحابہ کے بعد ان کی کتابوں سے لکھی۔
جیسے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط جو بحرین کے سربراہ کے نام تھے حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں سے لکھا۔

- **مکمل تفصیلات کے لیے دیکھیں حاشیہ (81)**

3) عہد تابعین (پہلی صدی کے آخر سے دور تدوین، تصنیف وتالیف یعنی دوسری صدی کے وسط تک) کا تحریری سرمایہ

- خلیفہ عادل عمر ثانی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اٹھ جانے سے احادیث کے ضیاع کا اندیشہ لاحق ہوا تو انہوں نے احادیث اور سنن وآثار کی تدوین کا حکم فرمایا، اور تمام اطراف مملکت میں اس مضمون کا گشتی فرمان کیا، چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور اخبار واحادیث وسنن کی تحریری نسخے دار الخلافہ بھیجے گئے اور جتنا حصہ جمع ہو کر ان کے پاس پہنچا انہوں نے اس کی نقلیں لے کر تمام ممالک اسلامیہ اور مختلف شہروں میں بھجوادیں، اس لیے مستشرقین اور ان کے مقلدین کا یہ کہنا کہ وہ سب ضائع ہوگئیں محض خیال خام اور افسانہ بے معنی ہے بلکہ امت اس سے متنفع ہوئی اور اس مہم میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور حزمی (ابن حزم) نے سبقت کی اور بہت ممکن ہے کہ علی الاطلاق اس سبقت کا سہرا امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہو، نیز نافع، ابوالزناد وغیرہ کی کوششیں بھی قابل تحسین تھیں۔

یہاں تک کے دوسری صدی کے وسط میں کوئی ایسا شہر نہیں رہا جس میں محدثین کے علوم اور مرویات کو کتابی شکل جمع نہ کر لیا گیا ہو، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، واسطری، خراسان، شام، مصر، یمن، الغرض ہر خطہ میں کتابیں لکھی گئیں اور علم حدیث کے چشمے تمام عالم اسلامی میں پورے جوش سے بہنے لگے۔

الغرض: پہلی صدی کے آخیر میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے تدوین حدیث کا آغاز ہو تھا، دوسری صدی کے وسط تک اس تسلسل قائم رہا اس دور میں تصنیف وتالیف کا رواج عام ہو چکا تھا۔ **مکمل تفصیلات کے لیے دیکھیں حاشیہ (82)**

4) عہد تدوین کے بعد تیسری صدی سے ہمارے زمانہ تک کا تحریری سرمایہ

- کتب حدیث کے مدون ہوجانے کے بعد ان احادیث کی حیثیت متواتر روایتوں کی سی ہوگئی ہے یعنی یہ بات مثلاً کہ یہ حدیثیں صحاح ستہ کے مصنفین ہی کی مدون کی ہوئی ہیں اب اس بات میں بالکل اس طرح شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ گلستان بوستان نامی کتابوں کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ شیخ سعدی کی کتابیں نہیں ہیں صحاح بلکہ حدیث کی عام متداول کتابوں کا یہی حال ہے۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ پچھلے ہزار سال بلکہ ہزار سے بھی زیادہ مدت سے حدیث کی کتابوں کی روایتیں ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بلند تر ہوچکی ہیں، لے دے کر گفتگو کی گنجائش جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے وہ قوفہ کی اسی محدود مدت میں پیدا ہوسکتی ہے جو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور حدیث کی کتابوں کے ان مصنفین کے عہد سے پہلے درمیان میں گزری ہے۔ مکمل تفصیلات کے لیے دیکھیں حاشیہ (83)

- **دیگر مذاہب: بانی معلوم نہیں/ تمام طریقوں سے حفاظت نہیں:** اب تک جو تفصیلات بیان ہوئی اس سے واضح ہوگیا کہ حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور آپ کی سیرت طیبہ کی حفاظت تمام طریقوں سے ہوئی جبکہ دیگر مذاہب کا حال یہ ہے کہ ان میں سے بعض مذاہب تو ایسے ہیں جن کا بانی ہی معلوم نہیں جیسے ہندومت، کہ یقین سے کسی کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شخصیت ہندو مذہب کی بانی ہے، پھر ان کی سیرت اور زندگی کے محفوظ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (84)

ہندومت: ہندوؤں میں ویدکو زبانی یاد کرنے کا اگرچہ کسی قدر اہتمام تھا لیکن تحریر کا اہتمام نہیں تھا، ہندیات کے مشہور محقق ابو ریحان بیرونی کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ جس زمانے میں بیرونی ہندوستان آیا تھا اس کا بیان ہے کہ اس کی آمد سے کچھ دن پہلے ایک کشمیری پنڈت نے پہلی مرتبہ ویدوں کو کتابی قالب عطا کیا تھا ورنہ اس سے پہلے ویدوں کا سارا دارومدار ان پنڈتوں کے حافظہ پر تھا جو نسل درنسل اس کے اشلوکوں کو زبانی یاد کرتے چلے آرہے تھے۔ (85)

بدھ مت: بدھ مت کے رہنماؤں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گوتم بدھ نے کوئی تحریر شدہ کتاب نہیں چھوڑی اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ گوتم بدھ کے شاگردوں نے اپنے استاد کے ملفوظات اور تقاریر کو سن کر زبانی یاد کیا اور پھر انہیں آگے دوسروں تک منتقل کردیا۔ (86)

❑ دوسرا طریقہ: آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت حافظے سے

1۔ ذریعہ حفاظت فقط تحریر نہیں ہے

- پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلقہ معلومات جنہیں آج حدیث کی کتابوں میں ہم پاتے ہیں، ان کے متعلق یہ خیال سرے سے بے بنیاد ہے کہ صحاح کی موجودہ کتابوں سے پہلے بجائے سفینوں کے صرف سینوں سے سینوں ہی تک منتقل ہوتے

رہے، لیکن تھوڑی دیر کے لیے اسی عامیانہ خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی میں نہیں سمجھتا کہ ان معلومات کو قطعی طور پر مسترد کر دینے کے لیے اتنی وجہ کیسے کافی ہو سکتی ہے کہ سوڈیڑھ سو سال تک بجائے کاغذ کے بے جان اوراق کے زندہ انسانوں کے زندہ حافظوں نے ان کی حفاظت کی، آخر آدمی کا حافظہ آدمی کا حافظہ ہے۔ شمع کے ان پروانوں کا حافظہ تو نہیں ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ جلنے کے بعد فوراً ان پروانوں کا حافظہ سے جلنے کا خیال نکل جاتا ہے اسی لیے جلنے کے بعد بار بار پھر اسی شمع پر گرتے ہیں۔ شاعروں نے شمع و پروانے کے اسی تعلق کا نام عشق رکھ چھوڑا ہے۔ **(87)**

- میں حیران ہوں کہ ہم اسی انسان کی بینائی شنوائی اور دوسری قوتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان ہی معلومات پر آدمی کی زندگی اور زندگی کے پورے کاروبار کا دارومدار ہے، دیکھنے میں آنکھوں پر، سننے میں کانوں پر، سونگھنے میں ناکوں پر، چکھنے میں زبانوں پر ہم بھروسہ کرتے ہیں پھر ایک حافظہ اور یادداشت ہی کی قوت بدگمانیوں کا شکار کیوں بنی ہوئی ہے، کیوں سمجھ لیا گیا ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی چیز کا حافظہ کی قوت کے سپرد ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان ساری ضمانتوں سے وہ محروم ہو گئی جن کی ضرورت اعتماد اور بھروسہ کے لیے قدرتاً انسانی فطرت محسوس کرتی ہے۔ **(88)**
- دیگر مذاہب بھی اپنی مذہبی تعلیمات کی حفاظت حافظہ کے ذریعہ کرتے آئے ہیں۔
- مستشرقین کی تحقیق کے مطابق ہندومت کی مذہبی تعلیمات یعنی ویدوں کا سارا دارومدار دو ہزار سال تک پنڈتوں کے حافظہ پر تھا جو نسل در نسل اس کے اشلوکوں کو زبانی یاد کرتے چلے آرہے تھے، چاروں ویدوں کو جو زبانی یاد کرتے تھے وہ چتر ویدی یا چوبے اور تین کے یاد کرنے والے تر ویدی اور دو کو یاد کرنے والے دوبے کہلاتے تھے۔ **(89)**
- جس زمانہ میں البیرونی (ہندیات کا مشہور محقق) ہندوستان آیا، پہلی مرتبہ اس نے ویدوں کو کتابی قالب عطا کیا تھا۔

2۔ حفظ مشکل نہ تھا

(1) وہاں عادت ہی حفظ کرنے کی تھی:

- عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد رکھنے کی کچھ ان کی فطری عادت سی تھی، اس بات میں ان کو خاص خصوصیت حاصل تھی۔

مَذْهَبُ الْعَرَبِ أَنَّهُمْ كَانُوْا مَطْبُوْعِيْنَ عَلَى الْحِفْظِ مَخْصُوْصِيْنَ بِذٰلِكَ۔

- عرب کا بدو کتابوں کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا۔ بدوؤں کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا "حَرْفٌ فِيْ تَامُوْرِكَ خَيْرٌ مِّنْ عَشْرَةٍ فِيْ كُتُبِكَ" (دل میں ایک حرف کا محفوظ رہنا، کتابوں کی دس باتوں سے بہتر ہے)
- عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے ؎

لَيْسَ بِعِلْمٍ مَا حَوَى الْقِمَطْرُ ... مَا الْعِلْمُ إِلَّا مَا حَوَى الصَّدْرُ

علم وہ نہیں ہے جو کتابوں میں درج ہے ... نہیں ہے علم لیکن صرف وہی جو سینہ میں محفوظ ہو

دوسرا کہتا ہے ؎

إِسْتَوْدَعَ الْعِلْمَ قِرْطَاسًا فَضَيَّعَهُ وَبِئْسَ مُسْتَوْدَعُ الْعِلْمِ قَرَاطِيْسُ

جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اس نے علم کو ضائع کیا علم کے بدترین مدفن کاغذ ہے

تیسرے کا شعر ہے ؎

عِلْمِيْ مَعِيْ حَيْثُ مَا يَمَّمْتُ أَحْمِلُهُ بَطْنِيْ وِعَاءٌ لَّهُ لَا بَطْنُ صُنْدُوْقِ

میرا علم میرے ساتھ ہے جہاں جاتا ہوں اٹھائے لیے جاتا ہوں، میرا باطن اس علم کا محافظ ہے نہ کہ شکم صندوق۔

إِنْ كُنْتُ فِي الْبَيْتِ كَانَ الْعِلْمُ فِيْهِ مَعِيْ إِذَا كُنْتُ فِي السُّوْقِ كَانَ الْعِلْمُ فِي السُّوْقِ

اگر میں گھر میں رہتا ہوں تو علم میرے ساتھ رہتا ہے، جب بازار میں ہوتا ہوں تو میرا علم بھی بازار میں ہوتا ہے

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے، لکھنے اور کتابت کے متعلق شاید ہی کسی زبان میں اس قسم کے اشعار مل سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا، قاعدہ ہے کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ استعمال کرتا ہے اس میں جلا پیدا ہو جاتی ہے، مختلف اقوام کی مختلف چیزوں کے ساتھ خاص مناسبت کہ یہی وجہ ہے۔ **(90)**

(2) حافظ بے نظیر تھے

- حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ بات مسلم ہے کہ إِنَّ الْعَرَبَ قَدْ خُصَّتْ بِالْحِفْظِ (عرب حافظہ کی قوت میں خصوصیت رکھتے تھے) ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابوں میں درج ہیں کتابی قوموں کے لیے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے، حافظ عمر بن عبد البر لکھتے ہیں: كَانَ أَحَدُهُمْ يَحْفَظُ أَشْعَارَ بَعْضٍ فِيْ سَمْعَةٍ وَّاحِدَةٍ۔ ان میں بعض لوگ صرف ایک دفعہ سن کر لوگوں کے اشعار یاد کر لیا کرتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ستر شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا۔ شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق گفتگو چلی، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا۔ جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے ستر شعر سنا دوں اور سنا دیا۔ **(91)**

- ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

اگرچہ اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہیں کہا ہے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت پچھلوں کے اگلوں کا حافظہ زیادہ قوی تھا، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ قدرتاً عرب کے باشندوں کا سمجھا جاتا ہے کہ یادداشت کی قوت زیادہ بہتر تھی یا نوشت و خواند کا رواج عرب میں کم تھا، زیادہ تر حافظہ کی قوت سے کام لینے کے عادی

تھے، اور قاعدہ ہے کہ جس قوت سے جتنا زیادہ کام لیا جاتا ہے عام طور پر وہی زیادہ بالیدہ اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ جیسے برعکس اس کے جس قوت سے کام لینا چھوڑ دیا تا ہے بتدریج وہ کمزور ہونے لگتی ہے۔ میکانیکی اور دخانی و برقی سواریوں کے اس دور میں جس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اب آدمی میں پیادہ پا اونٹ گھوڑوں کی پیٹھ پر مسافت کے قطع کرنے کی وہ صلاحیت باقی نہیں رہی ہے جو پچھلی نسلوں کے ان افراد میں پائی جاتی تھی جن کی رسائی عصرِ حاضر کی سواریوں تک نہیں ہوئی تھی یا یہ سمجھا جائے کہ جیسے انسان کی عام فطری اور جبلی قوتوں میں بعض استثنائی غیر معمولی مظاہر کی پیدائش اگرچہ ہر زمانہ میں ہوتی رہتی ہے لیکن ان سے جب کام لیا جاتا ہے تو وہ منظرِ عام پر آجاتے ہیں اور دنیا کو ان سے واقف ہو جانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔(92)

● **حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا امتحان:** ایک اور جگہ فرمایا: کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حافظے کے اس امتحانی نتیجہ کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الکنیٰ'' میں نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مروان بن الحکم جو دمشق کی مروانی حکومت کا سب سے پہلا حکمران ہے اسی کے سکریٹری ابو الزعزہ کا بیان ہے کہ ایک دن مروان نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کثرت سے جو حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اسی سلسلے میں مروان کچھ شکوک وشبہات میں مبتلا تھا، بہر حال بلانے پر حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ تشریف لائے، مروان نے ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے سکریٹری ابو الزعزہ کو حکم دے رکھا تھا کہ پردہ کے پیچھے دوات قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ جائے۔ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھوں گا جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو تم لکھتے چلے جانا یہی کیا گیا۔ مروان چھیڑ چھیڑ کر حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھنے لگا۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے جاتے تھے اور پس پردہ ابو الزعزہ لکھتا چلا جاتا تھا ان حدیثوں کی تعداد کیا تھی، خود ابو الزعزہ کا بیان ہے:

فَجَعَلَ يَسْأَلُ وَأَنَا أَكْتُبُ حَدِيْثًا كَثِيْرًا

پس مروان ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا اور میں نے بہت سی حدیثیں لکھ لیں۔

بہر حال ''حدیثا کثیرا'' (بہت سی حدیثوں) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کی کافی معقول تعداد تھی جو اس وقت قلمبند ہوئیں، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیچارے کو قطعاً مروان کی اس پوشیدہ کارروائی کی خبر نہ تھی مجلس برخواست ہوگئی حضرت رضی اللہ عنہ چلے گئے اور مروان نے حدیثوں کے اس مجموعہ کو بحفاظت تمام رکھوا دیا، سال بھر کے بعد ابو الزعزہ کہتے ہیں کہ مروان نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ طلب کیا اور مجھے حکم دیا کہ مکتوبہ حدیثوں کے اسی مجموعہ کو لے کر پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں ان سے ان ہی حدیثوں کو پھر پوچھوں گا، دیکھو اب کی دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں تم ان مکتوبہ حدیثوں سے ان کو ملاتے جانا۔ حکومت کی طرف سے ابو ہریرۃ کا گویا امتحان تھا۔ امتحاں لیا گیا، نتیجہ کیا نکلا؟ ابو الزعزہ ہی کی زبانی سے۔

ابوالزعزہ کے بیان کے بجنسہ الفاظ ہی کو میں نقل کر دیتا ہوں جو یہ ہیں:

فَتَرَكَهُ سَنَةً ثُمَّ أَرْسَلَهُ إِلَيْهِ وَأَجْلَسَنِيْ وَرَاءَ السِّتْرِ فَجَعَلَ يَسْأَلُهُ وَأَنَاأَنْظُرُ فِي الْكِتَابِ فَمَازَادَوَلَانَقَصَ۔ (93)

پس مروان نے نوشتہ حدیثوں کے مجموعہ کو سال بھر تک رکھ چھوڑا، سال بھر کے بعد مجھے پھر پس پردہ بٹھا کر حضرت ابوہریرۃؓ سے پوچھنے لگا، اور میں کتاب میں دیکھتا جاتا تھا، پس ابوہریرۃؓ نے نہ کسی لفظ کا اظافہ کیا اور نہ کم کیا۔

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ان حدیثوں کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ واقعی ان کی صحیح تعداد کیا تھا، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند قلیل روایتیں نہیں تھیں، کثیر روایتوں کا مجموعہ تھا۔ (94)

- **زہری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان:** اسی طرح اپنے عہد حکومت میں ہشام نے بھی ابن شہاب زہری کا امتحان کرنا چاہا۔ اس نے امتحان لینے کی یہ ترکیب اختیار کی کہ ایک دن دربار میں زہری کسی ضرورت سے آئے ہوئے تھے، اس نے خواہش ظاہر کی شہزادے یعنی اس کے لڑکے کے لیے کچھ حدیثیں لکھوا دیجئے۔ زہری راضی ہوگئے کاتب بلایا گیا اور زہری نے جیسا کہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے: فَأَمْلىٰ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مِائَةِ حَدِيْثٍ (95) زہری نے چارسو حدیثیں شہزادے کے لیے لکھوادیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مہینے کے بعد ہشام کے دربار میں پھر جب زہری پہنچے تو بڑے افسوس کے لہجہ میں ہشام نے کہا، إِنَّ ذٰلِكَ الْكِتَابَ ضَاعَ (یعنی وہ کتاب جسے آپ نے لکھوا کر شہزادے کو دی تھی وہ گم ہوگئی) زہری نے کہا، تو یہ پریشانی کی کیا بات ہے، کاتب کو بلوایئے پھر لکھوا دیتا ہوں۔ یہی ہشام کی غرض تھی، کاتب بلایا گیا وہیں بیٹھے بیٹھے زہری نے پھر ان ہی چارسو حدیثوں کو لکھوا دیا۔ پہلا مسودہ درحقیقت غائب نہیں ہوا تھا، یہ ہشام کی ایک ترکیب تھی۔ جب زہری دربار سے اٹھ کر باہر گئے تو قَابَلَ بِالْكِتَابِ الْأَوَّلِ فَمَاغَادَرَ حَرْفًا وَّاحِدًا (96) ہشام نے پہلی کتاب سے دوسری دفعہ لکھائے ہوئے نوشتے سے مقابلہ کیا (معلوم ہوا کہ) ایک حرف بھی زہری نے نہ چھوڑا تھا۔ (97)

- **امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان:** امام بخاری کے متعلق ان کے رفیق درس جن کا نام حاشد بن اسماعیل تھا، خود اپنا یہ ذاتی مشاہدہ جو نقل کرتے تھے کہ بخاری ابھی نوعمر ہی تھے اور ہمارے ساتھ حدیث کے ایک حلقہ میں شریک ہوئے، حاشد کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کا تو قاعدہ یہی تھا کہ استاد حدیثیں بیان کرتا جاتا تھا اور ہم لوگ لکھتے جاتے تھے، لیکن بخاری کو ہم نے دیکھا کہ بجائے لکھنے کے چپ چاپ بیٹھے سنتے رہتے ہیں اور لکھتے نہیں۔ ان کے اس حال کو دیکھ کر کچھ دن تو ہم لوگوں نے صبر سے کام لیا مگر جب ایک زمانہ اسی حال میں گزر گیا تب ساتھیوں نے ان کو ٹوکنا شروع کیا کہ بےکار درس کے حلقہ میں تم کیوں آتے ہو جب کچھ لکھتے ہی نہیں۔ بخاری لوگوں کے اس اعتراض کو سن کر کچھ جواب نہیں دیتے خاموش گزر جاتے۔

حاشد کہتے ہیں کہ آخر ایک دن لوگوں نے جب ان کو بہت زیادہ چھیڑا تو دیکھا کہ غصہ آ گیا ہے اور کہہ رہے ہیں کہ تم لوگوں کا کیا مطلب ہے، لاؤ جو کچھ تم لوگوں نے لکھا ہے، لے کر بیٹھ جاؤ اور سنو میں سب کو زبانی سنا دیتا ہوں۔ حاشد کا بیان ہے کہ: **فَزَادَ عَلیٰ خَمْسَۃَ عَشَرَ أَلْفِ حَدِیْثٍ فَقَرَأَہٗ کُلَّھَا عَنْ ظَھْرِ قَلْبٍ(98)** (پندرہ ہزار سے زیادہ حدیثیں اس بندۂ خدا نے زبانی سناڈالیں۔ جس کا مطلب یہی ہوا کہ ایک دفعہ سن لینے کے بعد امام بخاری کے حافظہ کو یاد رکھنے کے لیے دوبارہ سننے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔(99)

(3) حفظ کرنے کی ترغیب بھی تھی

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے:

> اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اس کو خوب محفوظ کیا اور پھر جیسا سنا تھا ہو بہو آگے پہنچا دیا، کہ بہت سے وہ لوگ جن کو پہنچایا جائے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھا کرتے ہیں۔

اس نوع کی احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احادیث کے سننے، یاد کرنے اور دوسروں تک پہنچانے پر برانگیختہ کرتی تھیں، ناممکن تھا کہ اس کے بعد بھی وہ پیغام رسانی میں تساہل کریں اور احادیث کے حفظ و تبلیغ میں تغافل سے کام لیں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احادیث کے سامعین وحافظین کو بار بار دعائیں دینا، پھر ان کی تبلیغ وتعلیم کی ترغیب دلانا اور ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کے منسوب کرنے پر وعیدیں سنانا احادیث کے حفظ، ان کی روایت میں احتیاط اور ان کی تبلیغ کے لیے مستعد ہونے کا ایسا قوی ذریعہ تھا کہ وہاں ایک بھی چیز ضائع نہیں ہو سکتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن میں محبت وعظمت، ورع وتقوی، قوت حفظ، دین کا بے پناہ شوق وجذبہ اور امتثال حکم کی وہ صفات جمع تھیں کہ پوری انسانی تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔(100)

(4) حفظ پر ہی دنیا کی ترقیاں بھی ملتی تھیں، یہی علم شمار ہوتا تھا، اسی پر مال خرچ ہوتا تھا اور اسی کے لیے سفر کیے جاتے تھے، اور شب بیداری ہوتی تھی:

- اس بات سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دینی بلندیاں ہی نہیں بلکہ اسی قرآن اور حدیث کے جاننے اور ان کے یاد کرنے پر دنیا کی ترقیاں بھی جب مبنی تھیں اس وقت کا کیا حال ہوگا۔ دور کیوں جایئے، ابن شہاب زہری جن کا مختلف حیثیتوں سے اب تک ذکر آ چکا ہے، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ان کے حالات کو درج کرتے ہوئے خود ان ہی کی زبانی اس قصہ کو درج کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مروانیوں کے پہلے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس ایک خط آیا ہے اور اس میں ایک ایسے مسئلہ کا ذکر ہے جس کی وجہ سے وہ اتنے متردد ہیں کہ شاید خلافت کے بعد اس قسم کی علمی الجھن میں وہ کبھی مبتلا نہ ہوئے۔ یہ دراصل ام الولد کے متعلق ایک مسئلہ تھا، آلِ زبیر میں ایک جھگڑا پیدا ہو تھا جس میں فیصلہ کی ضرورت

تھی، عبدالملک کے معتمد خاص قبیصہ بن ذویب تھے، مسجد میں آئے کہ شاید خلیفہ کی اس حدیث کا کسی کے پاس پتہ چلے، زہری نے سننے کے ساتھ ہی کہا کہ اس حدیث کے متعلق میرے پاس کافی معلومات ہیں، قبیصہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسی وقت زہری کو حلقہ سے اٹھا کر ساتھ لیے ہوئے شاہی دربار میں پہنچے، خلیفہ کو بشارت سنائی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے وہ مل گئی، پھر زہری کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان سے پوچھیے، حدیث اور اس کے متعلقہ معلومات آپ کے سامنے عرض کریں گے۔ عبدالملک نے سعید بن المسیب سے اپنی طالب العلمی کے زمانے میں حدیث سنی تھی۔ زہری نے کہا کہ ان ہی سے میں بھی اس حدیث کو روایت کرتا ہوں۔ پھر پوری حدیث اور اس کی تفصیلات کو عبدالملک کے سامنے زہر نے پیش کیا۔ اس وقت زہری کی ضرورتیں تو خیر پوری ہوگئیں جن کی ایک طویل فہرست ابونعیم نے نقل کی ہے، درحقیقت دربار میں ان کی یہی رسائی آئندہ فراغ بالیوں کا ذریعہ بنی۔ ان کو بنی امیہ کی حکومت سے جاگیر بھی ملی تھی، نقد تنخواہ کے سوا۔(101)

- **اس زمانے میں یہی علم شمار ہوتا تھا:** جہاں تک لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، اس زمانہ میں مطلق ''علم'' کا لفظ جب بولا جاتا تھا تو اس سے مقصود وہی جدید علم ہوتا تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پہنچا تھا۔ ابن سعد نے عطاء بن ابی رباح کے حال میں لکھا ہے کہ ابن جریج کہتے ہیں: عطاء جب کوئی روایت بیان کرتے تو میں پوچھتا کہ علم ہے یا رائے (ہے) اگر حدیث ہوتی تو کہتے کہ علم ہے اور رائے ہوتی یعنی علماء کے پیدا کیے ہوئے استنباطی نتائج سے اگر اس کا تعلق ہوتا تو کہتے کہ رائے ہے۔(102)
- محدثین علم حدیث کی خدمت کو شب بیداری سے افضل سمجھتے تھے، اور ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لیے سفر کرتے، مال خرچ کرتے تھے۔(103)
- الغرض بعضوں کا یہ خیال ہے کہ حدیث کی ابتدائی نوعیت کسی علم کی نہیں تھی، متفرق طور پر متفرق صحابیوں نے آنحضرت سے کچھ سُنا یا کچھ کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر یا تو بضرورت انہوں نے کبھی اس کا اظہار کردیا یا بعض تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ جیسے گھر کے پرانے بڑے بوڑھے اپنی ریٹائرڈ زندگی میں نوجوانوں کے درمیان بیٹھ کر اپنے عہدِ جوانی کے قصے دل بہلانے اور گرمی بزم کے لیے بیان کرتے ہیں، یوں ہی العیاذ باللہ حدیث کی ابتداء ہوئی بعد کو بھر بتدریج لوگوں نے اس کو ایک علم بنالیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کو جو تعلق قرآن اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی بنیاد پر مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی زندگی سے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم س کا حال سن چکے۔ کیا اس کے بعد کوئی ایک سکنڈ کے لیے بھی سوچ سکتا ہے کہ خدانخواستہ کسی زمانہ میں بھی آپ کے اقوال و اعمال خصوصاً عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اتنے غیر اہم ہوسکتے تھے جیسا کہ اس شیطانی وسوسہ کا اقتضاء ہے؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے اس کے ذمہ دار تھے کہ قرآن کی تعمیلی

شکل اوراس کے تشریحی مطالب کوخوداپنی زندگی کے نمونوں سے مسلمانوں کو بتائیں اور مسلمان بھی اس کے ذمہ دار قرار دیے گئے ہیں کہ ان کو اپنی زندگی کا جزء بنائیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانے کی کوشش کریں۔ایسی صورت میں دیوانوں کے سِوا اس قسم کے اوہام میں اور کون مبتلا ہوسکتا ہے؟(104)

(5) حضور ﷺ کی باتیں سونے چاندی بلکہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی تھیں:

- جن حضرات کے نزدیک آپ ﷺ کے جسم اطہر کا ایک ایک موئے مبارک دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمت رکھتا ہو، ان کے نزدیک فرمودات نبوت کی قیمت کیا کچھ نہ ہوگی؟ کیا انہیں گوارا ہوگا کہ محبوب ﷺ کے ''کلمات طیبات'' کا کوئی لفظ فضا میں تحلیل ہوکر رہ جائے اوران کے حافظہ پر کندہ نہ ہو؟

بہرحال حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ''حب نبی'' ﷺ کے اس مقام پر فائز تھے کہ اس سے آگے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، نہ انسانی تاریخ نے ایسے عاشق دیکھے، اور نہ سطح زمین پر کوئی ایسا محبوب گذرا، جس سے محب کرنے والوں نے ایسی سچی محبت کی ہو کہ وہ ان کے گوشت پوست میں سرایت کرگئی ہو، ان کے دل میں پیوست ہوگئی ہو، اوران کی روح میں رچ بس گئی ہو، اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ حفاظت دین اور پاسبانی اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی ان کے لیے معمولی بات تھی، ان حضرات نے عشق ومحبت کے ساتھ انتہائی توقیر واجلال اورادب وتعظیم کو جمع کرکے دکھایا، وہ محبوب ﷺ کے اجزاء زائدہ پر لڑتے ہیں، آپ ﷺ کے تھوک اور رینٹھ سے تبرک حاصل کرتے ہیں، ممکن نہیں کہ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع ہونے دیں، وہ آپ ﷺ کے دیدار پُرانوار سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اورآپ ﷺ کے مبارک اورلذیذ وشیریں کلام سے جھوم جھوم جاتے ہیں۔

سوچنا چاہیے کہ کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وہ اقوال وافعال، جوان کی سعادت ونجات کے کفیل ہیں، اورجن کی اتباع واقتداء کا انہیں قرآن کریم میں حکم دیا گیاہے، ان سے ضائع ہوجائیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! آنحضرت ﷺ کے افعال واقوال، حرکات وسکنات آداب واخلاق اورشمائل وعادات ایک ایک نقشہ ان کے ان کی لوحِ قلب پر کندتھا مگراس بات کا سمجھنا بھی ہرایک کے بس کی بات نہیں، اس کیفیت کووہی سمجھ سکتا ہے جس پر گذری ہو، عربی کا ایک محاورہ ہے ''من لم یذق لم یدر'' جس نے کبھی چکھ کر نہیں دیکھا وہ کیا جانے؟ تومعلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب حدیث نبوی کے ایسے صفحات تھے جن کی سطریں کبھی محو نہیں ہوتی تھیں، اوروہ سنت نبی ﷺ کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے جس کا چھاپہ خانہ خودان کے سینے تھے، اندریں حالات حدیث نبوی ﷺ کی حفاظت کے لیے انہیں کتابیں لکھنے اوراوراق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟(105)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(6) یکسوئی بھی میسر تھی

● ایک طرف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان جذباتی طوفانوں کو اپنے سامنے رکھیے اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجئے کہ جس عہد میں اس ''تاریخ (حدیث)'' کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری قدرت کی جانب سے انہیں سپرد ہوئی تھی اس زمانہ میں ان کے پاس کسی قسم کا کوئی دماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا، عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس حیرت انگیز مدہش اچانک دماغی بیداری کے زمانہ سے پہلے وہ اور ان کا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلوں سے مفلس تھا جن کا چرچا عموماً حضارت وتمدن کے ساتھ وابستہ ہے۔ **(106)**

● علم حدیث کی تفصیل وتدوین واشاعت ونشر میں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد لوگوں نے کتنی حیرت انگیز مالی قربانیاں کی ہیں اس کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے میں اس وقت صرف دماغوں کو ادھر متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ منجملہ دیگر اسباب کے کے عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی معاشی فراغبالی کو بھی دنیا کی تاریخ کے اس عجیب حصہ کی حفاظت میں غیر معمولی دخل ہے۔ **(107)**

(7) ایک ہی شخصیت کے احوال تھے (یعنی احادیث) اور وہ بھی اکثر واقعات پر مشتمل تھے:

یاد رکھنا چاہیے کہ واقعات کا یاد رکھنا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا کہ اقوال وملفوظات کا۔ واقعات کی حالت تو یہ ہے کہ شاید ہی کوئی آدمی ہوگا جس کے حافظہ میں ہزار ہا واقعات کی یاد تازہ نہ ہو، کم از کم وہی واقعات جو اس شخص کے ساتھ گزرے ہوں، ہوش سنبھالنے کے بعد صبح وشام لوگوں کے سامنے واقعات جو اس شخص کے ساتھ گزرتے رہتے ہیں اور وہ یاد رہتے ہیں، ان کے یاد رکھنے کے لیے حافظہ پر زیادہ بار ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس فطری عام قاعدے کے ساتھ اس کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ حدیث صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملفوظاتِ طیبہ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے جو کچھ دیکھا گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دوسروں نے جو کچھ کیا اور آپ نے اس سے منع نہیں کیا، اصطلاحاً جس کا نام محدثین نے تقریر رکھا ہے، حدیث کا لفظ ان واقعات کو بھی حاوی ہے، اسی لیے جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو اتنی حدیثیں یاد تھیں تو اس کا مطلب یہی نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف ملفوظات اتنی تعداد میں ان کو یاد تھے بلکہ ملفوظات کے ساتھ بڑا حصہ ان حدیثوں میں افعال وتقریرات کا بھی ہوتا ہے۔ **(108)**

(8) قرآن کی طرح حفظ کرتے تھے: (تفصیل آگے آ رہی ہے، ص: 80-83)

❑ تیسرا طریقہ: آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت عمل سے

(1) تعامل:

- مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہی اس بات پر کی تھی کہ حضور ﷺ کی حدیث قولی فعلی کے ہر ہر جزء، ایک ایک خط وخال کے زندہ نقوش اپنے اندر پیدا کریں گے۔ انہوں نے جس قرآن کو خدا کی شریعت اور قدرت کا قانون یقین کرکے مانا تھا اس میں بار بار مطالبہ کیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کی زندگی کا نصب العین صرف یہی ہونا چاہیے کہ جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اسے سنو، سن کر یاد رکھو اور اس پر ایمان لاؤ یقین کرو، محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ کرتے ہیں ان کی ہر ہر ادا پر نگاہ رکھو اور ٹھیک من وعن جس طرح ان کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اس کام کو اسی طرح انجام دینے کی کوشش کرو۔

مَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔(حشر: 7)

رسول نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے پکڑے رہو اور جس سے انہوں نے روکا ہے اس سے رک جاؤ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔(نساء:64)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن صرف اس لیے کہ اس کی پیروی اور اطاعت خدا کے حکم سے کی جائے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔(آل عمران:31)

کہہ دو اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں چاہنے لگے گا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔(احزاب:21، کویتیہ، نبی فقرۃ:25-41-42)

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے۔

سمع وطاعت، اطاعت واتباع کے ان پر جلال مطالبوں سے قرآن گونج رہا تھا اور ان لوگوں کے سامنے گونج رہا تھا جو ہر چیز سے دست بردار ہو کر صرف اس کی آواز میں گم ہونے کا آخری اور قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔ **(109)**

- الغرض سنت کا علم محض کوئی نظریاتی علم نہیں تھا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات محض فلسفیانہ نوعیت کی تھیں بلکہ ان کا تعلق تو عملی زندگی سے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات اقدس کو محض نصائح اور مواعظ بیان کر دینے تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عملاً تربیت دی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ آپ ﷺ سے حاصل کیا اسے عملاً جاری وساری کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے اس قدر مشتاق تھے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ذاتی عادات اور پسند وناپسند تک کو اپنا لینے کی بھرپور سعی کی ہے۔

چنانچہ اس وقت کی مجموع فضا ہی سنت کے اتباع کی فضا تھی اور سنت محض کسی زبانی کلمات بیان کا نام نہیں تھا بلکہ یہ ایسا

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

اجتماعی طرز عمل اور طریقہ حیات تھا جو معاشرے کے رگ و ریشے میں خوشبو کی طرح بس چکا تھا اور زندگی کے ہر پہلو اور ہر معاملے میں اپنا وجود ثابت کرتا تھا۔

اگر ریاضی کا کوئی طالب علم محض فارمولوں کو زبانی رٹ کر اپنے آپ کو اسی حد تک محدود کر لے تو ایک معتد بہ مدت کے بعد اس کے بھول جانے کا امکان بہت زیادہ ہے، لیکن اگر وہ ان فارمولوں کو عملی شکل دے کر دن میں دس بار مشق کرتا رہے تو کبھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کا ذہن یہ فارمولے فراموش کر دے۔

اسی طرح سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے محض کوئی زبانی مشق نہیں تھی بلکہ انہوں نے اس کو طرز زندگی کے طور پر اپنایا تھا اور یہی ان کی تمام تر کاوشوں اور جدوجہد حیات کا بنیادی محور تھا۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بھول جاتے جب کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کی عمارت اسی بنیاد پر استوار کی تھی۔ چنانچہ احادیث شریف کی مسلسل عملی مشق ایک اور ایسا بڑا عنصر رہا ہے جس نے سنت کی حفاظت اور فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور اسے ایسے بیرونی عناصر سے بچائے رکھا جو اسے مسخ کر دینے کے درپے تھے۔ **(110)**

● اسی بات کو مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے علم کی حد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ مثنی بنے ہوئے تھے اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بجائے ایک نسخہ کے ہزاروں نسخوں کی صورت میں موجود ہو چکی تھی تو کیا میرے اس دعوے کو کوئی غلط ثابت کر سکتا ہے؟ پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی تھی اور یہ تھی حفاظتِ حدیث یا اس تاریخ کے محفوظ کرنے اور ہونے کی پہلی صورت، میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر صحابی اپنی زندگی میں بالکلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہو بہو نقل تھے۔ اگرچہ خلفائے راشدین ہی نہیں بلکہ درجہ میں ان سے بھی جو فروتر اصحاب ہیں، ہم کتابوں میں یہ الفاظ ان کے متعلق پاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید سے ترمذی میں مروی ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: مجھے بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طرز و روش چال ڈھال میں جو آدمی سب سے زیادہ قریب ہو وہ کون ہے؟ تاکہ میں ان سے ملوں، ان سے علم حاصل کروں، حدیثیں سنو۔ ایک معاصر دوسرے معاصر کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے، یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طرز و روش چال ڈھال وضع و انداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ صرف اُن ہی باتوں میں نہیں جن کا تعلق شریعت وقانون سے ہے بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی ہو بہو تصویر اتارنے کے لیے یہاں تک کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق عام طور سے مشہور ہے: جن جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (راستوں) میں نمازیں پڑھی تھیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما ان مقامات کو تلاش

کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ راہ میں جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا رُخ پھیرا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی قصداً اس مقام پر یہی کام کرتے تھے۔ یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ سفر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر استنجا کے لیے اونٹ سے کہیں اتر کے بیٹھے تھے۔ اسی سلسلہ میں ان کی یہ عام عادت بیان کی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس قول وفعل سے یہ غائب رہتے تو جو لوگ اس وقت حاضر ہوتے ان سے پوچھ لیتے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگرد یحییٰ نے ایک دن پوچھا: کیا آپ نے بزرگوں سے یہ سنا ہے کہ ان کا خیال تھا جس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو اختیار کیا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی تکمیل میں کوئی چیز نہیں چھوڑی؟ بولے ہاں! (111)

- اسی بنیاد پر میں ہر صحابی کو دراصل حدیث کا ایک نسخہ یا موجودہ اصطلاح میں اجازت دیجیے تو ایڈیشن قرار دیتا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں بعض ایڈیشن بہت زیادہ کامل اور حاوی تھے اور بعض میں وہ کاملیت نہیں پائی جاتی تھی اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو تعداد اوپر بیان کی گئی ہے صحیح ہے تو ایمان واسلام اور جوش عمل کی ان میں جو سینہ زوریاں تھیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہ ہوگا کہ عہدِ نبوت میں ہی ہماری وہ تاریخ جس کا نام حدیث ہے، اس کے کامل وناقص زندہ نسخوں اور ایڈیشنوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ کیا دنیا میں کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کو کوئی حصہ ایسا موجود ہے جس کے عینی شاہد اتنی تعداد میں خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہوں؟ (112)

(2) تواتر:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا ایک معتد بہ حصہ متواتر احادیث پر مشتمل ہے جن کی صحت وصداقت میں کسی تذبذب کی گنجائش نہیں ہے۔ جس طرح قرآن کریم کی سچائی اس طور پر مسلم ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی تھی۔ چنانچہ اسی طرح متواتر احادیث، خواہ وہ لفظاً متواتر ہوں یا معناً قرآن کریم کی طرح مستند ومعتبر ہیں اور ماخوذ کے استناد واعتبار کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ ''متواتر'' احادیث کے پہلے درجے، یعنی ''متواتر باللفظ'' میں شامل ہونے والی احادیث چند ایک ہی ہیں، لیکن متواتر بالمعنی کی قسم میں شامل احادیث کی تعداد کثیر ہے۔ (113)

- اور یہ بات آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے دین اسلام کے تمام بنیادی احکام امت کو تواتر عملی اور توارث سے پہنچے ہیں، ان کا مدار صرف صحیفوں اور نوشتوں پر نہیں، مثلاً: (الف) نماز اور اس کہ ہیات، قیام، رکوع، سجود، قعود، نماز کا تکبیر سے شروع ہونا اور سلام پر ختم ہونا، اس کے معین اوقات اور اس کی اقسام یعنی فرض، سنت، نفل۔ (ب) زکوۃ، نصاب زکوۃ اور مقدارِ زکوۃ وغیرہ۔ (ج) روزہ، اس کا وقت، اس کے مفسدات اور اس کا کفارہ وغیرہ۔ (د) حج اور اس کے احکام، عمرہ اور اس کے افعال۔ (ہ) وضو اور اس کے متعلقات، غسل اور اس کے لواحقات ومسح خفین وغیرہ۔ علاوہ ازیں بے شمار

چیزیں ایسی ہیں جو اسلامی عقائد کی طرح تعامل وتوارث کے ذریعہ طبقہ در طبقہ اور نسل در نسل امت تک پہنچی ہیں، اب خود ہی انصاف فرمایئے کہ ان متواترات کے مقابلہ میں، جن کا نقش تعامل وتوارث کی بدولت جریدۂ عالم پر ثبت ہے، انفرادی صحیفوں اور نوشتوں کی کیا قدر وقیمت ہے؟ اور اخبار وآحاد کا ان قطعیات کے سامنے جو پہاڑوں کی طرح راسخ ہیں، کیا درجہ ہے؟ **(114)**

- مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تاریخ (حدیث) کی اس عظیم الشان ذخیرے کے ایک بڑے حصے کو میں متواتر خیال کرتا ہوں یعنی بغیر کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسلٍ لاکھوں اور لاکھوں کے بعد کروڑ ہا کروڑ انسانوں کے ذریعہ سے مشرق ومغرب میں یہ حصہ منتقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہنچا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پہنچتا رہے گا۔ ان کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کے لیے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ امت اسلامیہ کے تمام فرقے جن مسائل پر متفق ہیں، تقریباً سب کا یہی حال ہے، عقائد وایمانیات کے سوا طہارت، غسل، وضو، عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات، عقوبات، سیاسیات، مباحات ومخذورات وغیرہ وغیرہ مختلف ابواب سے ان اتفاقی مسائل کا اگر انتخاب کیا جائے جو عہد نبوت سے اس وقت تک ہر ملک اور ہر فرقہ کے مسلمانوں میں طبقۃً بعد طبقۃٍ خلفاً عن سلفٍ تواتر کے ساتھ اس حیثیت سے مسلم ہیں کہ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور طرز عمل تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز نہ ہوگی اور ان کا شمار کرنا زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔ گویا قرآن کے بعد ہم جس چیز کو بغیر کسی تذبذب ودغدغہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال واقوال وتقریرات کا یہی حصہ ہے جو ہم تک تعامل وتوارث کے ذریعہ پہنچا ہے۔ **(115)**

- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ: حقیقت یہ ہے کہ منکرین حدیث نے تواتر کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، ورنہ ان کو حدیثوں کا انکار ممکن نہ تھا، حالانکہ اس کو نظر انداز کرنا جیسا کہ میں مقدمہ میں اشارہ کر چکا ہوں، نہایت خطرناک اقدام ہے، عقائد واعمال مذہبی سے قطع نظر کیجئے، تواتر کے بے اعتبار کہنے کے بعد ان مسکینوں کو اپنا صحیح النسب ہونا اور اپنے والدین کے تعلقات زناشوئی کا جائز وشرعی ثابت کرنا بھی محال ہو جائے گا، جب ہم تواتر کی اس ہمہ گیری پر نظر ڈالتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان اس سے بے نیاز نہیں ہے، اور نہ اس کو اس کے تسلیم کرنے سے چارہ ہے، تو سخت تعجب ہوتا ہے، کہ منکرین حدیث نے حدیثوں کے باب میں کیوں اس کا اعتبار نہیں کیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے، کہ اس کا تو یہ لوگ انکار نہیں کرتے کہ: ''ہندوستان میں گوتم بدھ ایک مصلح گذرا ہے'' لیکن اگر یہ کہا جائے کہ: ''زہری رحمۃ اللہ علیہ ایک راست باز محدث، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نہایت دیندار، امام حدیث، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک خدا ترس صداقت شعار حافظ حدیث تھے، اور ہزار ہا آدمی گواہ ہیں، کہ ان حضرات نے اپنے صدہا استاذوں کی زبانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن افعال واقوال کو بیان کرتے سنا، اس کو یاد کیا، اور ایک مجموعہ جمع کر دیا۔'' تو ہندوستان کے چند افراد بول اٹھتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے، یہ ساری باتیں بناوٹی ہیں، حالانکہ ان حضرات کے ہزاروں ہمعصروں نے ان کو حدیثیں سنتے، اور ان کو بلا ترمیم واصلاح قلمبند کرتے ہوئے دیکھا، اور ان کی صداقت وراستبازی کی قول وفعل سے گواہی دی، اور وہ ساری شہادتیں آج بھی سفینوں میں موجود ہیں، اور سینہ بسینہ بھی نقل ہوتی چلی آتی ہیں، اور کوئی ایک قول بھی سینوں یا سفینوں سے ایسا نہیں ملا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ حضرات (معاذ اللہ) خود افترا پرداز تھے، یا دوسرے مفتریوں سے یہ باتیں حاصل کی تھیں، پھر ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ''منکرین'' یہی کہتے جاتے ہیں، کہ حدیثیں موضوع اور بناوٹی ہیں، بلکہ ان کی صداقت وصحت کی ساری شہادتیں بھی فرضی ہیں، بہت اچھا، لیکن پھر اس کے ساتھ ہی حضرت موسیٰ حضرت عیسی، حضرت نبی آخر الزمان (علیہم الصلاۃ والسلام) قرآن، توریت، انجیل اور دنیا کی تمام قدیم کتابوں کا بھی انکار کیجئے، بلکہ اپنے نسب کی صحت وغیرہ کا بھی انکار کیجئے، کہ ان تمام امور کے ثبوت کا مدار بھی خبر، شہادت در شہادت اور تواتر ہی پر ہے۔ **(116)**

● **دیگر مذاہب کا حال/عملی پہلو:** اب تک جو تفصیلات بیان ہوئی اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور سیرت طیبہ کی حفاظت عمل سے ہوئی جبکہ دیگر مذاہب کا حال یہ ہے کہ ان میں سے بعض مذاہب کی تعلیمات ہی فطرت انسانی کے خلاف ہے جن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا، پھر وہ تعلیمات کسی انسان کے عمل کا حصہ بن کر کیسے محفوظ ہو سکتی ہیں۔

1) جیسے جین مت، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت میں رہبانیت کی تعلیم ہے جو زندگی گزارنے کے لیے ایک تکلیف دہ صورت ہے کہ انسان اپنے تمام تر تعلقات کو پس پشت ڈال کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرے، معاشرتی اور معاشی زندگی سے کٹ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ جائے، شادی بیاہ کی ذمے داریوں سے اپنی جان بچاتا پھرے۔ **(117)**

● ایسے ہی بدھ مت میں گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس کے وہ پیروکار جو درویشانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، ان کے لیے دربدر بھیک مانگتے پھرتے رہنا ضروری ہے۔ **(118)**

2) جیسے سکھ مت فطرت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشے جائیں۔ **(119)**

● جین مت میں کسی ذی روح کو تکلیف پہنچانا قطعاً منع ہے، اس لیے اس مذہب کے پیروکار اکثر سر جھکا کر اور ہاتھ میں جھاڑو وغیرہ لے کر چلتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ عمل غیر فطری ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی تکلیف دہ اور انسانی طاقت سے باہر ہے۔ **(120)**

● مجوسی اور زرتشت تعلیمات کے مطابق مردہ ناپاک ہوتا ہے اور زمین ہمیشہ سے پاک ہے، اس لیے ناپاک مردے کو پاک زمین میں دفنا کر ایک ایک چیز کو ناپاک کرتا ہے جو ظاہر ہے کہ زمین کی سراسر بے حرمتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مر جائے تو

اسے کسی اونچے مینار یا کسی اونچی جگہ پر رکھ دیا جائے تاکہ پرندوں کی خوراک بھی بن جائے اور زمین بھی ناپاک نہ ہو۔ **(121)**

- زرتشت اور مجوس کے یہاں سگے بہن بھائیوں اور دیگر حقیقی رشتہ داروں میں باہمی مناکحت کا سلسلہ قائم کرنا جائز ہے۔ **(122)**

❑ چوتھا طریقہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت تعلیم و تبلیغ سے

- مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اعمال کی اطاعت واتباع ہی کا حکم نہ تھا بلکہ جس قرآن اور جس فرمان نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا تھا اسی نے ان کو اس کا بھی ذمہ دار بنایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ کہتے ہوئے انہوں نے سنا ہے اور جو کچھ کرتے ہوئے انہوں نے دیکھا ہے وہ دوسروں تک مسلسل پہنچاتے چلے جائیں۔ ہر حاضر غائب کو، اور ہر پہلا پچھلوں کو ان کی طرف بلاتا جائے۔ قرآنی آیتوں

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران:110)

تم ایک بہترین امت ہو، انسانوں کی (بہی خواہی) کے لیے تم ظاہر کیے گئے ہو، تاکہ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو اور بری باتوں سے ان کو روکو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(آل عمران:104)

چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو، جو نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے، اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورۃ التوبۃ:122)

پھر ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر آبادی میں سے ایک گروہ نکل آئے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور واپس جا کر اپنے لوگوں کو ڈرائے ہوسکتا ہے کہ لوگ اس کے بعد پارسائی اختیار کرلیں۔

ہی کی یہ تفسیر تھی جو مختلف پیرایوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔

- منیٰ کا میدان ہے، خیف کی مسجد ہے، ایک لاکھ سے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا مجمع ہے، سب کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے:

نَضَّرَ اللّٰهُ عبداً سَمِعَ مَقَالَتِي فوعاها ثُمَّ أَدَّاهَا الى مَن لم يَسْمَعْهَا۔ **(123)**

تروتازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا اور جس نے نہیں سنا ہے اس تک انہیں پہنچادیا۔

- ایک اور روایت میں ہے:

لِيَبْلُغَ الشَّاهِدُ الغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسىٰ أَنْ يَّبْلُغَ مَنْ هُوَ أَوْعىٰ لَهٗ مِنْهُ۔ (124)

جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو پہنچادے۔ کیونکہ بعید نہیں کہ حاضر ایسے شخص تک پہنچادے جو اسے اس سے زیادہ یاد رکھ سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَللّٰهُمَّ اِرْحَمْ خُلَفَائَنَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا خُلَفَاؤُكُمْ قَالَ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَسُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ۔ (125)

اے اللہ! میرے خلفاء پر رحمت فرما، صحابؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: جو میری احادیث کی روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں۔

- یہی منیٰ کا میدان ہے، حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں اعلان فرمایا جاتا ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِيْ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ۔

میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جن کے بعد تم پھر گمراہ نہیں ہوسکتے (ایک تو) اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت، یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض (کوثر) پر میرے سامنے آجائیں۔

مجمع سے دریافت فرمانے کے بعد کہ کیا میں نے پہنچادیا۔ آسمان کی طرف انگلیاں اٹھا کر،

اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ أَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ أَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ۔

کے ارشاد فرمانے کے بعد آخری رخصت کے اس خطبہ کو اس مشہور متواتر فقرہ پر ختم فرمایا جاتا ہے:

أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ (126)

چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچاتا جائے۔

جس دردناک اثر انگیز ماحول میں اس خاتمہ کا اعلان ہوا ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن جذبات و ہیجانات سے مخاطب مجمع بھرا ہوا تھا اس پر کیا اثر ہوا ہوگا۔

- اسی اثر کا آپ کو یقین تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو خطاب کر کے بطور پیش گوئی آپ فرماتے:

تَسْمَعُوْنَ، وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ مِنْكُمْ۔ (127)

تم مجھ سے سن رہے ہو، تم سے بھی سنا جائے گا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہے، ان سے بھی لوگ سنیں گے۔

نہ صرف عام مجامع میں یہ اعلان کیا جاتا تھا بلکہ ملک کے مختلف اطراف سے وقتاً فوقتاً وفود کے جو سلسلے دربار نبوت میں

حاضر ہوا کرتے تھے عموماً ان کو ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا جہاں سے اس واقعہ کے معائنہ اور مشاہدہ کا ان کو کافی موقع مل سکتا ہو جس کے وہ مورخ بنائے جاتے تھے، پھر جو کچھ سنانا اور دکھانا مقصود ہوتا وہ سنایا اور دکھایا جاتا تھا۔

- آخر میں رخصت کرتے ہوئے حکم دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔

إِحْفَظُوْهُنَّ وَأَخْبِرُوْهُنَّ مَنْ وَّرَاءَ كُمْ۔ (128)

ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں اس سے مطلع کرتے رہنا۔

حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جن کے پاس سے یہ لوگ آئے تھے اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے اور ان آئندہ نسلوں کو بھی شامل ہے، جو بعد کو پیدا ہونے والی ہیں اور یہ بات زمانے کے حساب سے ہوگی۔

- اور یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام کے دائرہ میں جو قبائلی داخل ہوتے جاتے تھے دربار رسالت سے ان کی تعلیم وتلقین کے لیے ذمہ دار اصحاب کو بھیجا جاتا تھا۔ حکم دیا جاتا تھا کہ جو کچھ تم نے ہم سے سیکھا ہے، وہ انہیں بھی جا سکھاؤ۔ صرف استحبابی احکام ہی نہیں بلکہ قرآن کی اس آیت:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ:159)

جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جسے ہم نے اتارا ہے اور جو کچھ کھلی باتوں اور سوجھ بوجھ (ہدایت) کی باتوں پر مشتمل ہے اور اس کے بعد چھپاتے ہیں جب کہ انسانوں کے لیے کتاب میں ہم نے اسے بیان کردیا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس تاریخ کی نشر واشاعت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے اس کا چھپانا گناہ خیال کرتے تھے۔

- خود آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث بھی روایت کرتے تھے:

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ ثُمَّ كَتَمَهٗ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ۔ (129)

جس کسی سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور اسے وہ چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اسے پہنائی جائے گی۔

اور اسی کا نتیجہ تھا کہ سکرات میں مبتلا ہیں، لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے اس وقت بھی محض اس خیال سے کہ ''علم کے چھپانے'' کا الزام ان پر نہ رہ جائے حدیث بیان کرتے جاتے تھے۔ (130)

- مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی تعلیم وتعلم اور اس کو آگے پہنچانے کی ترغیب نبوی کا نتیجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

خود عہد نبوت میں جیسا کہ کہہ چکا ہوں، قرآن اور سنن وسیرت کے سیکھنے سکھانے کے لیے ایک باضابطہ تعلیم گاہ صُفّہ کے نام سے قائم تھی، جس میں طلبہ کی تعداد ایک ایک وقت میں اسی اسی تک ہوتی تھی، اس مدرسہ میں تعلیم دینے کا کام ابوہریرۃ، ابن

مسعود، زید بن ثابت، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہم عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں انجام دیتے تھے، مسلمان ہوکر باہر سے لوگ آتے تھے اور حسب ضرورت اس مدرسہ میں قیام کرکے اپنے گھر جاتے تھے۔ اور یہ تو ان لوگوں کی تعلیم کا طریقہ تھا جو خود مدینہ چلے آتے تھے۔ لیکن جو نہیں آسکتے تھے، ان کے لیے آستانۂ نبوت سے باضابطہ معلمین بھیجے جاتے تھے، اسی سلسلے میں بئر معونہ اور رجیع کے معلموں کا مشہور واقعہ ہے جن میں ان بیچارے معلموں کو دھوکہ دے کر شہید کردیا گیا تھا۔ ان کے سوا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ منجملہ اور اغراض کے تعلیمی غرض سے بھی یمن بھیجے گئے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جو حکم دیا گیا تھا اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف اس لیے بھیجا کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلاؤں اور ان پر اسلامی قوانین پیش کروں۔ (131)

● مزید لکھتے ہیں کہ پھر حضورﷺ کے بعد جیسا کہ ہونا چاہیے تھا نہ صرف مدینہ منورہ بلکہ ان تمام مرکزی شہروں میں جہاں جہاں اسلام کی حکومت پہنچ چکی تھی اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف جماعتیں وہاں جاکر توطن پذیر ہوگئی تھیں جن میں خود مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن، یمامہ، بحرین، دمشق، کوفہ، بصرہ، مصر کو خاص اہمیت حاصل ہے، جلیل القدر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے ان شہروں کے جوامع میں قرآن کے ساتھ ساتھ روایت حدیث کے باضابطہ حلقے قائم کر دیے تھے، مدینہ منورہ میں مردوں میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمات اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں تھیں، اسی طرح دمشق میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بصرہ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، از یں ہر مکزی شہر میں ان اغراض سے تعلیمی حلقے جاری ہوچکے تھے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ذوق روایت تو اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ جمعہ کے دن بھی چونکہ مسجد میں عام مسلمانوں کا بڑا مجمع جمع ہوجاتا تھا، اس مجمع کو غنیمت خیال کرکے تقریباً ہر جمعہ میں قبل اِس کے کہ امام خطبہ کے لیے ممبر پر آئے، آپ کا یہ عام قاعدہ تھا۔ جیسا کہ حاکم کی مستدرک میں روایت ہے کہ: جمعہ کے دن حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ منبر کے ایک کنارے کھڑے ہوجاتے پھر منبر کا گولا تھام کر فرماتے ''فرمایا ابوالقاسم ﷺ نے، فرمایا نبوی ﷺ نے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، فرمایا الصادق المصدوق ﷺ، پھر جب انہیں محسوس ہوتا کہ مقصورہ کے دروازے سے امام نکل رہا ہے، بیٹھ جاتے۔ ابن سعد کی ایک تابع سے روایت ہے کہ: وہ (شام کے مشہور شہر) حمص میں داخل ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت آدمی جن کے دانت الگ الگ تھے، لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں، مجمع میں ایسے آدمی بھی ہیں جو اس حسین آدمی سے عمر میں بڑے ہیں اور اس پر جھکے ہوئے اس کی باتیں سن رہے ہیں، میں نے پوچھا تم کون ہو؟ بولے میں معاذ بن جبل ہوں۔ بصرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے: میں بصرہ پہنچا اور مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے آدمی جن کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے مسجد کے ستون سے پیٹھ لگا کر ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے حدیثیں بیان کررہے ہیں۔ ہشام بن عروہ کہتے

ہیں کہ: مسجد نبویؐ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک حلقہ درس تھا، جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے اور یہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر اکابر اصحاب میں ہیں۔ اس کے بعد پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ''فن حدیث'' کی حیثیت عہد نبوت یا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں باضابطہ علم کی نہیں بلکہ افواہی قصوں کی سی تھی۔(132)

- **الغرض** حدیث کے مسلسل اور متواتر مذاکروں نے سنت کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہی مباحثوں کی بدولت احادیث شریف محض چند افراد تک محدود تھیں، وہ بھی دوسروں تک پہنچ گئیں اور راویوں کا دائرہ بتدریج پھیلتا چلا گیا۔(133)
- **دیگر مذاہب/تعلیم تبلیغ نہیں:** اب تک جو تفصیلات بیان ہوئی اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ سے بھی ہوئی جبکہ دیگر مذاہب کا حال یہ ہے:

یہودیت: یہودیت تو خود ایک نسلی مذہب ہے جس کے پاس دنیا کے لیے کوئی پیغام، اقوام عالم کے لیے کوئی دعوت اور انسانیت کے لیے چارہ سازی و مسیحائی کا کوئی سامان نہیں۔ (134)

عیسائیت: عیسائیوں کی مذہبی کتابیں اور اناجیل اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام محدود اور قومی سطح پر تھا، اسے عالمگیریت ہرگز حاصل نہ تھی، اسی لیے اس کا چیلنج بھی ساری دنیا کے لیے نہ تھا۔(135)

ہندو مذہب: ہندو مذہب ایک محدود دھرم ہے جو اپنے دامن میں صرف ان ہندوؤں کو جگہ دیتا ہے جو بائی برتھ یعنی پیدائشی ہندو ہوں، کسی اور مذہب یا قوم سے تعلق رکھنے والے کو اولاً تو یہ اپنے مذہب میں شامل ہونے ہی نہیں دیتے لیکن اگر کوئی اصرار کر کے ہندو مت قبول کرنا چاہے تو اسے نیچ، گھٹیا ذات کے درجے میں رکھا جاتا ہے اور یہ چیز آج تک موجود ہے۔(136)

(2) آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت شروع سے ہوئی

یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں سے بعض کے تو بانی ہی معلوم نہیں اور جن مذاہب کے بانی معلوم ہیں ان میں کچھ ایسے ہیں جن کی زندگی ان کی موت کے کافی عرصہ بعد لکھی گئی، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے حالات تورات سے ملتے ہیں لیکن موجودہ تورات محققین اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا آرٹیکل بائبل کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سیکڑوں سال کے بعد وجود میں آئی ہے(137)

جبکہ حضور ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت شروع ہی سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ کچھ تفصیل گزشتہ عنوانات میں آپ نے پڑھی اور کچھ آگے پڑھیں گے۔

- **دیگر مذاہب/سیرت شروع سے محفوظ نہیں:** بہت سے مذاہب تو ایسے ہیں جن کے بانی ہی معلوم نہیں اور جن مذاہب کے بانی معلوم ہیں ان میں کچھ ایسے ہیں جن کی زندگی ان کی موت کے کافی عرصہ بعد لکھی گئی، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے حالات

تورات سے ملتے ہیں لیکن موجودہ تورات محققین اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا آرٹیکل بائبل کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سیکڑوں سال کے بعد وجود میں آئی ہے۔(138)

(3) آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت کا ایک بڑی جماعت نے اہتمام کیا

- یہ بات پیچھے گزر چکی کہ بڑے بڑے مذاہب جن کے ماننے والے کروڑ ہا کروڑ ہیں ان کے بانیوں کی زندگی نقل کرنے والے ابتدائی روایوں کی تعداد دو یا تین سے بمشکل متجاوز ہے۔اس کے برخلاف جب ہم حضور ﷺ کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو وہاں یہ کیفیت تھی کہ خلوت وجلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقہ تعلیم اور میدان جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپ ﷺ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی۔(199)
- الغرض آپ ؐ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے۔ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔(140)
- علی بن ابی زرعہ جو فن رجال کے مشہور امام ہیں کسی نے ان سے حضور ﷺ کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد جنھوں نے حضور ﷺ کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد آپ کے متعلق کوئی نہ کوئی بات/ حدیث روایت کی اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

تُوُفِّیَ النَّبِیُّ ﷺ وَمَنْ رَاٰهُ وَسَمِعَ مِنْهُ زِيَادَةٌ عَلٰی مِائَةِ أَلْفِ إِنْسَانٍ مِّنْ رَجُلٍ وَّامْرَأَةٍ كُلُّهُمْ قَدْ رَوٰى عَنْهُ سِمَاعًا وَّرُؤْيَةً۔

آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت ان لوگوں کی تعداد جنھوں نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ سے سنا تھا ایک لاکھ سے زیادہ تھی ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔سب حضور ﷺ سے سن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے۔(141)

- حضور ﷺ کی زندگی کو نقل کرنے والوں کی یہ تعداد تو عینی شاہدوں یا ہم عصروں کی ہے، بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا چلا گیا ان کا تو شمار کرنا مشکل ہے۔ہمارے پاس بحمد اللہ ایک نہیں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں ہر حدیث کے تمام اسناد ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔(142)
- پھر یہ بھی واضح ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث کا ایک معتد بہ حصہ متواتر احادیث پر مشتمل ہے جن کی صحت وصداقت میں کسی تذبذب کی گنجائش نہیں ہے۔(143)
- **دیگر مذاہب/ حالات کے ناقلین فرد ہیں:** بڑے بڑے مذاہب جن کے ماننے والے کروڑ ہا کروڑ ہیں، اس کے

بانیوں کی زندگی نقل کرنے والے ابتدائی راویوں کی تعداد دو یا تین سے بمشکل متجاوز ہوگی، انجیل کے ابتدائی راویوں میں آپ کو صرف لوقا، مرقش کا نام ملے گا۔ ہندو کی گیتا جس کو وہ آسمانی کتاب سمجھتے ہیں سری کشن سے اس کو نقل کرنے والا سنجے (گاڑی بان) اکیلا راوی ہے۔(144)

تاؤمت: اس مذہب کا تعلق چین سے ہے، اس مذہب کا بانی چین کا ایک بہت بڑا فلسفی لاؤزے تاؤ تھا، یہ ہجرت کی نیت سے جب سرحد پہنچا تو سرحدی محافظ نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک سرحد پار کرنے نہیں دوں گا جب تک آپ اپنی تعلیمات لکھ کر مجھے نہ دے دیں، لاؤزے نے مجبور ہو کر ایک تاریخی کتاب ''تاؤتے چنگ'' سپرد تحریر کی اور وہ محافظ کے حوالے کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔(145)

(4) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت میں درمیان میں کہیں انقطاع نہیں

- یہ بات پہلے گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ کی حدیثوں کا ایک بڑا حصہ امت کو تواتر عمل کے ذریعہ ملا اور تواتر کہتے ہی ان باتوں کو ہیں جو بغیر کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہوں، لہٰذا احادیث کا جو ذخیرہ تواتر کے ذریعہ امت کو ملا اس میں انقطاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
- پھر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کل ذخیرہ احادیث جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کا غالب حصہ عہد نبوی ہی میں تحریر ہو چکا تھا۔ چنانچہ مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ جب سے قید تحریر میں آیا اس وقت سے مسلسل اسی طرح کتابی شکل میں باقی رہا اور اب تک باقی ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ممکن ہے کہ ابتداء میں بعض لوگوں نے حدیث کے بعض ذخیروں کو لکھ لیا ہو، لیکن بعد کو یہ کتابی ذخیرے ضائع ہو گئے اور درمیان میں پھر زبانی روایت پر اس کا دارومدار رہ گیا ہو اور آخر میں لوگوں نے پھر اسے قلمبند کیا۔ ایسا سمجھنا بھی قطعاً واقعات کے خلاف بلکہ جس طرح گلستان جب سے سعدی نے لکھی اور اب تک درمیان میں غائب ہوئے بغیر اسی کتابی شکل میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے یعنی اس کتاب پر ایسا کوئی زمانہ نہیں گزرا کہ دنیا سے بالکل یہ ناپید ہو گئی ہو اور لوگوں نے اپنے حافظوں کے ذریعہ سے اسے دوبارہ قید تحریر میں لایا ہو، جیسا کہ تورات وغیرہ کے متعلق ایک دفعہ نہیں بار بار یہ واقعہ پیش آتا رہا ہے کہ تین تین سو چار چار سو سال کے لیے اس کا تحریری سرمایہ ناپید ہو گیا اور پھر سینوں سے اس کو سفینوں میں لانے کی کوشش کی گئی، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ پر بحمد اللہ یہ حادثہ کبھی نہیں گزرا۔(146)
- لہٰذا مستشرقین اور ان کے مقلدین کا یہ کہنا کہ وہ سب ضائع ہو گئیں محض خیال خام اور افسانہ بے معنی ہے، بلکہ امت اس سے منتفع ہوئی۔(147)

● اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو ذخیرہ احادیث کا غالب حصہ عہد نبوی ﷺ ہی میں تحریر ہو چکا تھا اور یہ مان لیا جائے جیسا کہ عوام سمجھتی ہیں کہ حدیث کو سب سے پہلے صحاح کے مصنفین ہی نے قلمبند کیا ہے اور یہ کہ وقفہ کی اس درمیانی مدت میں ان روایتوں کا دارومدار صرف یاد کرنے والوں کے حافظہ اور قوت یادداشت ہی پر رہا۔ تب بھی احادیث کے معتمد اور قابل اعتبار ہونے میں کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث کا ذخیرہ جو ہمارے پاس پہنچا ہے اس کے تین ادوار ہیں: (1) عہد نبوی ﷺ، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور (2) تدوین حدیث کے بعد کا دور (3) عہد نبوی، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد سے تدوین کے دور تک کا درمیانی وقفہ۔

(1) عہد نبوت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان احادیث کی حفاظت جن اعتمادی ذرائع کے سپرد ہے، ان کی تفصیلی ذکر آپ سن چکے۔ اور جہاں تک دور تدوین کے بعد کی بات ہے تو صحاح کی ان کتابوں کے بعد ظاہر ہے کہ ان روایتوں کی حیثیت جن پر حدیث کی یہ کتابیں مشتمل ہیں، متواتر روایتوں کی ہوگئی ہے، مثلاً صحیح بخاری کے متعلق یہ بات کہ محمد بن اسماعیل ہی کی تصنیف کی ہوئی ہے، یہ ایک ایسا متواتر واقعہ ہے جس میں شک کی گنجائش قطعاً اسی طرح نہیں جیسے گلستان بوستان نامی کتابوں کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شیخ سعدیؒ کی کتابیں نہیں ہیں، صحاح بلکہ حدیث کی عام متداول کتابوں کا یہی حال ہے، گویا سمجھنا چاہیے کہ پچھلے ہزار سال بلکہ ہزار سے بھی زیادہ مدت سے حدیث کی کتابوں کی روایتیں ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بلند تر ہو چکی ہیں، لے دے کر اگر گفتگو کی گنجائش جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے وہ وقفہ کی اسی محدود مدت میں پیدا ہو سکتی ہے جو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور حدیث کی کتابوں کے ان مصنفین کے عہد سے پہلے درمیان میں گزری ہے۔(148)

اور وہ درمیانی وقفہ بمشکل 70 سال کے اندر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک سو (100) سال تک کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جو آنحضرت ﷺ کے صحابیوں سے خالی رہا ہو، اس زمانہ میں مکثرین صحابی بھی بجز تین کے سب کے سب موجود رہے ہیں۔(149) اور اتنی مدت میں روایات کا حافظوں کا محفوظ رہنا کوئی مشکل بات نہیں۔ مستشرقین کی تحقیق کی بنیاد پر دو ہزار (2000) سال تک ہندو کے ویدوں کا مدار پنڈتوں کے حافظوں پر تھا(150)

● **دیگر مذاہب/ انقطاع:** مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی سیرت اور زندگی کی حفاظت میں درمیان میں کہیں انقطاع نہیں جبکہ دیگر مذاہب میں سے زرتشت ازم کی مذہبی کتابیں اور تعلیمات ایک طویل عرصہ تک صفحہ ہستی سے غائب رہیں پھر ان کو تحریر میں لایا گیا۔(151)

● خونریز جنگوں میں تورات کا نذر آتش ہونا خود یہودی بھی تسلیم کرتے ہیں، نیز تورات کے نسخے تواتر کے ساتھ کسی دور میں موجود نہیں رہے۔(152)

(5) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کی حفاظت انتہائی معیاری طور پر ہوا

● یہ بات پہلے گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی مذہب کے بانی کی زندگی ایسی معیاری انداز میں محفوظ نہیں ہوئی جیسی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی کیونکہ بہت سے مذاہب ایسے ہیں جن کے بانی کی زندگی شروع سے محفوظ نہیں۔ پھر جو کچھ محفوظ ہوا اس کے ناقلین ایک آدھ ہیں پھر وہ یا تو نامعلوم ہیں یا ان کی تفصیلی حالات کا کچھ پتہ نہیں۔ پھر جو حالات محفوظ ہوتے تو کہیں صرف زبانی سینہ بسینہ حفاظت ہوئی تحریر کا کوئی پتہ نہیں، اور کہیں تحریر ہے تو صرف نظریات اور معلومات ہیں انسان کے اعمال کا حصہ بن کر محفوظ نہیں ان سب کے برخلاف جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی دیکھتے ہیں

● وہ شروع سے محفوظ ہیں (تفصیل دیکھیں، ص: 77)

● اس کی حفاظت فرد یا افراد نے نہیں لاکھوں کروڑوں افراد نے کی ہے اور افراد کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب ایک ہی واقعہ کے بہت سے نقل کرنے والے ہوتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کی تکذیب کے خیال سے غلط بیانی سے ہچکچاتا ہے۔ **(153)**

● حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو صرف لکھا نہیں جاتا تھا بلکہ تحریر کے ساتھ ساتھ حفظ کرنے کا، اپنے عمل میں لانے اور آگے اس کی تعلیم وتبلیغ کرنے کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔

● ان تمام امور کے ساتھ اس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس ذات گرامی کے ہر قول کو وہ خدا کی بات اور خدا کا حکم سمجھتے تھے، اسی نے بار بار بکثرت ان کی فطرت میں مشہور حدیث مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ **(154)** (جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کر لے) کے تہدیدی خوف کو اس طرح راسخ کرنے کی کوشش کی تھی کہ جتنے صحابیوں سے یہ حدیث مروی ہے، مشکل ہی سے چند حدیثیں اس قدر کثیر تعداد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہوں گی۔ اور یوں بھی قرآن کی رو سے یہ نہایت بدیہی بات تھی جس قسم کے ایمان ویقین کی دولت سے یہ لوگ سرفراز تھے اس فعل کی جرأت کس کو ہو سکتی تھی؟ جس اعلیٰ کردار کے وہ مالک تھے یوں بھی ان سے غلط بیانی کی توقع کون کر سکتا ہے ماسوا اس کے جب وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی امر کا انتساب دراصل اس چیز کو خدا کی طرف منسوب کرنا ہے اور ایک جگہ نہیں، بے شمار آیتوں میں قرآن میں مفتری علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنے والے) کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ کیا قرآن پر تازہ ایمان رکھنے والوں کے لیے اس کے بعد اس کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی کہ وہ قصداً العیاذ باللہ اپنے محبوب رسول پر جھوٹ باندھیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو جس وقت ''حدیث'' بیان کرنے کے لیے بیٹھتے قبل کچھ بیان کرنے کے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا والی حدیث کو ضرور پڑھ لیتے تھے، تاکہ ان میں اپنی نازک تاریخی ذمہ

داری کا احساس بیدار اور تازہ ہوجائے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرہ حدیث کے حساب سے بڑے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ دوامی قاعدہ تھا کہ:

يَبْتَدِأُ بِحَدِيْثِهِ بِأَنْ يَّقُوْلَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَبُو الْقَاسِمِ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (155)

اپنی حدیث جس وقت بیان کرنی شروع کرتے تو کہتے: فرمایا رسول اللہ ﷺ ابوالقاسم صادق ومصدوق نے جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا، چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے۔

اس کے بعد جو کچھ بیان کرنا چاہتے تھے، بیان فرماتے۔

- اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو سناتے تھے یا کرکے دکھاتے تھے اس کے متعلق صرف یہ حکم دے کر نہ رہجاتے کہ تم بھی ان کو یاد رکھنا یا کرنا بلکہ اس کی باضابطہ نگرانی فرماتے تھے کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل کی جاتی ہے، مہمات شریعت اور اساسی امور کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی کا کیا حال تھا، اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک معمولی بات یعنی ایک صحابی کو یہ بتاتے ہوئے کہ جب سونے لگو تو یہ دعا پڑھ کر سویا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتانے کے بعد فرمایا کہ اچھا میں نے کیا کہا اسے دہراؤ۔ صحابی نے آخری فقرہ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ (ایمان لایا میں اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جسے تو نے بھیجا) میں نَبِيِّكَ کے لفظ کو رَسُوْلِكَ کے لفظ سے بدل دیا جو تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں یعنی بجائے نبی کے رسول کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ اپنی زبان مبارک سے نَبِيِّكَ کا لفظ ادا فرمایا تھا حکم ہوا کہ میں نے یہ نہیں کہا، وہی کہو جو میں نے بتایا۔ (156) ظاہر ہے کہ قانونی طور پر سونے کی دعا کی حیثیت ان شرع حقائق کی نہیں ہے جنہیں فرض وواجب کے ذیل می شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے ایک ایک لفظ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی سخت نگرانی تھی۔
- بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام گفتگو کے متعلق یہ دوامی عادت بیان کی جاتی ہے کہ أَنَّهُ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلٰثًا۔ (157) (جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات کرتے تو اس کو تین دفعہ دہراتے) غالباً اس میں بھی زیادہ تر دخل اسی مقصد کو تھا۔
- فعل کے متعلق مشہور حدیث ہے کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے تمام ارکان یعنی قیام، رکوع وسجود میں کوئی کمی نہیں کی تھی، صرف ذرا عجلت اور جلد بازی سے کام لے رہے تھے، مگر نماز سے جب وہ فارغ ہوئے تو وہ یہ سن رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ (پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) ارشاد فرما رہے ہیں۔ انہوں نے پھر نماز دہرائی لیکن اب بھی اس میں وقار اور طمانیت نہیں پیدا ہوئی تھی جس سے صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ (ٹھیک اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) کے حکم کی تعمیل ہوتی۔ الغرض تیسری بار سمجھانے

کے بعد انہوں نے اپنی نماز جیسی کہ چاہیے ادا کی۔نماز میں سکینت واطمینان کی حیثیت اکثر فقہاء امصار کے نزدیک فرض وواجب کی نہیں ہے،لیکن جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوری زندگی اس کے ہر پہلو ظاہر اندرو باہر کا مورخ بنانا چاہتے تھے،ان پر آپ ان معاملات کے متعلق بھی پوری نگرانی رکھتے تھے۔کیا دنیا میں کوئی ایسی تاریخ بھی موجود ہے جس نے اپنے مورخین کی اور راویوں کے بیان وادا کی خود نگرانی کی ہو،اور ایسی کڑی نگرانی ؟(158)

• بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی لکھی ہوئی احادیث لکھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دکھاتے تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے۔انہوں نے اپنی حدیثوں کے مجموعے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کر کے ان کی توثیق بھی کرا لی تھی۔(159)

• مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کا حال یہ ہے ہیں کہ جب انہیں اپنے راہنما کی زندگی محفوظ کرنے کا خیال آیا تو عام طور پر ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی تھیں جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا تھا،ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے تھے جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں،تھوڑی دیر بعد یہی خرافات کسی مذہب کی بنیاد بن جاتیں،لاکھوں کروڑں اس کے متبع بن جاتے۔جبکہ مسلمانوں کا معیار اس سے بہت بلند تھا جس کا پہلا اصول یہ تھا۔

• حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق جو بات بھی بیان کی جائے تو بیان کرنے والے کے لیے ضروری تھا کہ یا تو وہ خود شریک واقعہ ہو۔

• اور اگر خود شریک واقعہ نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔

• اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق ضروری تھی کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے ہیں وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے غیر ثقہ تھے؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزوی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا،سیکڑوں ہزاروں محدیثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں ایک ایک شہر میں گئے،راویوں سے ملے،ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے،ان تحقیقات کے ذریعے سے اسماء الرجال (بائیوگرافی) کا عظیم الشان فن تیار ہو گیا۔(160)

• حدیث کے الفاظ میں اگر کہیں شک شبہ ہوتا تو ایک ایک لفظ کے شک مٹانے کے لیے دور دراز کے سفر کیے جاتے۔

قصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کا گھر مدینہ ہی میں تھا اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہے،خود بیان کرتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب کے واسطے سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی۔میں نے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور اس پر اپنا کجاوا کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

یہاں تک کہ شام پہنچا اور عبداللہ بن انیس انصار (جن سے حدیث پہنچی تھی ان) کے گھر پہنچا اور اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہوا ہے آدمی نے واپس آکر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں! عبداللہ بن انیس باہر نکل پڑے، دنوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے، پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہنچی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مظالم کے متعلق آپ نے سنی ہے اور میں نہیں سن سکا ہوں، عبداللہ بن انیس نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرتے تھے (پھر عبداللہ نے پوری حدیث سنائی)۔ **(161)**

قصہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ: اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مدفونِ قسطنطنیہ کا ہے کہ ایک حدیث انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست خود سنی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ شک پیدا ہوا۔ آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی بھی دربارِ رسالت میں موجود تھے لیکن وہ مصر میں قیام پذیر ہو گئے تھے، سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک حدیث میں معمولی شک مٹانے کے لیے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہیں، اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوکر فرماتے ہیں: مجھ سے اس حدیث کو بیان کرو جسے تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق سنا ہے اب اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان کے سامنے اس حدیث کو دہراتے ہیں، حدیث یہ تھی، مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا خِزْيَهٗ سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ حدیث سنتے ہی اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، آپ نے (مصر میں) اپنا کجاوہ بھی نہ کھولا۔ **(162)**

قصہ ایک صحابی کا: دارمی میں ایک اور صحابی کے متعلق ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صحابی فضالہ بن عبداللہ کے پاس مصر پہنچے، فضالہ اس وقت اپنی اونٹنی کا چارہ تیار کر رہے تھے، انہوں نے خوش آمدید کہا۔ صحابی نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری ملاقات کو نہیں آیا ہوں بلکہ ہم نے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی۔ میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ وہ تمہیں یاد ہوگی۔ **(163)**

قصہ مسروق: حضرت مسروق کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رَحَلَ فِي حَرْفٍ (یعنی صرف ایک لفظ کی تحقیق کے لیے کوچ کیا) ان تابعیوں کی نزاکت ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بسا اوقات کوئی حدیث ان کو ایسے آدمی سے پہنچتی جو شرف صحبت سے فیض یاب نہ ہوتے، حالانکہ اس حدیث کا علم ان کو حاصل ہو چکا ہوتا، لیکن اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جس صحابی سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے وہ زندہ ہیں تو خواہ وہ کسی مقام پر ہوتے، ان تک پہنچ کر کوشش کرتے کہ براہِ راست بھی اس روایت کو صحابی سے خود سن لیں۔ دارمی نے ابوالعالیہ سے یہ روایت درج کی ہے: ہم لوگ بصرہ میں ایک

روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں کے حوالہ سے سنتے تھے مگر ہم صرف اسی پر قناعت نہیں کر لیتے تھے جب تک سوار ہو کر مدینہ پہنچ کر خود ان صحابیوں کی زبانی بھی اس روایت کو نہ سن لیتے۔(164)

(مزید واقعات کے لیے دیکھیں شوق حدیث: باب دہم، نصرۃ الحدیث: 41)

● اس سلسلہ میں ایک اور چیز بھی بہت زیادہ قابل توجہ ہے، اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں اپنی حدیثوں کی اشاعت وتبلیغ کے لیے بڑی بڑی تاکیدیں کی ہیں، وہاں اس بات کی بھی نہایت سخت تاکید کی ہے کہ کوئی غلط بات آپ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے، اس لیے ابتداہی سے محدثین کا گروہ حدیثوں کی روایت کرنے میں بیحد محتاط رہا ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم صرف اس ڈر سے کہ بیان کرنے میں کچھ کمی بیشی نہ ہو جائے بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے، جیسا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح بخاری 21/1 میں مذکور ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس حدیث میں ان کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ یہ حدیث خوب اچھی طرح یاد نہیں ہے، تو وہ اس کو بیان ہی نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ غلطی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بیان کرتا۔(165) امام ربانی محمد باقر کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ اس بات کا اہتمام تھا کہ حدیث میں ذرہ برابر بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔(166) چنانچہ صحیح مسلم: 32/1 میں ہے ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے کے بعد مجلس میں کسی شخص نے اس حدیث کو دہرایا، تو یوں کہہ یا وَالْحَجِّ وَصِيَامِ رَمَضَانَ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فوراً ٹوکا اور فرمایا، یوں نہیں بلکہ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت تذکرۃ الحفاظ میں مذکور ہے: ان کا شمار ان حضرات میں ہے جن کو ادائے حدیث میں بے حد احتیاط اور روایت کے باب میں بڑا تشدد تھا اور وہ اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے ضبط کرنے میں سستی پر بہت ڈانتے رہتے تھے۔ حضرت زید بن ارقم کا جب بڑھاپا آیا، اس وقت کوئی شخص حدیث بیان کرنے کو کہتا تو فرماتے کہ اب ہم بوڑھے ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔(167)

اسی احتیاط کا تقاضہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر شاگردوں کو ہدایات کیا کرتے تھے کہ جب تم حدیث کی روایت کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے اس کو تین دفعہ دہرا لیا کرو۔(168)

● الغرض جب ایک کے بیان کی دوسرے سے تصدیق کرانے کا بھی دستور تھا تو اس کے باوجود یہ خیال کرنا کہ صرف حافظہ پر مدار ہونے کی وجہ سے حدیثیں کچھ سے کچھ ہو گئی ہوں گی، نرا وہم ہی وہم ہے، تنہا ایک آدمی کے بیان میں ایسا شک کیا بھی جا سکے تو دو ہو جانے کی صورت میں ایسا شک قطعاً درخور التفات نہیں ہے، بلکہ میں تو جرأت کر کے یہاں تک کہہ

سکتا ہوں کہ ایسا شکی مزاج انسان قرآنی تعلیم کی روح سے یقیناً بے بہرہ ہے، قرآن پاک نے جہاں یہ تعلیم دی ہے کہ دو پسندیدہ مرد گواہ بنانے کے لیے نہ ملیں تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں گواہ بنالی جائیں، وہاں خود ہی یہ بھی بتادیا ہے کہ دو عورتوں کو گواہ بنانے کے لیے اس لیے کہا کہ اگر ایک عورت بھولے بھٹکے گی تو دوسری عورت یاد دلادے گی، أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الأُخْرىٰ (بقرۃ) حدیث کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ قرآن پاک نے دو ہو جانے کے بعد اس احتمال وشک کا کہ ممکن ہے دو بھی بھول جائیں اور دونوں کو سہو ونسیان ہو جائے، قطعاً اعتبار نہیں کیا تو مردوں کے باب میں اس کا کب اعتبار ہو سکتا ہے، جب کہ قرآن پاک کے اسی مقام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مرد اس باب میں دو عورتوں کے برابر ہے۔ (169)

- لیکن بات اسی پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایک دوسرے سے اس معاملہ میں پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، ہر ایک اپنے علم کو دوسرے کے علم پر پیش کرتا تھا۔ ان کے اس طرز عمل ہی سے روایت کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی۔ (170)
- اسی کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرنے والے حتی الوسع اس کی کوشش کرتے تھے کہ ایک ہی روایت جن جن صحابیوں سے سننا ممکن ہو اس میں کمی نہ کی جائے۔ اصطلاح حدیث میں روایت کے اس طریق عمل کا نام متابعت تھا اور جو روایتیں اس طریقہ سے حاصل کی جاتی تھیں یعنی ایک ہی واقعہ کو تصدیق وتوثیق کے لیے شاگرد اپنے استاذ کے رفیقوں اور ہمعصروں سے بھی جو روایت کرتا ہے ان کا نام اصطلاحاً متابعات وشواہد ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا محدثین میں توابع وشواہد کے جمع کرنے کا شوق زیادہ شدت پذیر ہوتا رہا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک مشہور حدیث إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ سات سو طریقوں سے مروی ہے۔ (171)

پھر جو احادیث امت تک سینہ بسینہ منتقل ہوئیں اس کا معیار بھی سن لیجئے:

- روایات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حفظ کرنے والے بچوں کو شروع ہی سے جیسے قرآن کے حفظ میں لگا دیا جاتا ہے اسی طرح قرآن کے ساتھ حدیث بھی بچوں کو زبانی یاد کرائی جاتی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے عہد میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ (172)
- حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے تیس پاروں کے حفظ کا رواج خود حدیث کی تاریخ کی ان شہادتوں کی زندہ توثیق ہے جو ہماری کتابوں میں حدیث کے راویوں کی قوت یادداشت اور حافظے کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ (173)

امام مالک صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفادہ کرنے والے حضرات کے دستور کو بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ ان میں بعض لوگ حدیثوں کو لکھ کر یاد کرتے اور جب یاد ہو جاتی تھیں تو مٹا دیتے تھے۔ اور یہ دستور زمانے تک جاری رہا۔ (174)

ابن سیرین کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کا بھی قاعدہ تھا کہ حدیثوں کو لکھ لیتے: مگر جب یاد کر لیتے تو پھر اس کو مٹا دیتے۔ (175)

خالد الحذاء کے حالات میں بھی ہے وہ خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ بڑی حدیثوں کو میں پہلے لکھ لیتا ہوں: پھر جب ان کو یاد کر لیتا ہوں تو نوشتہ کو مٹا دیتا ہوں۔(176)

ان میں بعض لوگوں سے تو صراحۃً اس قسم کے الفاظ منقول ہیں مثلاً ابن عساکر نے اسماعیل بن عبیدہ محدث کا قول نقل کیا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ: ہم لوگوں کو چاہیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کو اسی طرح یاد کریں جیسے ہم قرآن یاد کرتے ہیں۔(177)

ذہبی نے مشہور حافظ حدیث ابن خزیمہ کے متعلق یہ الفاظ ابوعلی نیشاپوری کے حوالہ سے نقل کیے ہیں کہ فقہی حدیثوں کو ابن خزیمہ اسی طرح یاد کرتے تھے جیسے قاری قرآن کی سورتوں کو یاد کرتا ہے۔(178)

ذہبی ہی نے اسرائیل بن یونس کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ اپنے دادا ابواسحاق کی روایت کردہ حدیثوں کے متعلق خود کہا کرتے تھے کہ: ہم ابواسحاق کی روایت کردہ حدیثوں کو اس طرح یاد کرتے تھے جیسے قرآن کی سورتیں یاد کی جاتی ہیں۔(179)

شہر بن حَوْشَب کے حالت میں بھی لکھا ہے کہ احمد عبدالحمید بن بہرام کے پاس شہر کی حدیثوں کا ذخیرہ تھا اور ان کو ساری حدیثیں زبانی یاد تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قرآن کی کوئی سورۃ پڑھ رہے ہو۔(180)

ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابوداؤد الطیالسی کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے کہ میں تیس ہزار حدیثیں فرفر سناتا ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔(181)

● پھر جس طرح قرآن حفظ کرنے والے بچوں کا باقاعدہ استاذ ہوتا ہے پھر وہ بچوں کو تھوڑا تھوڑا سبق دیتا ہیں، تاکہ ضبط خواب ہو اسی طرح حدیث میں بھی باقاعدہ استاذ ہوتے تھے اور وہ استاذ چند حدیثوں سے زیادہ ایک دن میں سبق نہیں دیتے تھے ۔زہری اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ: چاہیے کہ بتدریج حدیثوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے یاد کیا جائے۔(182)

● سلیمان تیمی کے تذکرہ میں ذہبی نے لکھا ہے کہ چند خاص شرائط کے ساتھ اپنے حلقہ درس میں طلبہ کو شریک ہونے کی اجازت دیتے تھے پھر ان کے معیار جو پورے اترتے ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے کا حق دار وہی قرار پاتے تھے لیکن باوجود اس کے کہ: صرف ایک دفعہ کل پانچ ہی حدیثیں سناتے۔ اسی طرح مشہور تابعی ابوقلابہ کے تذکرہ میں ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ ان کے شاگرد خالد بیان کرتے تھے کہ: ہم ابوقلابہ کے پاس جاتے، تین حدیثیں بیان کرنے کے بعد کہتے کہ بہت ہو گیا۔ اور زہری کا یہ بیان جو نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: علم تو کل ایک حدیث یا دو حدیثیں ہو سکتی ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو حدیثوں سے زیادہ وقت واحد میں وہ نہیں سکھاتے تھے، بڑی سے بڑی مقدار جو اس سلسلہ میں معلوم میں بیان کی گئی ہے وہ ''امیر المومنین فی الحدیث شعبہ'' کے متعلق یحییٰ بن سعید القطان

کا بیان ہے کہا کرتے تھے: شعبہ کے حلقہ میں بیس (20) سال تک میں پابندی کے ساتھ شریک رہا، اس تمام عرصے میں میں نے دیکھا کہ ان کے پاس جتنی حدیثیں روز سن کر ہم گھر لوٹتے، ان کی تعداد تین سے دس تک ہوتی تھی۔ اپنے اس طریق پر محدثین کو کتنا اصرار تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابراہیم موصلی کے صاحبزادے اسحاق کو حدیث کا جب شوق ہوا تو عباسی دربار کے مشہور وزیر یحیٰ بن خالد برمکی سے اسحاق نے چاہا کہ سفیان بن عیینہ سے سفارش کریں لیکن سفیان پانچ حدیثوں سے زیادہ ایک دن میں پڑھانے پر راضی نہ ہوئے یحیٰ نے سفیان سے جب بہت اصرار کیا تو سات تک پہنچے اور ان کی تاکید والحاح جب حد سے بڑھ گئی تو مجبوراً راضی ہوئے کہ اگر سویرے اسحاق میرے پاس آیا کریں گے تو روزانہ دس حدیثیں پڑھا دوں گا۔ **(183)**

- محدثین کا کام حدیثوں سے متعلق صرف استاذہ کے حلقوں ہی تک ختم نہیں ہوجاتا تھا بلکہ عام قاعدہ یہی تھا کہ ایام طلب کی مشغولیتوں سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی اور یاد کی ہوئی حدیثوں کو اسی طرح دہراتے رہتے تھے جیسے قرآن کے حافظ بھی حفظ سے فارغ ہونے کے بعد اس کا دور کرتے رہتے ہیں یاد کی ہوئی حدیثوں کے دور کا اصطلاحی نام ''مذاکرہ'' تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دستور کا رواج صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ کو مذاکرہ کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے کہ: عبادت میں شب بیداری سے زیادہ بہتر ہے کہ علم کو دھرایا جائے۔ اور شاید اس لیے کہ قرآن بکثرت لوگوں کے پاس لکھا ہوا اس زمانے میں موجود تھا بخلاف حدیثوں کے کہ زیادہ تر اس کی بنیاد حفظ اور یاد پر تھی۔ حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فتویٰ دیتے کہ: حدیث کو بار بار دہراتے رہنا قرآن پڑھنے سے بھی زیادہ بہتر ہے اسی قسم کی ہدایتوں کا یہ اثر اور نتیجہ تھا کہ سننے والا اگر کوئی نہ ملتا تو بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ مکتب خانے چلے جاتے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو جمع کر کے حدیثیں سناتے۔ اسماعیل بن رجاء کے حال میں لکھا ہے کہ: اسماعیل مکتب خانے کے بچوں کو اکٹھا کرتے اور ان سے حدیث اس لیے بیان کرتے تاکہ وہ بھول نہ جائیں۔ عطاء خراسانی کے متعلق بھی قریب قریب اسی کے یہ روایت بیان کی گئی ہے، یعنی: جب کوئی ان کو نہ ملتا تو غربا کی جماعت میں آکر حدیث بیان کرتے۔ مطلب حدیثوں کو یاد رکھنا تھا۔ بعض لوگ گھر کی بچیوں کے سامنے اپنے محفوظات کو دہراتے، ان سے کہتے بھی جاتے کہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری سمجھ میں یہ چیزیں نہ آرہی ہوں گی لیکن میری غرض تو اپنے علم کو تازہ کرنا ہے اور یہ ابراہیم نخی کے اس مشورے کی گویا تعمیلی شکل تھی جو اپنے شاگردوں کو وہ دیا کرتے تھے کہ: جب کوئی حدیث تم سنو تو چاہیے کہ سننے کے ساتھ ہی دوسروں سے اس کا ذکر کرنا شروع کردو خواہ اس قسم کے آدمی کے سامنے کیوں نہ ہو جو تم سے حدیث سننا نہ بھی چاہتا ہو، کہتے کہ اس طرح دہرانے سے یوں سمجھو کہ تم حدیث کو اپنے سینے میں لکھ رہے ہو۔ **(184)**

- حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے حدیثیں سنتے رہتے تھے، جب آپ

مجلس سے اٹھ جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کل حدیثیں بیان کرجاتا پھر دوسرا، پھر تیسرا، بسا اوقات ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے تھے اور وہ ساٹھوں باری باری سے بیان کرتے تھے، اس کے بعد جب ہم اٹھتے تھے تو حدیثیں اس طرح ذہن نشین ہوتی تھیں کہ گویا ہمارے دلوں میں بودی گئی ہیں۔(185)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں فرض نمازوں کے بعد مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھ جاتے، اور قرآن پاک اور احادیث نبویہ کا مذاکرہ کرتے تھے۔(186)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کہیں بیٹھتے تھے ستوان کی گفتگو کا موضوع فقہ یعنی آنحضرت ﷺ کی حدیثیں ہوتی تھیں یا پھر یہ کہ کوئی آدمی قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھے یا کسی سے پڑھنے کو کہے۔(187)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ (دور) کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: حدیث کو (بار بار پڑھ کر) دہرایا کرو اور اس کو مستحضر کرو اگر اس طرح یاد نہ کرو گے، تو جاتی رہے گی۔ ان کی یہ تاکید بھی تھی کہ ہر روز کچھ حدیثیں بیان کیا کریں فرماتے تھے کہ کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ابھی تو کل بیان کیا ہے، لہٰذا آج نہ بیان کروں گا نہیں آج بھی بیان کرو اور پھر کل (آئندہ) بھی بیان کرنا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری بھی آپس میں حدیث کے مذاکرہ کی تاکید کیا کرتے تھے(188) بلکہ وہ اس باب میں اتنے سخت تھے کہ شاگرد اگر درخواست کرتے کہ حدیثیں لکھوا دیجئے تو انکار کردیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جس طرح ہم نے آنحضرت ﷺ سے حدیثوں کو سن کر حفظ کیا ہے تم بھی حفظ کرو۔(189)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے: حدیثوں کو باہم یاد کیا کرو اس لیے کہ ایسا نہ کرو گے تو حدیث مٹ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سخت تاکید تھی کہ: حدیثوں کا مذاکرہ کرتے رہو کہ یہی اس کے بقا کا سامان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ایک دوسرے سے ملتے رہو اور باہم حدیث کا مذاکرہ کرتے رہو اس کو چھوڑ نہ دو کہ فنا ہو جائے۔(190)

● صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا دور آیا تو وہ بھی اپنے شاگردوں کو حدیثوں کو حفظ کرنے کے لیے، دور اور مذاکرہ کی ہدایتیں کرتے رہیں، چنانچہ دارمی میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلی زہری اور علقمہ کے وہ ہدایت قریب قریب صحابہ رضی اللہ عنہم کے مذکورہ بالا الفاظ میں منقول ہیں انہی تاکیدوں کا نتیجہ تھا کہ حارث بن یزید عکلی، قعقاع بن یزید مغیرہ اور فضیل عشاء کی نماز کے بعد مذاکرہ کرنے کے لیے بیٹھتے تو صبح ہی کو یہ مجلس برخاست ہوتی تھی۔ (191)

یونس کا بیان ہے کہ جب ہم حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سن کر اٹھتے تھے، تو آپس میں اس کا دور اور مذاکرہ کرتے تھے۔ (192)

اسماعیل بن رجاء کا دستور تھا کہ کوئی نہ ملتا تو مکتب کے لڑکوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے حدیثیں بیان کرتے تا کہ حدیث کی مشق میں ناغہ نہ ہو، اور بھولنے نہ پائیں۔(193)

- دور کرنے کے علاوہ انفرادی طور پر بھی حدیثوں کو از بر کرنے کا بڑا اہتمام تھا۔(194)
- **دیگر مذاہب/ معیار:** مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حضورﷺ کی زندگی انتہائی معیاری انداز میں محفوظ ہوئی ہے۔ جبکہ دیگر مذاہب کا حال یہ ہے کہ:
- بہت سے بانی مذہب ایسے ہیں جن کی زندگی شروع سے محفوظ نہیں بلکہ ان کی موت کے کافی عرصہ بعد محفوظ ہوئی، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ان کی وفات کے سیکڑوں سال بعد وجود میں آئی۔(195)

ایسے ہی 1200 ق م سے پہلے ہندوؤں کی کوئی مذہبی کتاب محفوظ نہیں۔ یہی حال ٹیوٹانی مذہب کا ہے کہ ان کی مذہبی کتابیں بارہویں صدی میں لکھی گئیں۔(196)

- اور پھر جن مذاہب کے بانی کی زندگیوں کے کچھ حالات ملتے ہیں تو ان کے ناقلین ایک آدھ ہی ہیں اور پھر یا تو وہ نامعلوم ہیں یا ان ناقلین کے بھی تفصیلی حالات کا کچھ پتہ نہیں کہ کون تھے، کس کردار کے تھے وغیرہ، جیسے انجیل کے اولین ناقلین میں آپ کو صرف لوقا، مرقس کا نام ملے گا، اور ہندوؤں کی گیتا میں صرف سنجے ملے گا، اور تاؤمت میں ایک نامعلوم سرحدی محافظ کا۔(197)
- اور پھر جو حالات محفوظ ہیں تو کہیں صرف زبانی سینہ بہ سینہ حفاظت ہوئی تحریر کا کچھ پتہ نہیں جیسے ہندوؤں کے وید۔(198)
- اور کہیں اگر تحریر کسی درجہ میں ہے لیکن کسی انسان کے عمل کا حصہ بن کر محفوظ نہیں جیسا کہ تمام مذاہب کا یہی حال ہے۔
- پھر بڑے بڑے مذہب چونکہ نسلی مذہب ہیں جیسے یہودیت، عیسائیت، ہندومت، اس لیے تعلیم و تبلیغ عام کے ذریعہ ان کی حفاظت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔(199)

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

دوسری بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلو سامنے ہیں کوئی گوشہ مخفی نہیں

(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی احوال (2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات

(3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات (4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق

(5) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنوں اور غیروں کے درمیان

سوال: وہ کون سی شخصیت ہے جس کی سیرت اور زندگی کے تمام پہلو سامنے ہیں، کوئی گوشہ مخفی نہیں؟

جواب: صرف اور صرف محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلو سامنے ہیں:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخِ عالم کے سامنے ہے، ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے اہلِ وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش وتمیز، جوانی، تجارت، آمدورفت، شادی، احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا اور خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غارِ حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفرِ طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صُلح، دعوتی خطوط، اسلام کی دعوت واشاعت، تکمیلِ دین، حجۃ الوداع، وفات۔

الغرض اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صُلح وجنگ، آمدورفت، سفر وحضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، مِلنا جُلنا، طور وطریق، رنگ وبُو، خط وخال، قدوقامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہم خوابی وطہارت کے واقعات ہر چیز پوری روشنی میں مذکور معلوم اور محفوظ ہے۔

(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی احوال

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی پہلو کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کتب حدیث کے مختلف ابواب کے تحت ذکر کی گئیں ہیں:

1	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ، صورت، شکل کے بیان میں	2	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کے بیان میں
3	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں کے بیان میں	4	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنگھی کے بیان میں
5	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب کے بیان میں	6	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرمہ لگانے کے بیان میں
7	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کے بیان میں	8	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بسر کرنے کے بیان میں
9	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موزوں کے بیان میں	10	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں کے بیان میں
11	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم (انگوٹھی) کے بیان میں	12	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے بیان میں
13	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زرہ کے بیان میں	14	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود کے بیان میں
15	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کے بیان میں	16	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائجامہ کے بیان میں
17	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار کے بیان میں	18	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ پر کپڑا ڈالنے کے بیان میں
19	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست کے بیان میں	20	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکیہ لگانے کے بیان میں
21	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کے بیان میں	22	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روٹی کے بیان میں
23	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوشت اور سالن کے بیان میں	24	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنے کے بیان میں
25	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے سے پہلے اور بعد میں دعا پڑھنے کے بیان میں	26	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیالہ کے بیان میں
27	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میوہ کے بیان میں	28	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کیا پیتے تھے؟
29	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے پیتے تھے؟	30	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوشبو لگانے کے بیان میں
31	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں کرنے کے بیان میں	32	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعر پڑھنے کے بیان میں
33	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کو باتیں کرنے اور قصہ کہنے کے بیان میں	34	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے کے بیان میں

35	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے بیان میں	36	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خندہ و تبسم کے بیان میں
37	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح کے بیان میں	38	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاشت کی نماز کے بیان میں
39	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر میں نفل پڑھنے کے بیان میں	40	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزہ کے بیان میں
41	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن پڑھنے کے بیان میں	42	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گریہ و بکا کے بیان میں
43	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکیہ و بستر کے بیان میں	44	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کے بیان میں
45	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بیان میں	46	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجامت کے بیان میں
47	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی کے بیان میں	48	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی صورت حال کے بیان میں
49	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سن وسال اور عمر کے بیان میں	50	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بیان میں
51	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراثِ متروکہ کے بیان میں		

یہ آپ کے تمام ذاتی حالات ہیں: ان میں سے ہر ایک عنوان کے متعلق کہیں چند کہیں بکثرت واقعات ہیں۔ اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا۔

(2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات

المیزان مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

عبادات کے تحت حسب ذیل عنوانات احادیث میں ملتے ہیں:

دُعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یادِ الٰہی، خدا کا ذوق شوق، میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی، خشیۃ الٰہی، گریہ و بکا، محبتِ الٰہی، خدا پر توکل، صبر و شکر۔ **(201)**

- تفصیل کے لیے دیکھیں عنوان "چوتھی بات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے" ص: 111

(3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات

معمولات کے تحت حسبِ ذیل عنونات احادیث میں ملتے ہیں:

صُبح سے شام تک معمولات، سونا، رات کی عبادت، معمولاتِ نماز، معمولاتِ خطبہ، معمولاتِ سفر، معمولات جہاد، معمولات عیادت و تعزیت، معمولاتِ مُلاقات، عام معمولات۔ **(202)**

(4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیلی جزئیات:

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جامع بیان، استقامتِ عمل، حسنِ خلق، حسنِ معاملہ، عدل وانصاف، جود وسخا، مہمان نوازی، ایثار، گداگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدم تشدد، تقشّف ناپسند تھا۔ عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم اور مداح کی ناپسندیدگی، شرم وحیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم واستقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد وقناعت، عفو وحلم دشمنوں سے عفو ودرگزر اور حُسنِ سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت، دشمنوں سے عفو ودرگزر، دُشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت ومحبت عام، رقیق القلبی، عیادت وتعزیت، لطفِ طبع، اولاد سے محبت، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ سلوک۔

- معمولی معمولی باتوں کی اجمالی فہرست سے آپ کے سامنے پیش کی گئی، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے، تو بڑی بڑی اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی۔ غرض ایک انسان کی زندگی کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں وہ سب محفوظ اور مذکور ہیں۔ **(203)**

(5) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنوں اور غیروں کے درمیان

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد میں ہوں یا میدان جہاد میں نماز میں مصروف ہوں یا فوجوں کی صفیں درست کر رہے ہوں، ممبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں۔ ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالات اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے۔ **(204)**

(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ: بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ وہ اُس کو یہ اذن عام دیدے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کو برملا کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کردو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذنِ عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کردو۔ جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کردو۔ جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اُس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔ ایسی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟ چنانچہ ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں۔(205)

(2) مدینہ کی آبادی: دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک مسلسل آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت وسکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی۔اور آگے نقل کرتی رہی۔(206)

(3) سفر اور غزوات میں: غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہ رضی اللہ عنہم کو شب وروز آپ ﷺ کے دیکھنے اور آپ ﷺ کے حالات مبارکہ سے واقف ہونے کا موقعہ ملتا تھا۔غزوۂ فتح میں دس ہزار، تبوک میں تیس ہزار اور حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے۔(207)

(4) حضور ﷺ اصحاب صفہ کے ساتھ: مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کے لیے تھا جن کے رہنے کو گھر نہ تھے وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپ ﷺ کے ملفوظات سننے، آپ ﷺ کے حالات دیکھنے اور آپ ﷺ کی معیت میں گزارنے کے لیے صرف کرتے تھے، اُن کی تعداد ستّر (70) کے قریب تھی۔یہ ہستیاں معتقد جاسوسوں کی طرح شب وروز ذوق وشوق کے ساتھ آپ ﷺ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے اُن کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔(208)

(5) حضور ﷺ کی مجالس: مجلس نبوی کے تحت حسب ذیل عنوانات احادیث میں ملتے ہیں: دربارِ نبوت، مجالس ارشاد، آدابِ مجلس، اوقاتِ مجلس، عورتوں کے لیے مخصوص مجالس، طریقہ ارشاد، مجالس میں شگفتگی، فیضِ صُحبت، طرزِ بیان، خطبات کی نوعیت، خطبات نبوی ﷺ کی تاثیر۔(209)

(6) حضور ﷺ اور مخالفین: آپ ﷺ کے دعوائے نبوت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی، مقاطعہ کیا، دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، آپ ﷺ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنوں کہا، مگر کسی نے یہ جُرأت نہ کی کہ آپ ﷺ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے، حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ کے ہی یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے۔اس دعویٰ کے ابطال کے لیے آپ ﷺ کے اخلاق واعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں۔تاہم اس دعویٰ کے توڑنے کے لیے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں۔کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ ﷺ دوستوں کی نظر میں تھے وہی دُشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے اور کوئی چیز زیر پردہ اور نا معلوم نہ تھی۔(210)

الغرض خلوت وجلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقہ تعلیم اور میدانِ جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپ ﷺ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی کہ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی

زندگی کا کونسا پہلو ہوگا جو زیرِ پردہ رہا ہوگا اور اس پر بھی ایک شخص تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خردہ گیری نہ کر سکا۔(211)

- **مخالفین کی شہادتیں**

(1) ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا۔ کہا ''اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے، تم اُس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانت دار تھا اور اب جب کہ اُس کے بالوں میں سفیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم! میں نے اُس کی باتیں سنی ہیں، نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ کوئی بات نہیں۔(212)

(2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا: ''محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اُس کو صحیح نہیں سمجھتا''۔(213)

چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ۔ (سورۃ الانعام:33)

ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تم کو (اے پیغمبر!) غمگین کرتی ہیں تو یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(3) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش گاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا۔ ''یا معشر قریش!'' جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا: ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟'' سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔''(214/1)

(4) قیصر روم ہرقل کے دربار میں قاصد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا ہے۔ کفار قریش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جو چھ برس متواتر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جماتے رہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق حال اور تفتیش کے لیے بلائے جاتے ہیں، موقع نزاکت پر غور کرو، ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے جس کو وہ دل سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ ایک ایسے باسروسامان بادشاہ کے دربار میں شہادت ہے کہ اگر اس کو راضی کر لیا جائے تو دم کیک دم میں اس کی فوجیں مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں۔ تاہم اس سوال و جواب کو سنئے:

ہرقل: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟ ابوسفیان: شریف ہے۔ ہرقل: اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا ہے؟ ابوسفیان: نہیں! ہرقل: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ ابوسفیان: نہیں! ہرقل: جن لوگوں نے اس کے

مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟ ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں! ہرقل: اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟ ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں! ہرقل: کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟ ابوسفیان: نہیں! ہرقل: وہ کبھی اپنے عہد وقرار سے بھی پھرا ہے؟ ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں، مگر آئندہ دیکھیں! ہرقل: وہ کیا سکھاتا ہے؟ ابوسفیان: کہتا ہے کہ ''ایک خدا کی عبادت کرو، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو اور اہل قرابت کا حق ادا کرو۔'' **(214/2)**

کیا اس سے زیادہ نازک موقع کی شہادت سوائے سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اور کہیں دستیاب ہو سکتی ہے؟ س سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کاملیت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

تیسری بات: آپ کی زندگی تمام انسانی کمالات کا مجموعہ اور کامل نمونہ ہے

- اصناف انسانی اوراس کے مختلف احوال
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء کی سیرت کا مجموعہ ہے
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مختلف متضاد صفات کا مجموعہ ہے

(1) دوقسم کی تعلیم گاہیں (2) طلبہ کی جامعیت (3) تعلیمی جامعیت

سوال: کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط ''جامعیت'' ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسانی کو اپنے مختلف تعلقات وروابط اور فرائض وواجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس ''آئیڈیل زندگی'' کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطۂ نگاہ سے بتایئے کہ ایسی کونسی شخصیت ہے جو اس معیار پر پوری اترتی ہو؟

جواب: صرف اور صرف محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے۔

اصناف انسانی اوراس کے مختلف احوال

- وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے متعلق ہوں۔ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی امن وامان کے قیام کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دلتمند بھی۔ رات کے عابد وزاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل وعیال بھی ہیں اور دوست واحباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی، غرض اس دنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ (215)

پھر ہم میں سے ہر انسان کو مختلف حالات پیش آتے ہیں۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اُٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں،

سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں اتارتے بھی، نہاتے بھی ہیں، دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں، دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں، سکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اوکاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی۔

ہم کبھی راضی ہیں، کبھی ناراض، کبھی خوش ہیں کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالامال، کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔

ان سب کے لیے ہم کو ایک عملی سیرت، عملی مجسمہ اور نمونہ کی حاجت ہے۔(216)

اسلام تمام طبقات انسانی (امیر غریب، حاکم محکوم، باپ، بیٹا) کی ہر حالت (خوشی، غمی، صحت، بیماری) کے لیے اسوۂ اور نمونہ حضورﷺ کو قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (سورۃ آل عمران: 31)

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (سورۃ الاحزاب: 21)

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے اپنی پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے۔ اسلام کے صرف اسی نظریئے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامﷺ کی سیرت میں جامعیت ہے۔(217)

- الغرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہﷺ کی سیرت ہے۔

اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کی قیدی اور مدینہ کی مہمان کی کیفیت سنو۔

اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔

اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو۔

اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفّہ کی درس گاہ کے معلّمِ قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔

اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔

اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔

اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو۔

اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو۔

اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو۔

اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔

اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔

اگر سفری کاروبار ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو۔

اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجرِ اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔

اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔

اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کے نانا کا حال پوچھو۔

غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔(218)

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء کی سیرت کا مجموعہ ہے

- حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے۔

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم ونسق اور اجتماعی دستور وقوانین کی مثال پیش کرتی ہے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔
- حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔
- حضرت ایوب علیہ السلام کی حیات صبر وشکر کا نمونہ ہے۔
- حضرت یونس علیہ السلام کی سیرت ندامت اور انابت اور اعتراف کی مثال ہے۔
- حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے۔
- حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرت گریہ و بکا، حمد وستائش اور دعا وزاری کا صحیفہ ہے۔
- حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام، ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام، یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر اس میں سما گئی ہیں۔**(219)**

- ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ ''نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا اُن کے نام ونشان کو پہچان لے۔ جن وانس، چرند و پرند، بلکہ ہر جان دار کے سامنے اُن کو لے جاؤ، ان کو آدم علیہ السلام کا خُلق، شیث کی معرفت، نوح علیہ السلام کی شجاعت، ابراہیم علیہ السلام کی دوستی، اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، اسحاق علیہ السلام کی رضا، صالح علیہ السلام کی فصاحت، لوط علیہ السلام کی حکمت، موسیٰ علیہ السلام کی سختی، ایوب علیہ السلام کا صبر، یونس علیہ السلام کی طاعت، یوشع علیہ السلام کا جہاد، داؤد علیہ السلام کی آواز، دانیال علیہ السلام کی محبت، الیاس علیہ السلام کا وقار، یحیٰ علیہ السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔**(220/1)**

حسن یوسف علیہ السلام دمِ عیسیٰ علیہ السلام ید بیضا داری!
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

- حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتح العزیز میں سورہ الم نشرح کی تفسیر میں لکھا ہے:

> جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب اطہر ایک لق ودق میدان کی طرح ہے کہ مدالبصر میدان ہی میدان نظر آتا ہے اور اس میدان میں بارہ مجلسیں لگی ہوئی ہیں۔
> ایک مجلس میں بادشاہ بیٹھا ہوا ہے جو امور سلطنت کو انجام دے رہا ہے۔
> دوسری مجلس میں ایک حکیم دانا بیٹھا ہوا جو حکمت و دانائی کی باتوں سے لوگوں کو نفع پہنچا رہا ہے۔
> اور تیسری مجلس میں ایک قاضی بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کے مقدمات فیصل کر رہا ہے۔

اور چوتھی مجلس میں ایک مفتی بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کے مسائل کے جوابات دے رہا ہے۔

اور پانچویں مجلس میں ایک محتسب کوتوال بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں سے داروگیر اور مواخذہ ومحاسبہ کرتا ہے کہ یہ کیوں کیا اور یہ فعل تم سے کیوں صادر ہوا۔

اور چھٹی مجلس میں ایک قاری خوش الحان بیٹھا ہوا ہے جو اپنی دلنواز آواز سے دلوں کو مسحور کر رہا ہے۔

اور ساتویں مجلس میں ایک عابد بیٹھا ہوا محوِعبادت ہے اس کو دنیا ومافیہا کی طرف التفات ہی نہیں ہے۔

اور آٹھویں مجلس میں عارف کامل بیٹھا ہوا ہے جو معرفت خداوندی میں مستغرق ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سکھاتا اور دعوت دیتا ہے۔

اور نویں مجلس میں ایک واعظ شیریں بیان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو پند ونصائح کر رہا ہے اور وعظ وتقریر کے ذریعہ ان کو ہدایت کر رہا ہے۔

اور دسویں مجلس میں ایک رسول اللہ بیٹھا ہوا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کے پیغامات پہنچا رہا ہے۔

اور گیارھویں مجلس میں ایک مرشد کامل بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو ارشاد وتلقین کرتا ہے اور غلط باتوں سے روکتا ہے، برائیوں سے توبہ کراتا ہے اور بھلائیوں کی تلقین کرتا ہے۔

بارھویں مجلس میں ایک محبوب بیٹھا ہوا ہے جس کے جمال جہاں آراء کی وجہ سے سارا عالم مسحور ہے۔ **(220/2)**

❑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مختلف متضاد صفات کا مجموعہ ہے

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظِ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم جو ''نورِ اسلام'' نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا سمجھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں عیسیٰ علیہ السلام ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام کو دُنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اُن کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے۔

بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں سمجھتا ہو۔

دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اُس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اُس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اُس پر فاقے سے گزر جاتے ہوں۔

سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کہ ہزاروں غرقِ آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پُرجوش جاں نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صُلح کے کاغذ پر بے چون چرا دستخط کر دیتا ہو۔

شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنِ تنہا کھڑا ہو اور نرم دل ایسا کہ کبھی اُس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو۔

با تعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرّہ ذرّہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اُس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اُس کو فکر، خدا کی بُھولی ہوئی دُنیا کے سدھار کی اس کو فکر۔

غرض سارے سنسار کی اُس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اُس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اُس کو فراموش ہو۔

اُس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دُعائے خیر کی اور اُن کا بھلا چاہا، لیکن خدا تعالیٰ کے دشمنوں کو اُس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا۔

عین اُس وقت جب اُس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صُورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے۔

عین اس وقت جب اُس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔

عین اُس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔

عین اُس دن جب عرب کے اطراف سے آ آ کر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اُس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے۔

عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے۔(221)

عرب کے فتوحات اور کاشانہ نبوت کے سامان: عین اس وقت جب آدھا عرب اس کے زیر نگین ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوتے ہیں۔ اِدھر اُدھر نظر اُٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھری چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔

ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خُشک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی یہ کل کائنات

دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ روپڑتے ہیں۔ سبب دریافت ہوتا ہے۔ عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر وکسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیغمبر ہوکر اس حالت میں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے، عمر رضی اللہ عنہ! کیا تم اسی پر راضی نہیں کہ قیصر وکسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔(222)

فتح مکہ: ابوسفیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے، فتح مکہ کے دن وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہوکر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آرہا ہے۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکہ کھاتی ہیں، وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا تو بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ فرمایا: ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔ (223)

ظاہری جاہ وجلال کے پردے میں عجز وانکساری: عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں آتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز وسامان دیکھ کر اُن کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعتاً مدینہ کی ایک غریب لونڈی آکر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ عرض کرنا ہے فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اُس کی حاجت پوری کردیتے ہیں۔ اس ظاہری جاہ وجلال کے پردے میں یہ عجز، یہ انکساری اور تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کرلیتے ہیں کہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ فوراً گلے سے صلیب اُتار دیتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلقہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔(224)

(1) دو قسم کی تعلیم گاہیں

دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں۔ ایک وہ جہاں صرف ایک فن سکھایا جاتا ہے اور ہر فن کے لیے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں۔ جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے، کوئی انجینئرنگ کالج ہے ایک آرٹ سکول ہے، ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درس گاہ ہے، ایک فوجی تعلیم کے لیے مدرسہ حربیہ ہے، ان میں سے ہر مدرسہ اور ہر تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کرسکتی ہے۔

میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے۔ زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہر پیدا ہوں گے۔ قانون کے مدرسہ سے صرف قانون دان تیار ہوں گے۔ تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے۔ علم وفن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہلِ علم اور اہلِ فن اُٹھیں گے۔ لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشاء پرداز اور ادیب نکلیں گے۔

ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علی ہذا القیاس۔ لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں۔ ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کالج بھی ہوتا ہے اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی۔ زراعت اور انجینئرنگ کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی۔ طلبہ مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق، مناسبتِ طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون دان، کاروبار کے تاجر اور مہندس، شفاخانوں کے حکیم اور ڈاکٹر، پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔ **(225)**

● محدود و مخصوص افراد کو مخصوص تعلیم اور پیشہ سکھا دینے سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہوتی، اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے۔ اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر تمام دنیا صرف زہد پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درس گاہ میں آپ کو ہر قسم کا طالب علم اور ہر قسم کی تعلیم ملے گی۔ **(226)**

(2) طلبہ کی جامعیت

اب آؤ! ذرا عرب کے اس اُمی معلم کی درس گاہ کا مطالعہ کریں کہ اس میں ہر علاقے ہر مذاق کے طالب علم تھے۔ یہ کون طالب علم ہیں؟ یہ ابو بکر و عمر، علی و عثمان، طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قریشی طالب علم ہیں، یہ کون ہیں؟ ابو ذر رضی اللہ عنہ اور انیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔ یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں یہ کون ہیں؟ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل ہیں یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں۔ یہ ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہیں، قبیلہ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب رضی اللہ عنہ ابن الارت قبیلہ تمیم کے ہیں۔ یہ منقذ رضی اللہ عنہ بن حبان اور منذر بن عائذ ہیں، عبدالقیس کے قبیلہ کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبید رضی اللہ عنہ و جعفر رضی اللہ عنہ عمان کے رئیس ہیں۔ یہ فردہ رضی اللہ عنہ ہیں، یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں۔ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں، ملکِ حبش والے، یہ کون نہیں؟ یہ صہیب رضی اللہ عنہ رُومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمان رضی اللہ عنہ فارسی ہیں۔ یہ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سیخبت رضی اللہ عنہ اور مرکبود رضی اللہ عنہ ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔ **(227)**

● ایک طرف بلال رضی اللہ عنہ، یاسر رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ اور ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کے سے غلام اور سمیہ، لبینہ رضی اللہ عنہا زنیرہ رضی اللہ عنہا، نہدیہ رضی اللہ عنہا اور ام عبیس رضی اللہ عنہا کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے دیکھو، امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں۔

● ایک جماعت اُن ستر (70) صحابہ رضی اللہ عنہم (اہل صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لیے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دُنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اُن کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت عبادت میں بسر کرتے تھے۔

● اس واقعہ سے درسگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ اس میں داخلہ کے لیے رنگ روپ، ملک وطن، قوم ونسل اور زبانوں کے لیے عام تھی۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے **(228)**

● آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو لوگ ابتداء ایمان لائے وہ دریا کنارے کے ماہی گیر نہ تھے۔ وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل ودانش کے لحاظ سے ممتاز تھی اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار، ایران، شام، مصر اور ایشائے کوچک تک پھیلے تھے۔ ان میں وہ لوگ تھے بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرماں روائیاں کیں اور حکومت کے نظم ونسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پرزور، قوی بازو اور دانایانِ روزگار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے، بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ **(229)**

(3) تعلیمی جامعیت

(1) درس گاہ محمدی کے فضلاء حکمران اور جہاں بان: ایک طرف اصحمہ رضی اللہ عنہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فردہ معان کا رئیس ذوالکلاع رضی اللہ عنہ، حمیر کا رئیس عامر بن شہر، قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ اور مرکبود رضی اللہ عنہ، یمن کے رئیس، عبید جعفر عمان کے رئیس۔

● ایک طرف عقلائے روزگار، اسرارِ فطرت کے محرم، دنیا کے جہانیاں اور ملکوں کے فرمارواں اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں، عمر رضی اللہ عنہ فاروق ہیں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست وتدبیر اور منظم ونسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے۔ ان کے عدل وانصاف

کے فیصلے، ایرانی دستو اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

● ایک طرف باذان رضی اللہ عنہ بن ساسا (یمن) خالد رضی اللہ عنہ بن سعید (صنعاء) مہاجر رضی اللہ عنہ بن امیر (کندہ) زیاد رضی اللہ عنہ بن لبید (حضرموت) عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم (نجران) یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان (تیماء) اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ (بحرین) وغیر بیسیوں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا۔**(230)**

(2) درس گاہ محمدی کے فضلاء سپہ سالار اور فاتحین: دوسری طرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح رضی اللہ عنہ، عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گناہ گار اور انسانیت کے لیے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع اُلٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالا اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے، سعد رضی اللہ عنہ نے عراق و ایران کا تاجِ شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر دال دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیم علیہ السلام کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کی سپرد کر دی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرعون کی سرزمین و وادی نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا۔ یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانے نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے اُن کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔**(231)**

(3) درس گاہ محمدی کے فضلاء فقہاء اور مقننین: تیسری طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب، علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، ابن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں، جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقننین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔**(232)**

(4) درس گاہ محمدی کے فضلاء مؤرخین: پانچویں صف عام اربابِ روایت و تاریخ کی ہے، مثلاً حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ وغیرہ سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔**(233)**

(5) درس گاہ محمدی کے فضلاء زھاد: ساتواں رُخ دیکھو! ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے اُن سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لیے اٹھا رکھنا بھی شانِ توکل کے خلاف تھا، اُن کو دربارِ رسالت نے ”مسیح الاسلام“ کا خطاب عنایت کیا تھا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں جو زُہد و تقویٰ کی تصویر ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں

جنہوں نے تیس برس کامل طاعت وعبادت میں گزارے اور جب اُن کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعب بن عمیر ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم وحریر کے کپڑے پہنتے اور ناز ونعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔**(234)**

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں، جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں۔ محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں جو فتنہ کے زمانے میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حُجرے میں میرے بھائی قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اُس پروا نہ کروں گا۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔**(235)**

(6) درس گاہ محمدی کے فضلاء مدبرین: ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کار پردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے۔ اس میں طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، مغیرہ رضی اللہ عنہ ہیں، مقداد رضی اللہ عنہ ہیں، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر ہیں، اسعد بن زارہ رضی اللہ عنہ ہیں، عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔**(236)**

(7) درس گاہ محمدی کے فضلاء تاجر کاشتکار: کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشت کار اور کسان بھی ہیں، اور عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے دولتمند بھی ہیں۔**(237)**

(8) درس گاہ محمدی کے فضلاء شہداء: ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کیے گئے، سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ابو جہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کفار کے ہاتھ سے اذیت اُٹھاتے اُٹھاتے مر گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے سولی پر جان دے دی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی۔ حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان اور اُن کے انہتر (69) رفقاء رضی اللہ عنہم نے بیر معونہ پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جامِ شہادت پیا۔ واقعہ رجیع میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنولحیان کے سو (100) تیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے۔ 7ھ میں ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ کے 49 ساتھی قبیلہ بنوسلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے۔ لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔**(238)**

(9) درس گاہ محمدی کے فضلاء صابرین: تلوار کی دھار ہو کر برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، بہر حال یہ ایک آنی تکلیف ہے، اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر وآزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں، جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کی اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا، جن کے گلوں میں

رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور جب پوچھا گیا تو وہی نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا۔ شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی۔ یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت سے ایک سوکھا چمڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا۔ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے۔ ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے۔ **(239)**

خباب رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو کافروں نے اُنکو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا۔ یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے کوئلے ان ہی کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ **(240)**

بلال رضی اللہ عنہ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سِل رکھ دی جاتی، اُن کے گلے میں رسی باندھی جاتی اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا۔ **(241)**

ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا۔ ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی۔ **(242)**

عمار رضی اللہ عنہ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے۔ **(243)**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا نے رسی میں باندھ کر مارا۔ یہ سب کچھ تھا، مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ اترتا نہ تھا؟ یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خمخانہ جاوید کا نشہ تھا۔ **(244)**

نتیجہ: آپ نے درس گاہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی ذات، انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوا آرائیاں تھیں۔

ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلافِ استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترکہ طور پر سب میں نمایاں تھی۔ وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوندر ہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی روح، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں، یہ فیضانِ حق سب میں یکساں اور

برابر تھا۔ راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا۔ مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبیلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا تعالیٰ کے نام کی اُونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔ (245)

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کیوں؟

چوتھی بات: آپ کی زندگی آپ کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی
- نظریہ عبادت اور عملی پہلو
- نظریہ اخلاق اور عملی پہلو

سوال: وہ کون سی شخصیت ہے جس کی سیرت و زندگی میں تمام طبقات انسانی اور ان کی ہر حالت میں آئیڈیل بننے کی چوتھی شرط (جس کی زندگی اس کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہو) پائی جاتی ہیں؟

جواب: صرف اور صرف محمد الرسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی

● مفید نصیحتوں اور میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ۔ دلچسپ تھیوریاں ملیں گی، دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لیے خوش کر دیں گی۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔ (246)

یہی نکتہ ہے جس کے باعث تمام دوسرے مذہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار ان ہی کو دوہراتے ہیں کہ ان کے سوا اُن کے پاس کوئی چیز نہیں اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں، بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے۔

(1) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا:

تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي۔ (247)

میں تم میں دو مرکزِ ثقل چھوڑ جاتا ہوں، خدا کی کتاب اور اپنا عملی راستہ۔'' یہی دونوں مرکزِ ثقل اب تک قائم ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے۔

(2) اسی لیے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورة الممتحنة:6)

(لوگو!) تمہارے لیے خدا کے رسول کی زندگی میں بہتر پیروی ہے۔

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے، تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔

(3) طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (248)

تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(4) بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں میں دیتا ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي (249)

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لیے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی بچوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔'' (250)

❑ نظریہ عبادت اور عملی پہلو

(1) نماز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال کیا تھا؟ عام لوگوں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء، پھر تہجد، پھر صبح، عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں۔ گویا کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔

- **نماز میں کھڑے کھڑے پیر مبارک میں ورم آجاتا:** پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہوگئی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے اور پھر کیسی نماز؟ کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے۔ کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرح معاف کر دیا ہے، پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے

اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (251)

یعنی یہ نماز خشیۃ الٰہی سے نہیں ہے، بلکہ محبت الٰہی اس کا منشا ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کرنا بھول گئے۔ (252)

نبوت کے آغاز ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے تھے، کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمن تھے، مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا۔ مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے، سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر وخنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور اُدھر صفیں درست ہوگئیں۔ بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذاتِ اقدس ﷺ خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی۔ (253) تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوئی۔ ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا۔ (254) اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں نماز قضاء ادا کی۔ (255) اس سے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا، بہت تکلیف تھی، مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، قوت جواب دے چکی تھی، مگر دو صحابیوں کے کندھوں پر سہارا لے کر مسجد تشریف لائے۔ وفات سے تین دن پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہ حالت تین دفعہ پیش آئی۔ اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی۔ (256)

(2) روزہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کا حکم دیا۔ عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔ (257) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو، تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیے بغیر مسلسل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصے میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے ''تم میں سے کون میرے مانند ہے، مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے''۔ (258) سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان پورے کے پورے روزے میں گزرتے تھے۔ (259) ہر مہینہ کے ایام بیض (15-14-13) میں اکثر روزے رکھتے۔ (260) محرم کے دس دن اور شوال کے چھ دن روزوں میں گزرتے۔ (261) ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔ (262)

(3) زکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا

''یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں''۔ گو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھر بار لُٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولت مندوں پر بند کیا بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو، وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (سورة البقرة:3) مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال واسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لیے تھا، اپنے لیے کچھ نہ تھا بلکہ وہی فقر وفاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لیے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر سال پورا بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ حاجتمندوں کی نذر کر دیا جاتا تھا۔

- **آپ سب سے زیادہ سخی تھے:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے۔ (263) تمام عمر کسی کے سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔ (264) کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے، کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔ لوگوں کو عام حکم تھا کہ ''جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اُس کا قرض ادا کروں گا''۔ اور اگر اُس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اُس کے حقدار اُس کے وارث ہوں گے''۔ (265)
- **بدو کے اونٹ کو جَو اور کھجور سے لدوایا:** ایک دفعہ ایک بدّو نے آ کر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے، میرے اونٹ کو لاد دے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے اونٹ کو جَو اور کھجوروں سے لدوا دیا اور اُس کے کہنے کا بُرا نہ مانا۔ خود فرمایا کرتے ''إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللهُ يُعْطِىْ'' میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں، اصل دینے والا تو خدا ہے''۔ (266)
- **اُحد کا پہاڑ اگر سونے کا ہو جائے تو تقسیم کر دوں گا:** حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہا تھا۔ راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابو ذر! اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں۔ (267)

(4) ذکر:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ

چیز ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم ہی کوئی ایسا لمحہ ہوتا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل خدا تعالیٰ کی یاد سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ ان ہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں۔ حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہے اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی۔ قرآن مجید نے اپنے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ (آل عمران:9)

جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں۔

یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا نقشہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اور ہر لمحہ خدا تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ **(268)**

❑ نظریہ اخلاق اور عملی پہلو

(1) قرآنی اور آسمانی شہادتیں

- انسان کی عملی سیرت کا نام خلق (اخلاق) ہے۔ قرآن حکیم کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدر جہاں بلند انسان تھا۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (قلم:4-5)

(اے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیشک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے بیشک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔

یہ دونوں فقرے دعویٰ اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے ٹکڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

- قرآن پاک گواہی دیتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

(آل عمران:159)

المیزان مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

پس خدا کی عنایت سے تم اُن کے لیے نرم ہو، (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے ارد گرد سے پھٹ جاتے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفہ الٰہی میں موجود ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر، بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع نہ ہوتے۔

- قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورة التوبة:128)

تمہارے پاس تم میں سے ایک پیغمبر آیا، جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ترحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے، جو تمام بنی نوع انسان اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے۔ چنانچہ فرمایا: اے لوگو! تمہارا تکلیف ومصیبت اُٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جہالت وگناہ گاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے، بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت وتبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے۔ یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

- بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے۔ جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اُس کو کر کے بتایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسنِ عمل وحسنِ خلق کی باتیں جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائیں اُن کے لیے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نظر آیا۔

- **آپ کا اخلاق قرآن مجید تھا:** چند صحابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا ام المؤمنین! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْقُرْآنَ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ (269) قرآن پاک الفاظ وعبارت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر۔

(2) اہل وعیال اور متعلقین کی شہادتیں:

• **خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شہادت:** انسان کے اخلاق، عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے پندرہ برس ہو چکے تھے اور یہ مدت اتنی بڑی ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات وخصائل اور طور وطریقہ سے اچھی طرح واقف ہوسکتا ہے۔ اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور اُدھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دل اُس کی تصدیق کو آمادہ ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نبوت کے بار گراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تسکین دیتی ہیں کہ یارسول اللہ! خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے کام آتے ہیں۔(270) غور کیجئے! یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود تھیں۔

• **عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہادت:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو برس مستقل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہیں۔ وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی کی بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف کردیتے تھے۔(271) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو بھی نہیں مارا۔(272) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔(273)

• **حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:** رشتہ داروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، وہ گواہی دیتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس مُکھ، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی بُرا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے اور لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے۔ نہ اُس کو صاف جواب دے کر مایوس کرتے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے۔ (274) واقف کار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا کیا ہے؟ یہ اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہ کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤف ورحیم تھے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی صحبت میں بیٹھے تو خوش ہو جاتے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا۔ لیکن جیسے جیسے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جُلتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا'' (275)

- **ہند بن ابی ہالہ کی شہادت:** آنحضرت کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا جو گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دُکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے اس کو بُرا نہ کہتے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا تو حق کی طرف داری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آجاتا تھا اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے تھے۔(276)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت نزدیک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ واقف تھے۔اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی؟(277)

(3) عملی شہادتیں:

1) زھد:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زُہد وقناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا؟ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ وصدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔

- **خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا:** بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا، فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے ، صبح کی نماز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہوئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو دامنِ مبارک پر پڑ گیا تھا۔(278)
- **جب تک یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا:** ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ بچ تو نہیں رہا۔عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں، اس لیے کچھ بچ رہا ہے، فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صبح کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر بشارت دی کہ ''یارسول اللہ ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا'' ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا۔(279)
- **ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور گھر میں سونا ہو:** ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے

اور پھر باہر آ گئے ۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ فرمایا ''مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے ۔ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پڑا رہ جائے ۔(280) ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ ''ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے ۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا: ام سلمہ رضی اللہ عنہا ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے ۔(281) اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے، نہایت ہی بے چین ہیں ۔لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں ۔ حکم ہوتا ہے کہ ''انہیں خیرات کر دو، کیا محمد اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں ۔(282)

- **دو وقت کا کھانا سیر ہو کر نہیں کھایا:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے ۔ مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا نصیب نہ ہوا۔(283) وہ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لیے تھوڑے سے جَو کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔(284) اور چند سیر جَو کے بدلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کی یہاں رہن تھی ۔(285) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''فرزند آدم علیہ السلام کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں'' رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی''۔(286) یہ محض الفاظ کی خوشنما بندش نہ تھی ، بلکہ یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا رہنے کا مکان یک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اُونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔
- **آپ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوا کرتا تھا:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔(287/1)
- **تمام ازواج مطہرات کے گھر میں فقر و فاقہ تھا:** ایک دفعہ ایک سائل خدمت اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات رض کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں ۔ ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ ''گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے''۔(287/2)
- **شدت بھوک سے کروٹیں بدلتے:** ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں ۔(288)
- **بھوک کی وجہ سے شکم مبارک پر دو پتھر باندھے:** ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ اُن پر ایک پتھر بندھا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکم مبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے تھے ۔(289) یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آ جاتی تھی ۔

- **آپ کے ساتھ آپ کے اہل وعیال بھی فقر وفاقہ میں رہتے تھے:** ایک دن دولت خانے سے نکلے تو بھوکے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھجوا دو، کئی دن سے اُس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔**(290)**

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی۔

- **حضرت فاطمہ کے لیے سونے کا ہار پسند نہیں فرمایا:** ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں دیکھا تو فرمایا ''اے فاطمہ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت وہ طوق اُتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔**(291)**
- **حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سونے کے ہار پہننے سے منع فرمایا:** اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سونے کے کنگن پہنے تو اُتروا دیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کو یہ زیبا نہیں۔**(292)** فرمایا کرتے تھے کہ ''انسان کے لیے دُنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زادِ راہ''۔**(293)** یہ قول تھا۔
- **جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے:** اور عمل یہ تھا کہ ایک فعہ کچھ جان نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا، مجھ کو دُنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دُنیا سے اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لیے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔**(294)**
- **آپ کے توشہ خانہ کی مالیت:** 9 ہجری میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھری چار پائی، سرہانے ایک تکیہ جس میں خُرمے کی چھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جَو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے۔**(295)**

2) ایثار:

دوستو! ایثار کا واعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا، مگر کیا کسی ایثار کے واعظ کہنے والے کے صحیفہ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے، اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی اُن کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔

- **بدر کے یتیموں کو حضرت فاطمہ پر ترجیح دی:** حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے، مگر انہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے۔ ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو۔ **(296)** دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا'' فاطمہ رضی اللہ عنہا! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔
- **اپنی چادر اتار کر دی:** ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے لا کر پیش کی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اُتار کر اُن کی نذر کر دی۔ **(297)**
- **اپنے گھر کا سب کچھ دوسروں کو دیا:** ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر کوئی تقریب تھی، مگر کوئی سامان نہ تھا۔ اُن سے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ **(298)**
- **گھر کے سب سامان سے مہمانوں کو نوازا:** ایک دن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ، چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ ہوا، کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ پھر پیالہ میں دودھ آیا مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔ **(299)**

3) توکل:

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد ﷺ رسول اللہ میں دیکھو۔ حکم تھا کہ **وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ** جس طرح اولالعزم پیغمبروں نے صبر و استقلال دکھایا آپ بھی دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی کر کے دکھا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سُن سکتی تھی اور اس کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی کبھی پرواہ نہ کی۔ عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے اور وہاں سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے۔ حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع و سجود کرتے تھے۔ **(300)** جب آیت **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو علی الاعلان سنا دو) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو پکارا اور خدائے برحق کا حکم پہنچایا۔ **(301)**

- **نجاست/ پھندا/ کانٹے:** قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں، جسم مبارک پر صحنِ حرم کے اندر نجاست ڈالی۔ **(302)** گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی، راستے میں کانٹے بچھائے،

مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم کو راہِ حق سے لغزش نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔

- **ابوطالب کو جواب:** ابوطالب نے جب حمایت سے ہاتھ اُٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا"۔**(303/1)**

- **مقاطعۃ:** آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی ہاشم کی پہاڑی درّہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا، اندر غلہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ جوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش ہوئی، یہ سب کچھ ہوا مگر صبر و استقلال کا رشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔**(303/2)**

- **قصہ غارِ ثور:** ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پناہ لیتے ہیں، کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بے یار و مددگار نہتے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا اُٹھتے ہیں کہ یارسول اللہ! ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے۔ ابوبکر! ہم دو نہیں، تین ہیں۔**(304)**
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورۃ التوبۃ:40) گھبراؤ نہیں ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

- **قصہ سراقہ:** اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کے لیے سراقہ بن جعشم نیزہ ہاتھ میں لیے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یارسول اللہ! ہم پکڑ لیے گئے مگر وہاں نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کے لب مبارک بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں اور دل کی سکنت کا وہی عالم ہے۔**(305)**

- **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ:** مدینہ پہنچ کر یہود کا، منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا۔ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسکن کا راتوں کو پہرہ دیتے تھے کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** "خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔" اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگو! واپس جاؤ، مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ہے۔**(306)**

- **من یمنعک منّی:** غزوۂ نجد سے واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اِدھر اُدھر ہٹ گئے ہیں۔ ایک بدّو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوتے ہیں، موقع کی نزاکت کو دیکھو، بدّو پوچھتا ہے۔ بتاؤ اے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے کہ اللہ! اس پُراثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے۔**(307)**

- **بدر کی دعاء:** بدر کا معرکہ ہے، تین سو نہتے مسلمان، ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما دہیں، مگران تین سوسپاہیوں کا سپہ سالا خود کہاں ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہے۔ کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھتے ہیں کہ خداوند! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحۂ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا۔(308/1)
- **اُحد میں ثابت قدمی:** ایسے موقعے بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ گئے، مگر خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا۔ احد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹا لیے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جگہ پر تھے۔ پتھر کھائے، تیروں، تلواروں اور نیزوں کے حملے ہورہے تھے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں دھنس گئی تھی، ، دندانِ مبارک شہید ہوچکا تھا، چہرہ اقدس زخمی ہورہا تھا، مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد رہا، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین تھا۔(308/2)
- **حنین میں ثابت قدمی:** حنین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہ برسا تو تھوڑی دیر کی بارش ہورہی تھی اور اِدھر سے انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب (میں پیغمبر ہوں جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اُتر آئے اور فرمایا میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور پھر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔(309)

عزیزو! تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو، کتنی ہی غیر مسلح ہو وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لیے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لیے تلوار اُٹھاتا ہے، بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔(310)

(4) دشمنوں سے اخلاق:

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہوگا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی آؤ مدینہ کی سرکار میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بے کسی اور معذوری عفو و درگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے۔

- **قصہ سراقہ:** ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر قلم کرلائے گا اُس کو سو اُونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاقب میں گھوڑا اڑاتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھبرا جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس

جاتے ہیں۔ سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے۔ ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو۔ فسی یعنی سائیکولاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ کو آواز دیتا ہے اور خط امان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضور ﷺ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پُرس نہ ہو۔ آپ ﷺ یہ امان نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے تاہم آپ ﷺ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اس دن کے جرم کی اب کیا سزا ہو؟ (311)

- **من دخل دار ابی سفیان:** ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تہِ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرور عالم ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا۔ لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے آتا ہے تو گو اس کا ہر جرم اُس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے، مگر رحم عالم کا عفوِ عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، نبوی ﷺ رسول اللہ ﷺ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں۔ پھر حضور ﷺ نہ صرف اُس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِيْ سُفْيَانَ كَانَ اٰمِنًا" جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اُس کو بھی امن ہے"۔ (312)
- **ہند کو معافی:** ہندؔ ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضور ﷺ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے۔ ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے۔ ان کے کان، ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے۔ کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضور ﷺ پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا۔ عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اُٹھتی ہے "اے نبوی ﷺ! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔ (313)
- **وحشی کو معافی:** وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی۔ لوگ کہتے ہیں وحشی! تم نے ابھی نبوی ﷺ کو پہنچانا نہیں۔ تمہارے لیے خود نبوی ﷺ کا آستانہ سے بڑھ کر دوسری کوئی جائے امن نہیں ہے، وحشی حاضر ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں۔ پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں قاتل سامنے موجود ہوتا ہے، مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے"۔ (314)
- **عکرمہ کو معافی:** عکرمہ رضی اللہ عنہ، اسلام، مسلمانوں اور خود نبوی ﷺ رسول اللہ کے سب سے بڑے دشمن دیعنی ابوجہل

کے بیٹے تھے، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے۔ مکہ جب فتح ہوا تو اُن کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، اُن کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں اور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کو پہچان چکی تھیں، وہ خود یمن گئیں، عکرمہ رضی اللہ عنہ کو تسکین دی اور اُن کو لے کر مدینہ آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی آمد کی خبر ہوتی ہے تو اُن کے خیر مقدم کے لیے اس تیزی سے اُٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی۔ پھر جوشِ مسرت میں فرماتے ہیں: مَرْحَبًا بِالْمُرَاكِبِ الْمُهَاجِرِ اے مہاجر سوار! تمہارا آنا مبارک!(315) غور کرو! یہ مبارکباد کسی کو دی جا رہی ہے؟ یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطاء ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالت نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنا چاہا۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھانسی دینی چاہی۔ جس نے دار الندوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا۔ آج اسی کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی ہے۔

- **ہبار کو معافی:** ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قاتل ہے۔(316) اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے۔ مکہ کی فتح کے موقع پر اُس کا خون ہدر کیا جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا درِ دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں۔ اتنا سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔(317)
- **عمیر کو معافی:** عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کر دے کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا جاتا ہے اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے۔(318)
- **صفوان کو امان:** صفوان بن اُمیہ وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لیے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے۔

دشمن کو امان نامہ کے لیے عمامہ دیا: وہی عمیر خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے۔ ارشاد ہوتا ہے ”اس کو امان ہے“

عمیر دوبارہ گزارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اُس کو یقین آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا عمامہ اُٹھا کر دے دیتے ہیں۔ عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں۔ صفوان کہتا ہے ''مجھے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے میں اپنی جان کا خواف ہے۔ وہ عمیر جو زہر میں تلوار بُجھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں ''اے صفوان! ابھی تم کو محمدؐ کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے صفوان آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ ارشاد ہوتا ہے، ''سچ ہے''۔ پھر کہتا ہے، لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا، مجھے دو مہینہ کی مہلت دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، تمہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ لیکن یہ مہلت ختم بھی نہیں ہونے پاتی کہ دفعۃً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ **(319)**

- **زہر دینے والے کو معافی:** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوشت کا ٹکرا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار سے اُس کو کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔ **(320)**
- **مَنْ یَمْنَعُکَ مِنِّیْ:** غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اِدھر اُدھر درختوں کے سائے میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدّو تاک میں رہتا ہے۔ وہ اس وقت سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار ہلا کر پوچھتا ہے۔ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے''؟ ایک پُر اطمینان صدا آتی ہے کہ ''اللہ!'' اس غیر متوقع جواب سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے۔ تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔ **(321)**
- **قتل کی سازش کرنے والوں کو معافی:** ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے کہ یہ قتل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھات میں تھا، وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کر چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے، غزوۂ مکہ میں اسی (80) آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبلِ تنعیم سے اُتر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ **(322)**
- **طائف والوں کو معافی:** دوستوں! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف جس نے مکہ کے عہدِ ستم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بھی سنی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبد یالیل کے خاندان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

استہزاء کی، بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی اُڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور دورویہ کھڑے ہوگئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیچ سے گزرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہوگئے دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بازو پکڑ کر اُٹھا دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔

وہی ابن عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ مظالم کیے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اُتارتے ہیں۔(323) ہر روز نماز عشاء کے بعد اُس کی ملاقات کو جاتے ہیں اور پھر اپنی رنج بھری مکہ کی داستان سُناتے ہیں۔(324) کس کو؟ اُس کو جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل کیا تھا۔ یہ ہے ''تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر''۔

- **آپ کا سب سے زیادہ سخت دن طائف کا دن:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمام عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے زیادہ سخت دن کونسا آیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا۔(325) 8 ہجری میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے۔ طائف پر بدعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ اُٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں؟ ''خداوندا! طائف کو ہدایت کر اور اُس کو اسلام کے آستانہ پر جھکا''۔(326) دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دُعائے خیر ہے، وہی شہر جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔
- **اُحد میں دشمنوں کے لیے دعا:** احد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرغۂ اعداء میں ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی لڑیاں سر مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں: ''وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے۔(327) خداوند! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے''۔(328) یہ ہے ''تو اپنے دشمن کو پیار کر'' کے زیتونی واعظ پر عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے۔
- **اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ:** مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں؟ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے

تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجویں کہا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکرِ قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا، اُن کے سینے چاک کیے تھے اور اُن کے دل وجگر کے ٹکڑے کیے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بیکس مسلمانوں کو ستاتے تھے، اُن کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے۔ اُن کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے اُن کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے۔ پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، دفعتہً زبانِ مبارک کھلتی ہے۔ سوال ہوتا ہے، قریش! بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں! جواب ملتا ہے ''نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے'' ارشاد ہوتا ہے، ''آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''(329)

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ، اور علمی تعلیم، جو سرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوئی ہے۔(330)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل 2:

اتباع کی برکات، اہمیت اور ترک اتباع کے نقصانات

□ فضائل و برکاتِ اتباع □ اہمیتِ اتباع □ ترکِ اتباع کے نقصانات

□ فضائل و برکاتِ اتباع

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکات، فضائل اور اہمیت بتائیں۔

جواب:

(1) محبوبیتِ خداوندی، عمومی مقبولیت اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے:

قرآن کریم میں ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (ال عمران:31،کویتیہ، طاعۃ، فقرۃ:6)

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ خدا کی محبت کے دعویٰ میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعویٰ میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔"

اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ کی محبت و محبوبیت حاصل ہونے کا راز یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں۔ جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کو اپنائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جائے گا،

کیونکہ محبوب کی ادائیں بھی محبوب ہوتی ہیں۔(331)

یہاں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ محبت دوطرفہ چیز ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا وہ محب بھی ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

"يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" (اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں)

گویا محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کرنے والے کو دو انعام عطا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "محب صادق" ہونے کی سند عطا کی جاتی ہے۔ یہ دونوں کتنے بڑے انعام ہیں؟ اس کی قدر کسی عاشق صادق سے پوچھئے، حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کبھی شوریدگانِ عشق کا ہوتا ہے ذکر
اے زہے قسمت! کہ ان کو یاد آجاتا ہوں میں

نیز جب سنتوں پر چلنے کی برکت سے اللہ کا محبوب بن گیا تو اس کا لازمی اثر عوام وخواص کے یہاں مقبولیت اور ان کے دل میں جگہ پالینا بھی ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے:

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادَىٰ جِبْرِيْلُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ فَيُنَادِيْ جِبْرِيْلُ فِيْ أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْأَرْضِ۔(332)

جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبریل امین کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو، جبریل امین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے بعد جبریل آسمان والوں میں ندا لگاتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو تو اہل سماء اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر تمام روئے زمین میں اس کے لیے مقبولیت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

(2) بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے متوجہ ہونے کا سبب ہے:

قرآن کریم میں ہے:

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (آل عمران:132)

اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (توبة:71)

اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی

سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

(3) عین اطاعت خداوندی ہے:

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (نساء: 80)

جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو (اطاعت سے) منہ پھیر لے تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا (کہ تمہیں ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے)۔

آپ کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا اور آپ کا ہر قول و عمل منشاء الٰہی کے سانچے میں ڈھالا ہوا تھا، گویا اگر کوئی شخص رضائے الٰہی کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لے اسی وجہ سے آپ کی اطاعت کو عینِ اطاعتِ خداوندی قرار دیا گیا ہے۔

(4) ایمان کی علامت اور اس کی تکمیل کا ذریعہ ہے:

قرآن کریم میں ہے:

وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (الانفال: 1)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مؤمن ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لا يُؤمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ - (333)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔

کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔

(5) ہدایت کی کسوٹی ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ - (النور: 54)

(ان سے) کہو کہ: "اللہ کا حکم مانو اور رسول کے فرماں بردار بنو، پھر بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو رسول پر تو اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو، اگر تم ان کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کا فرض اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں۔

(6) بڑی کامیابیاں دلانے والی ہے:

قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب:71)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس نے وہ کامیابی حاصل کرلی جو زبردست کامیابی ہے۔

(7) انبیاء، صدیقین، شہداء، صلحاء کی معیت اور رفاقت کا مدار ہے:

قرآن کریم میں ہے:

وَمَن يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنعَمَ اللهُ عَلَيهِم مِنَ النَّبِيّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئكَ رَفِيقًا ۔ (النساء:69)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

اس نعمتِ کبریٰ اور دولتِ عظمیٰ سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوسکتی ہے کہ کسی خوش بخت کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صحبت ورفاقت میسر آجائے۔

(8) جنت میں معیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سبب ہے، عشق رسول کا معیار ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

يَا بُنَيَّ! إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِيْ: يَا بُنَيَّ! وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ وَمَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ ۔ (334)

اے بیٹا! اگر تو اس پر قادر ہو کہ ایسی حالت میں صبح وشام کرے کہ تیرے دل میں کسی کی جانب سے میل نہ ہو تو ضرور ایسا کر، پھر فرمایا: اے بیٹا! اور یہ میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت پر عمل کیا، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث پاک میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو محبوب ومرغوب رکھنے والے کے لیے متعدد انعامات کی بشارت ہے۔

1. ایک یہ کہ ایسے شخص کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشاق ومحبین میں لکھا جائے گا، گویا ''عشق رسول'' کا معیار ہی ''سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' سے محبت ہے، جو شخص جس قدر متبع سنت ہوگا، اسی قدر عشق رسالت میں اس کا مقام بلند ہوگا اور جو شخص جس قدر سنت نبوی کی پیروی سے محروم ہوگا، اسی قدر ''عشق نبوی'' سے بے نصیب ہوگا۔

2. یہ کہ اتباع سنت پر صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے جس میں تخلف کا کوئی امکان نہیں، پس عشق و محبت کے ساتھ سنت نبوی کی پیروی جنت کا ٹکٹ ہے۔

3. یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت و معیت نصیب ہوگی۔

وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ وَمَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ (335)

جس نے میری سنت سے محبت کی (یعنی اس پر عمل کیا) تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا

(9) سو شہید کے مرتبہ تک پہنچانے والی ہے:

حدیث شریف میں ہے:

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد۔ (336)

جس شخص نے میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اس کے لیے سو شہید کا اجر ہے۔

یہ حدیث متعدد فوائد پر مشتمل ہے:

1. یہ کہ اس میں امت کے عمومی بگاڑ کی پیشن گوئی فرمائی گئی ہے۔ ''عمومی بگاڑ'' کا لفظ اس لیے کہا گیا کہ لاکھ دو لاکھ آدمیوں کی جماعت میں اگر سو، پچاس آدمی بگڑے ہوئے ہوں تو اس بگاڑ کو پوری جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''فساد امت'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ امت کی اکثریت میں فساد آئے گا، کہیں عقائد کا بگاڑ ہوگا، کہیں اعمال کا، کہیں اخلاق کا، کہیں معاملات اور معاشرت کا بگاڑ ہوگا، آج امت کے مجموعی حالات پر نظر ڈالی جائے تو ''فساد امتی'' کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

2. یہ کہ امت کا یہ بگاڑ ترک سنت کی وجہ سے ہوگا، یعنی امت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے اعمال اور اخلاق و آداب کو چھوڑ کر گمراہ قوموں کے نقش قدم پر چل پڑے گی اور یہی چیز اس کے عالمگیر فساد کا سبب بن جائے گی۔

یہ امت غیر قوموں کی تقلید کے لیے وجود میں نہیں لائی گئی، بلکہ اقوام عالم کی امامت و قیادت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تھا، اور وہ امامت و قیادت کے منصب پر اسی وقت تک فائز رہے گی، جب تک وہ خود اپنے نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقتدی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم کی پابند ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی امانت کی نگہبان و پاسبان ہو، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ"۔ (آل عمران:110)

(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

افسوس ہے کہ قرآن کریم نے "خیر امت" کے جو اوصاف و خصوصیات اس آیت کریم میں بیان فرمائے ہیں، اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وطریقہ کو چھوڑنے کی وجہ سے امت ان خصوصیات سے ہاتھ دھو بیٹھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام عالم کی قیادت کے بجائے ان کی دریوزہ گر ہو کر رہ گئی۔ آج اس کی گراوٹ و پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ مادیات ہی میں دوسری قوموں سے بھیک نہیں مانگ رہی، بلکہ آئین و قانون، تمدن و شہریت اور اخلاق و معاشرت کے آداب بھی باہر سے درآمد کر رہی ہے۔ فإلی اللہ المشتکی۔

3. یہ کہ امت کے عمومی فساد اور بگاڑ کی فضا میں بھی ہر امتی کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمسک کرے اور اس کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے، ایسے پر از فساد ماحول میں بھی کسی شخص کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ "اجی کیا کریں؟ پورا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے، ایسے ماحول میں "سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پر عمل کیسے کریں؟" نہیں، بلکہ چار سو ہزار فتنہ و فساد ہو، معاشرہ اور ماحول کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اتباع سنت کی پابندی بہر حال لازم ہے، یہ کبھی ساقط نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے عمومی بگاڑ اور فساد کے زمانے میں بھی "سنت" کو مضبوطی، عزم اور حوصلہ کے ساتھ تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔

4. یہ کہ جو شخص ایسے فساد آمیز ماحول میں بھی "سنت نبوی" کو سینے سے لگائے رکھے، اس کو بشارت دی گئی ہے کہ یہ قیامت کے روز سو شہیدوں کا اجر و مرتبہ پائے گا۔

اور صرف ایک شہید کا کیا مرتبہ اور اجر ہے وہ بھی پڑھ لیجیے:

شہید عام مردوں کی طرح نہیں ہوتا اس کو برزخ میں ہمیشہ کی امتیازی زندگی عطا ہوتی ہے (البقرۃ:154) بارگاہ الٰہی میں خصوصی قرب، جنت کا رزق اور انعامات پر خوشی نصیب ہوتی ہے (ال عمران:169) دنیا کے مال و دولت سے بہتر چیز اللہ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بن جاتا ہے (ال عمران:157) بہترین رزق اور من پسند کی جگہ (جنت) میں ٹھکانہ ملتا ہے (الحج:58) انعام یافتہ لوگوں میں اس کا مرتبہ انبیاء، صدیقین کے بعد سب سے بڑھ کر ہوتا ہے (النساء:69)

شہید کے پہلے قطرے کے ساتھ بخشش کر دی جاتی ہے، جنت میں اس کو اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے، قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے امن دے دیا جاتا ہے، اس کے سر پر وقار کا ایسا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہوتا ہے، بہتر حور عین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے (337) خون خشک ہونے سے پہلے ہی اسے حور عین کی زیارت نصیب ہوتی ہے (338) قبر کے فتنے اور قیامت کے دن کی بے ہوشی سے نجات ملتی ہے (339) ان کی روحیں سبز پرندوں میں داخل کر دی جاتی ہیں وہ جنت کی نہروں پر اترتے ہیں، وہاں کے میوے کھاتے ہیں، عرش کے سایہ کے نیچے سونے کی قندیلوں پر بیٹھتے ہیں (340) ان پر فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے (341) جنت کی ضمانت ہے (342)

اور اس میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں میں سے ہوجاتا ہے(343) اپنے گھر والوں میں سے ستر افراد کی شفاعت کا حق اسے دیا جاتا ہے(344)

اور سنت پر چلنے والوں کو سو شہیدوں کا مرتبہ اس لیے ملتا ہے کیونکہ شہید تو ایک مرتبہ اپنی جان عزیز کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کرکے سرخرو ہوجاتا ہے اور یہ شخص کارزار زندگی میں جہاد مسلسل کررہا ہے، اس پر ہر طرف سے طعنوں کی بارش ہورہی ہے، کوئی ''دقیانوسی'' کہہ رہا ہے، کوئی کٹھ ملّا کا خطاب دے رہا ہے، کوئی ''رجعت پسند'' کی پھبتی اڑا رہا ہے۔ الغرض اس مجاہد کو ہزار طعنے برداشت کرنا پڑ رہے ہیں، جن سے اس کے قلب وجگر چھلنی ہیں، لیکن اس نے بھی ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا عہد باندھ رکھا ہے اور وہ ہر قیمت پر اس عہد کو نبھارہا ہے، اس لیے کوئی شک نہیں کہ اس کا کارنامہ سو مجاہدوں کے برابر شمار کئے جانے کے لائق ہے، ایسا شخص مرتے وقت پوری طعنہ زن قوم کو مخاطب کرکے کہتا ہے:

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
فقیرانہ آئے صدا کر چلے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں عرض کرتا ہے:

جو تجھ بن نہ جینے کا کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

(10) نیک لوگوں کے دل میں محبت کے پیدا ہوجانے فاجروں اور بدکاروں کے دلوں میں ہیبت کے پڑ جانے اور رزق کی فراخی دین میں پختگی کا سبب ہے:

حدیث میں ہے:

مَنْ حَفِظَ سُنَّتِيْ أَكْرَمَهُ اللهُ بِأَرْبَعِ خِصَالٍ أَلْمَحَبَّةُ فِيْ قُلُوْبِ الْبَرَرَةِ وَالْهَيْبَةُ فِيْ قُلُوْبِ الْفَجَرَةِ وَالسِّعَةُ فِي الرِّزْقِ وَالثِّقَةُ فِي الدِّيْنِ۔(345)

جس نے میری سنت کی حفاظت کی (دل وجان سے اس کو مضبوط پکڑ لیا، اور اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالیٰ چار باتوں سے اس کا اعزاز فرمائیں گے (1) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا فرمائیں گے۔ (2) فاجر اور بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دیں گے۔ (3) رزق فراخ کردیں گے۔ (4) دین میں پختگی نصیب فرمائیں گے۔

(11) گمراہی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے:

حدیث میں ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ۔(346)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور دوسری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت۔

(12) ساری خوبیوں کی جڑ:

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اساس الخیر متابعة النبی ﷺ فی قوله وفعله (347)

یعنی ساری خوبیوں کی جڑ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ہے آپ کے قول میں بھی اور آپ کے فعل میں بھی۔

(13) ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے

حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا، آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ کی توجہ و دعا سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی، آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں، یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگے، حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھالاؤ آپ نے مسواک کو زمین پر ٹیک دیا اسی وقت زمین ساکن ہوگئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی، اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو ان شاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہو جائیں لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین) سے اور اپنی اس کرامت سے کہ (دعا سے سرہند شریف کے تمام مردے زندہ ہو جائیں) اثناء وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔ **(348)**

(14) قرب الٰہی کے منازل طے کرانے میں تمام مجاہدات مراقبات کا بدل ہے:

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> میں نے (محبت الٰہی اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے) علوم ظاہر یعنی قرآن و حدیث و فقہ کے علم کو حاصل کیا۔ جب ان تمام علوم میں میں نے کمال حاصل کر لیا تو اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ صوفیاء کرام جو علوم لیے بیٹھے ہیں ان کو بھی حاصل کرنا چاہیے، چنانچہ میں نے چاروں سلسلہ کے علوم حاصل کیے اور ان چاروں سلسلہ کے چلے کاٹے اور اذکار کیے۔ ان چاروں سلسلوں کے مجاہدات کیے، ان اذکار و مجاہدات کی بدولت اللہ نے مجھے اس مقام تک پہنچایا جس کو میں بیان نہیں کر سکتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مقامات میں نے اپنی

آنکھوں سے دیکھے۔ ان تمام مجاہدات، مراقبات اذکار اور چلوں کی برکت سے مجھے محبت الٰہی وقرب الٰہی کے حصول کے لیے جو بات معلوم ہوئی وہ تمہیں بغیر مجاہدہ کے بتاتا ہوں کہ جو شخص جتنا سنت کا اہتمام کرے گا اتنا ہی اسے قرب الٰہی حاصل ہوگا۔ **(349)**

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے آخری دور میں اصلاح کے لیے مجاہدات وریاضتوں کے بجائے کچھ آسان طریقے بنائے ان آسان طریقوں میں سے ایک طریقہ اتباع سنت ہے۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اتباع سنت کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں محبوبیت ہے اور محبوبیت کا خاصہ ہے کہ جب انسان اتباع سنت کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب (شوریٰ:13)

اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔

چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اتباع سنت میں محبوبیت کی خاصیت ہے اور اس خاصیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بھی اتباع سنت کے راستے پر چلے گا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں اتنے لمبے مجاہدات اور ریاضتیں کیسے کروگے؟ البتہ ایک کام یہ کرلو کہ اپنی زندگی کو اتباع سنت کے سانچے میں ڈھال لو گویا تمہاری صبح سے لے کر شام تک کی زندگی نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی میں بسر ہونی چاہیے۔ **(350)**

الغرض سنت کے مطابق زندگی گزارنا محبوبیتِ خداوندی، عمومی مقبولیت اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے متوجہ ہونے کا سبب ہے، عین اطاعت خداوندی ہے، ایمان کی علامت اور اس کی تکمیل کا ذریعہ ہے، ہدایت کی کسوٹی ہے، بڑی کامیابیاں دلانے والی ہے، سو شہید کے مرتبہ تک پہنچانے والی ہے، نیک لوگوں کے دل میں محبت کے پیدا ہوجانے فاجروں اور بدکاروں کے دلوں میں ہیبت کے پڑ جانے اور رزق کی فراخی دین میں پختگی کا سبب ہے، گمراہی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے، ساری خوبیوں کی جڑ، ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے، قرب الٰہی کے منازل طے کرانے میں تمام مجاہدات مراقبات کا بدل ہے۔

(15) بہترین ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے **(351)**

اہمیت اتباع

(1) اسلام پر استقامت کی طرح سنت پر بھی استقامت ضروری ہے:

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمن تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو، میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ کے فضل سے کرتا ہوں، اس کے بعد پھر میں نے کہا، اے رب! مجھے اسلام پر موت نصیب فرما، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وعلی السنۃ، اسلام کے ساتھ سنت پر موت آنے کی بھی دعا اور تمنا کرو۔(352)

(2) صراط مستقیم اور حصول نجات کا مدار ہے

حضرت خواجہ معصوم سرہندی رحمہ اللہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

سعادت دارین سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر موقوف ہے جہنم سے نجات اور دخول جنت سید الابرار قدوۃ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر موقوف ہے، اسی طرح خدا کی رضامندی، رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ، زہد و تقویٰ، توکل و تبتل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں اور ذکر ذوق وشوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے بغیر ناقابل اعتبار ہے۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔(353)

(3) سنت ذریعۂ نجات ہے

امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّ السُّنَّةَ مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ۔(354)

یعنی! سنت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس میں سوار ہوگیا (گمراہی سے) بچ گیا اور جو اس پر سوار نہ ہوا (یعنی سنت کو چھوڑ دیا) تو وہ غرق ہوگیا (یعنی ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں گر گیا)

(4) قبولیت اعمال کے لیے شرط ہے

اور آیت کریمہ لیبلوکم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکروا فی تفسیر احسن عملا وجوھا (احدھا) ان یکون اخلص الاعمال واصوبھا لان العمل اذا کان خالصاً غیر صواب لم یقبل و کذلک اذا کان صواباً غیر خالص فالخالص ان یکون لوجه الله والصواب ان یکون علی السنة(355)

یعنی "احسن عملا" سے مراد عمل مقبول ہے اور عمل مقبول وہ ہے جو خالص ہو اور صواب بھی ہو، اگر عمل خالص

ہے مگر صواب نہیں ہے تو وہ مقبول نہیں ہے عمل خالص وہ ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے اور صواب وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔

محدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

ان القول لایقبل مالم یعمل به وکلاهما لایقبلان بدون النیة والقول والعمل والنیة لاتقبل مالم توافق السنة(356)

سخن مقبول نیست بدون عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدون نیت وہر سہ مقبول نیستند کہ موافق سنت نباشد

یعنی قول بلا عمل درست نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول و عمل) بلا صحیح نیت کے مقبول نہ ہوں گے اور قول و عمل اور نیت مقبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہو۔

پیران پیر شیخ عبد القادر نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

لایقبل قول بلا عمل ولا عمل بلا اخلاص واصابة السنة (357)

یعنی کوئی قول عمل کے بغیر قابل قبول نہیں اور کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور وہ سنت کے موافق نہ ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لایستقیم قول وعمل ونیة الا بموافقة السنة(358)

یعنی کوئی قول اور عمل اور نیت درست نہیں جب تک کہ رسول اللہ کی سنت کے موافق نہ ہو۔

الغرض صراط مستقیم اور حصول نجات کا مدار ہے، قبولیت اعمال کے لیے شرط ہے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ''اعمال میں وزن کیونکر پیدا ہو'' میں فرماتے ہیں:

اعمال میں صرف نیت کی درستگی کافی نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی اچھے خاصے پڑھے لکھوں میں موجود ہے کہ انہیں شریعت وسنت کا کوئی طریقہ بتایا جائے تو یہ بات کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ تو ہمارے دلوں کو دیکھتا ہے۔'' سمجھنے کی بات یہی ہے کہ کسی بھی نیک عمل کا طریقہ جب تک وہ نہ ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتایا یا کر کے دکھایا، وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر آپ فیصل آباد سے کراچی جانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کراچی جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہونا پڑے گا۔ اگر کوئی پشاور جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہو جائے اور نیت کراچی جانے کی ہے اور کوئی اس کو سمجھائے کہ آپ نے غلط گاڑی کا انتخاب کیا ہے اور جواب میں وہ کہے کہ نہیں، جی میری نیت تو درست ہے تو وہ یقیناً کراچی نہیں پہنچ سکتا۔ گویا نیت کے ساتھ ساتھ طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔

(5) اصلی اور جعلی نوٹ

ایک اصلی نوٹ ہوتا ہے اور ایک جعلی نوٹ ہوتا ہے جسے بچے عید کے دن لیے پھرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں لیکن یہ جعلی نوٹ کسی فائدہ کا حامل نہیں چاہے کتنی ہی مقدار میں جمع کر لیں اور اس سے کوئی چیز خریدی جا سکتی ہے نہ ہی اسے کوئی قبول کرتا ہے پس سنت کی مثال ایسی ہے جیسے اصلی نوٹ اور بدعت کی مثال جعلی نوٹ کی سی ہے۔(359)

(6) معمولی سی محنت پر سالوں کی سنت کا ثواب

اذان: 60 سالہ زندگی میں روزانہ 25 منٹ اذان سننے میں گزارنے والا اپنی زندگی کا کم و بیش ایک سال اذان سننے میں گزار دیتا ہے لہٰذا اذان کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس ایک سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

وضو: 60 سالہ زندگی میں روزانہ آدھا گھنٹہ وضو کرنے میں گزارنے والا اپنی زندگی کے سوا سال وضو کرنے میں گزار دیتا ہے لہٰذا وضو کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس سوا سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

غسل: 60 سالہ زندگی میں روزانہ آدھا گھنٹہ غسل کرنے میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کے سوا سال غسل کرنے میں گزار دیتا ہے لہٰذا غسل کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس سوا سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

کپڑے: 60 سالہ زندگی میں روزانہ 5 منٹ کپڑے تبدیل کرنے میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کے کم و بیش ڈھائی ماہ کپڑے تبدیل کرنے میں گزار دیتا ہے لہٰذا کپڑے تبدیل کرنے کی سنتوں کا اہتمام کر کے ڈھائی ماہ کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

کنگھا: 60 سالہ زندگی میں روزانہ 5 منٹ کنگھا کرنے میں گزارنے والا اپنی زندگی کے کم و بیش ڈھائی ماہ کنگھا کرنے میں گزار دیتا ہے لہٰذا کنگھا کرنے کی سنتوں کا اہتمام کر کے ڈھائی ماہ کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

کھانا: 60 سالہ زندگی میں روزانہ ایک گھنٹہ کھانا کھانے میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کے ڈھائی سال کھانا کھانےمیں گزار دیتا ہے لہٰذا کھانے کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس ڈھائی سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

پانی: 60 سالہ زندگی میں روزانہ پندرہ منٹ پانی و دیگر مشروبات پینے میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کا پونا سال پانی پینے میں گزار دیتا ہے لہٰذا پانی کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس پونے سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

جوتا: 60 سالہ زندگی میں روزانہ 2 منٹ جوتا/چپل پہننے میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کا ایک مہینہ جوتا/چپل پہننے میں گزار دیتا ہے لہٰذا جوتا/چپل پہننے کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس ایک ماہ کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

تجارت: 60 سالہ زندگی میں روزانہ 8 گھنٹے تجارت/ملازمت/کاروبار میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کے 20 سال

تجارت/ ملازمت/ کاروبار میں گزار دیتا ہے لہٰذا تجارت/ ملازمت/ کاروبار کی سنتوں کا اہتمام کر کے ان 20 سالوں کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

بازار: 60 سالہ زندگی میں روزانہ تقریباً پندرہ سے بیس منٹ بازار جانے میں صرف کرنے والا اپنی زندگی کا ایک سال بازار جانے میں گزار دیتا ہے لہٰذا بازار کی سنتوں کا اہتمام کر کے اس ایک سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

ڈاڑھی: 60 سالہ زندگی میں شروع عمر سے موت تک ڈاڑھی رکھنے والا اپنی زندگی کے 40 سال ڈاڑھی رکھ کر گزار دیتا ہے لہٰذا ڈاڑھی کی سنتوں کا اہتمام کر کے 40 سال کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

سونا: 60 سالہ زندگی میں روزانہ 8 گھنٹے سونے والا اپنی زندگی کے 20 سال نیند میں گزار دیتا ہے لہٰذا سونے جاگنے کی سنتوں کا اہتمام کر کے ان 20 سالوں کو عبادت بنا کر ثواب حاصل کریں، ضائع نہ کریں۔

❑ ترک اتباع کے نقصانات

سوال: ترک اتباع کے کیا نقصانات ہیں؟

جواب:

(1) ترک سنت کی صورت میں فتنہ اور مصیبت کا اندیشہ ہے:

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم

(مومنون: 63)

جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے۔

اس آیت میں فتنہ سے دنیا میں مصیبت اور مشقت میں پڑنا مراد ہے اور دردناک عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے اس میں منافقین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم جو رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہو اور چپکے سے مجلسوں سے کھسک جاتے ہو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا۔ اس کی وجہ سے دنیا میں بھی مبتلائے عذاب ہو سکتے ہو اور آخرت میں تو ہر کافر کے لیے دردناک عذاب ہے ہی...... بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سامنے آتا ہے تو حکم عدولی کرتے ہیں نفس کے تقاضوں اور بیوی بچوں کے مطالبات اور رسم و رواج کی پابندی اور حبّ دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی قصداً صریح خلاف ورزی کر جاتے ہیں اور بعضے تو مولویوں کو صلواتیں سناتے ہیں۔ چوری اور سینہ زوری اور زبانی کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے اور ڈاڑھی کاٹنے ہی کو

لے لو، رشوت کے لین دین کو سامنے رکھ لو، خیانتوں کا اندازہ لگالو اور دیکھو کہ زندگی میں کہاں کہاں احکام شرعیہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ ان کی خلاف ورزی پر وعید شدید ہے ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہاں کہاں اور کس کس پر عمل سے آخرت کی بربادی ہو رہی ہے۔ (360)

(2) ترک سنت گمراہی ہے:

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضللا مبینا۔ (سورۃ الاحزاب: 36)

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ کسی بھی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم آ جائے تو اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی رہے، جو حکم مل جائے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے، اسلام سراپا فرمانبرداری کا نام ہے، یہ جو آج کل لوگوں کا طریقہ ہے کہ مسلمانی کے دعویدار بھی ہیں لیکن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کو تیار نہیں، یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں، جب قرآن وحدیث کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آج کل اس پر عمل نہیں ہو سکتا (العیاذ باللہ) معاشرت اور معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں قصداً و ارادۃً قرآن وحدیث کے خلاف چلتے ہیں یہ سراسر بے دینی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ کے ختم پر فرمایا: ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضللا مبینا (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا) فرائض اور واجبات کو چھوڑنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور سنن ونوافل کی ادائیگی کی بھی حرص کرنا چاہیے، جس کا فرمانبرداری کا مزاج نہیں ہوتا وہ پہلے سنتوں سے بچتا ہے پھر واجبات چھوٹنے لگتے ہیں پھر فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شیطان وسوسے ڈال کر ایمان سے بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حکم ملا ہے وہ جان سے قبول کرے، نیم دروں نیم بروں مسلمان بھی ہیں اور نہیں بھی، یہ گمراہی کا طریقہ ہے۔ (361)

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من سرہ ان یلقی اللہ غدا مسلما فلیحافظ علی ھؤلاء الصلوات حیث ینادی بھن فان اللہ تعالیٰ شرع لنبیکم ﷺ سنن الھدیٰ وانھن من سنن الھدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم۔ (362)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی

بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے (یعنی مسجد میں) اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں، اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(3) تارک سنت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قطع تعلق کا اعلان:

عن أَنَسٍ قال: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهطٍ إِلَى أَزوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَسأَلُونَ عَن عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أُخبِرُوا كَأَنَّهُم تَقَالُّوهَا فَقَالُوا: أَينَ نَحنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وقد غَفَرَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُم: أَمَّا أَنَا فَأُصَلِّي اللَّيلَ أَبَدًا وَقَالَ الآخَرُ: أَنَا أَصُومُ النهار ابدا وَلا أُفطِرُ وَقَالَ الآخَرُ: أَنَا أَعتَزِلُ النِّسَاءَ فَلا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فجَاءَ النبى ﷺ إِلَيهِم فَقَالَ: أَنتُمُ الَّذِينَ قُلتُم كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللهِ إِنِّي أَخشَاكُم لِلّٰهِ وَأَتقَاكُم لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي۔ (363)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ تین شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج طیبات میں آپ کی عبادت کا حال دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے، جب ان سے اس کی تفصیل بیان کی گئی تو ایسا اندازہ ہوا گویا وہ اپنے حق میں اس کو کم سمجھے، انہوں نے کہا بھلا ہمارا حال خستہ کہاں اور آپ کی شان رفیع کہاں آپ کے تو گزشتہ اور آیندہ سب معاملات کی مغفرت ہو چکی ہے، اس لیے ان میں ایک بولا میں تو ہمیشہ تمام شب نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔ اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے آپ نے فرمایا: اچھا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ سن لو! تم سب میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی میں ہوں۔ میں تو روزہ بھی رکھوں گا اور افطار بھی کروں گا۔ شب میں نماز بھی پڑھوں گا اور سوؤں گا بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کروں گا۔ اب جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا۔

(4) ترک سنت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی:

1. عن عَائِشَةَ قالت: صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ شيئا تَرَخَّصَ فِيهِ فتنزه عَنهُ قَومٌ فَبَلَغَه ذَلِكَ فخطبه فحمد الله واثنىٰ عليه وَأَثنَى عَلَيهِ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ

أَقوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيئِ أَصنَعُهُ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَعلَمُهُم بِاللّٰهِ وَأَشَدُّهُم لَهُ خَشيَةً۔ (364)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) کوئی ایسا کام کیا جس میں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا (یعنی دین کا وہ پہلو جو دوسرے پہلو کی نسبت آسان ہو) بعض لوگوں نے اس کی اتباع کرنے سے کنارہ کشی کی یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی اس پر آپ نے تقریر فرمائی اور خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی بات کرنے سے بھی احتراز کرتے ہیں جو خود میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم ان سب میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں اور ان سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں۔

2. عن عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى البَابِ وَأَنَا أَسمَعُ: يَا رَسُولَ اللهِ۔ إِنِّي أُصبِحُ جُنُباً وَأَنَا أُرِيدُ الصِّيَامَ۔ فَقَالَ رسول الله ﷺ: وَأَنَا أُصبِحُ جُنُباً وَأَنَا أُرِيدُ الصِّيَامَ۔ فَأَغتَسِلُ وَأَصُومُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللهِ۔ إِنَّكَ لَستَ مِثلَنَا قَد غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: وَاللهِ إِنِّي لَأَرجُو أَن أَكُونَ أَخشَاكُم لِلّٰهِ وَأَعلَمَكُم بِمَا أَتَّقِي (365)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اس وقت ایک شخص نے آپ سے مسئلہ پوچھا اور میں سن رہی تھی یا رسول اللہ اگر صبح کو میں ناپاک اٹھوں اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا ہو تو کیا میں جنابت کی حالت میں روزہ کی نیت کر سکتا ہوں آپ نے جواب دیا اگر صبح کو میں جنابت کی حالت میں ہوتا ہوں اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا ہوتا ہے تو میں پہلے غسل کرتا ہوں پھر اس کے بعد روزہ کی نیت کر لیتا ہوں اور بس۔ اس پر وہ شخص بولا بھلا آپ کی شان عالی کہاں آپؐ کے تو اگلے پچھلے سب معاملات بخشے جا چکے ہیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی راہ کا علم رکھنے والا ہوں گا۔

3. عَن عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلاً قَبَّلَ امرَأَتَهُ وَهُوَ صَائِمٌ فِي رَمَضَانَ۔ فَوَجَدَ مِن ذٰلِكَ وَجداً شَدِيداً۔ فَأَرسَلَ امرَأَتَهُ تَسأَلُ لَهُ عَن ذٰلِكَ۔ فَدَخَلَت عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوجِ النَّبِيِّ ﷺ۔ فَذَكَرَت ذٰلِكَ لَهَا۔ فَأَخبَرَتهَا أُمُّ سَلَمَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ۔ فَرَجَعَت فَأَخبَرَت زَوجَهَا ذٰلِكَ۔ فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرّاً۔ وَقَالَ: لَسنَا مِثلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔ اللهُ يُحِلُّ لِرَسُولِهِ مَا شَاءَ۔ ثُمَّ رَجَعَتِ امرَأَتُهُ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ۔ فَوَجَدَت عِندَهَا رَسُولَ اللهِ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا لِهٰذِهِ المَرأَةِ

فَأَخبَرَتهُ أُمُّ سَلَمَةَ. فَقَالَ: أَلا أَخبَرتِيهَا أَنِّي أَفعَلُ ذٰلِكَ. فَقَالَت: قَد أَخبَرتُهَا فَذَهَبَت إِلَى زَوجِهَا فَأَخبَرَتهُ. فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرّاً. وَقَالَ: لَسنَا مِثلَ رَسُولِ اللهِ. يُحِلُّ اللهُ لِرَسُولِهِ مَا شَاءَ. فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ وَقَالَ: وَاللهِ. إِنِّي لأَتقَاكُم لله وَأَعلَمُكُم بِحُدُودِهِ. (366)

حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بی بی کا بوسہ لے لیا پھر اس حرکت پر اس کو سخت غم ہوا۔ اس نے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے اپنی بی بی کو بھیجا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سب واقعہ ان سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا کر لیتے تھے۔ انہوں نے لوٹ کر یہ جواب اپنے شوہر کو سنا دیا اس پر ان کا غم اور دونا ہو گیا وہ بولے ہم بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کہاں ہیں (کہ آپ کی نقل کر سکیں) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے حق میں جو چاہے حلال فرما سکتا ہے، ان کی بی بی پھر ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس مرتبہ وہ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں رونق افروز تھے۔ آپ نے پوچھا یہ عورت کیسے آئی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان کا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے اس سے کہہ دیا ہوتا کہ میں بھی ایسا کر لیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی میں نے تو کہہ تو دیا تھا مگر جب انہوں نے اپنے شوہر کو جا کر اس کی اطلاع دی تو ان کو اور زیادہ غم ہوا اور انہوں نے یہ کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے کہاں ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے حق میں جو چاہے حلال فرما دے سکتا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے فرمایا بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھتا ہوں اور اس کے حلال وحرام کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

(5) ترک سنت گناہ ہے:

عَن جَابِرِ بنِ عَبدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الفَتحِ إِلَى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الغَمِيمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِن مَاءٍ فَرَفَعَهُ حَتَّى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيلَ لَهُ بَعدَ ذٰلِكَ: إِنَّ بَعضَ النَّاسِ قَد صَامَ فَقَالَ: أُولٰئِكَ العُصَاةُ أُولٰئِكَ العُصَاةُ (367)

جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال جس میں مکہ مکرمہ فتح ہوا رمضان المبارک میں سفر کے لیے نکلے اور آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا۔ جب مقام کراع الغمیم پر پہنچے تو آپ نے ایک پیالہ میں پانی منگایا اور اپنے ہاتھ میں اس کو اتنا اونچا اٹھایا کہ سب لوگوں نے دیکھ لیا، اس کے بعد افطار کرنے کی غرض سے) اس کو پی لیا، اس کے بعد آپ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بعض لوگ تو اب بھی روزہ دار ہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں، یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

اب غور فرمائیے کہ یہاں معاملہ ایک عبادت یعنی روزہ کا تھا اور روزہ بھی رمضان کا، پھر اگر لوگوں نے اس کو نہ توڑا تو کیا وہ شاباش کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ آپ کے اس علی الاعلان عمل کے بعد بھی روزہ نہ توڑنا یہ آپ کی اتباع میں کوتاہی تھی اس لیے اب وہی اہم عبادت معصیت بن گئی معلوم ہوا کہ رسول کی ہستی وہ ہے کہ اگر وہ عبادت کرے تو جس طرح عبادت میں اس کی اتباع کرنا عبادت ہے اس طرح اگر وہ عبادت شروع کر کے توڑ دے تو پھر اس کو توڑ دینا یہی عبادت ہے۔ گویا عبادت کی حقیقت کیا ہے؟ اتباع رسول اور معصیت کی حقیقت کیا ہے، رسول کی نافرمانی۔ اسی لیے قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت پر جتنا زور دیا ہے ان کی معصیت سے ممانعت پر بھی اتنا ہی زور دیا ہے۔ گویا جس طرح اطاعت ایزدی اور رسول کی اطاعت میں کوئی تفریق نہیں ہے اسی طرح اس کی معصیت اور رسول کی معصیت میں کوئی تفریق نہیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام کے کسی فعل میں بھی معصیت ہونے کا احتمال ہو والعیاذ باللہ تو ان کی ہر خلاف ورزی کو معصیت کیسے کہا جا سکتا ہے اور ان کی نافرمانی سے علی الاطلاق ممانعت کیسے درست ہے۔

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین۔ (النساء:14)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض ولا یکتمون اللہ حدیثا (النساء: 42)

جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہے، اس دن وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین (میں دھنسا کر اس) کے برابر کر دیا جائے اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔(368)

(6) تارک سنت جنت میں داخل ہونے سے انکار کرنے والا ہے:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی لیکن جو انکار کرے گا۔ (وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا) عرض کیا گیا اور کون انکار کرے گا۔ آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔(369)

(7) سنت کو ہلکا سمجھنے کا انجام

تفسیر عزیزی میں ہے:

من تھاون بالاداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان

الفرائض ومن تہاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة۔(370)

یعنی جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنت میں سستی کرتا ہے اور اسے ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے اور ان کو خفیف سمجھتا ہے وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔

(8) ترک سنت کے نقصانات پر اکابرین کے واقعات

- **خواجہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:**

ایک مرتبہ خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں آئے اور بھول کر پہلے بایاں پاؤں اندر رکھ دیا آواز آئی کہ بیل، خانہ خدا میں ایسے ہی بے ادبانہ گھس آتے ہیں اسی روز سے آپ کو خواجہ سفیان ثوری کہنے لگے کیونکہ ثور بیل کو کہتے ہیں۔(371)

- **سنت کے چھوٹنے پر احوال سے محرومی:**

حضرت (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے، وہ سب فضل خداوندی ہے لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جا سکتا ہے تو وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت ہے، جس پر مدار کار سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے، اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے، جزئیاً وکلیاً اور جو کچھ نصیب نہیں ہوا، وہ محض اس وجہ سے کہ بحکم بشریت اتباع کامل میں نقص وفتور ہونے کی وجہ سے، ایک روز فرمایا کہ ایک دن سہواً جائے ضرور (بیت الخلا) میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال سے محرومی رہی، ایک مرتبہ صالح ختلانی سے فرمایا کہ ہماری تھیلی سے تھوڑی سے لونگیں لے آؤ! وہ گئے اور چھ لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ وتر ویحب الوتر" رعایت وتر مستحب ہے، مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا وآخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دے دیا جائے جو اللہ کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ نے سرہند میں کیا دیکھا، کچھ ہمیں بھی سنائیے، انہوں نے کہا کہ مجھ بے بصیرت کو کیا نظر آ سکتا ہے لیکن میں نے اتنا دیکھا کہ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فروگزاشت نہیں فرماتے، کسی اور سے اتنا اہتمام نہایت مشکل ہے۔(372)

- **خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:**

خواجہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ بھی صائم الدہر تھے، پانچ پانچ دن کے مسلسل روزہ رکھتے تھے اور پانچ سو رکعت نوافل روزانہ ادا کرتے تھے۔ صاحب انوار العارفین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وضو میں بھولے سے کسی عضو کو بجائے تین بار کے دو بار دھولیا تھا۔

شب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فضیل تم سے بعید ہے کہ وضو میں میری سنت چھوڑ دو۔ خواجہ اس کی ہیبت سے بیدار ہوگئے اور اپنے اوپر پانچ سو نوافل روزانہ کا ایک سال کے لیے کفارہ کے طور پر مقرر فرما لیا۔(373)

- **شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:**

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ شام کی نماز کے وقت تازہ وضو کر رہے تھے۔ اتفاقاً آپ انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے۔ غیبی فرشتے نے آواز دی کہ اے خواجہ! تو ہمارے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا امتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کی سنت کو ترک کرتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ اجل شیرازی نے قسم کھائی کہ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترک نہیں کروں گا۔(374)

اتباع سنت کے بغیر دعویٰ محبت معتبر نہیں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار وضو کرتے وقت انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسول کا دعویٰ اور سنت کا ترک؟(375)

- **حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:**

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم بکران دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت کیا منظر دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک درہم کا ظلم ایک شخص پر ہوگیا تھا۔ میں اس کی طرف سے کئی ہزار درہم صدقہ کر چکا ہوں مگر میرے دل پر اب تک اس درہم کا بوجھ ہے کہ کیوں رہ گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے وضو کرا دو۔ میں نے وضو کرایا اور ڈاڑھی میں خلال کرنا بھول گیا، وہ خود ضعف کی وجہ سے کر نہ سکتے تھے، زبان بند ہو چکی تھی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی ڈاڑھی کے اندر کر دیا اور انتقال ہوگیا۔ یہ سن کر جعفر رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے کہ جس شخص کا ایسی حالت میں بھی شریعت کا ادب اور ایک مستحب نہ چھوٹے اس کا کیا کہنا۔(376)

- **سنت کو چھوڑنے والوں کا قبر میں انجام**

''اھوال القبور'' میں علامہ زین العابدین بن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو کفن چور تھا مگر اب وہ اس قبیح حرکت سے باز آ چکا تھا اور توبہ کر کے نیکی کی زندگی گزار رہا تھا۔ علامہ زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: تم مسلمانوں کے کفن چراتے رہے ہو اور تم نے مرنے کے بعد ان کی حالت دیکھی ہے، یہ بتاؤ کہ جب تم ان کے چہرے کھولتے تھے تو ان کا رُخ کس طرف ہوتا تھا؟ اس نے جواب دیا: اکثر چہرے قبلے کے رُخ سے پھرے ہوتے تھے۔ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو بڑا تعجب ہوا، کیوں کہ دفن کرتے ہوئے مسلمان کا چہرہ قبلہ رخ

کیا جاتا ہے۔ انہوں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں پوچھا تو امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو تین بار "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا، پھر فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی زندگی میں سنتوں سے منہ پھیرنے والے تھے۔

فائدہ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں اس کا امتیاز نہیں تھا کہ کون سی سنت چھوٹی ہے اور کون سی بڑی ہے، بلکہ ان کے نزدیک ہر سنت عظیم تھی، اس لیے وہ تمام سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذرا سا اہتمام کرنے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ جمع ہوتا چلا جاتا ہے، اس لیے سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ **(377)**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے۔ **(378)**

المنير مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل:3

طریقہ اتباع

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں کو اپنے زندگی میں لانے اور ان پر عمل کرنے کا عملی طریقہ کار کیا ہوگا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں کو اپنے اندر لانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں جو کام بار بار کیے جاتے ہیں جیسے: کھانا پینا، سونا جاگنا، گھر، بیت الخلاء، مسجد میں داخل ہونا باہر نکلنا، سوار ہونا، بازار جانا، راستہ میں چلنا۔ پہلے ان سے متعلق سنتوں کو اپنی زندگی میں لے آئیں۔

- سنتوں کو اپنی زندگی میں کیسے لائیں اس کے لیے دیکھیں ہماری کتاب ''تربیتی جائزے''

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

مشق

سوال 1: کس شخصیت کی سیرت تمام طبقات انسانی (یعنی امیر وغریب، حاکم ومحکوم، باپ بیٹا اوران کی ہر حالت (یعنی خوشی غمی، صحت بیماری) کے لیے آئیڈیل سیرت بن سکتی ہے؟
(جس کی زندگی تاریخی اعتبار سے مستند اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو) پائی جاتی ہیں؟

سوال 2: انسانی مذاہب کے تمام بانیوں، پیشواؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسی ہستی ہے جن کی سیرت/ زندگی اس طرح محفوظ ہو کہ:
اس مذہب کے بانی کی زندگی میں شروع ہی سے ان کی سیرت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہو اور یہ اہتمام کسی فرد یا افراد نے نہیں بلکہ ایک بڑی جماعت، لاکھوں کروڑوں افراد نے کیا ہو۔ اور ہر طریقہ سے کیا ہو یعنی تحریری، زبانی، عملی، تعلیم، تبلیغ الغرض انسانوں کی وہ ساری کوششیں اور تدبیریں صرف ہوئی ہوں جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق انسان کا دماغ سوچ سکتا ہے۔ اور حفاظت کے ہر طریقہ کو انتہائی معیاری انداز میں کیا گیا ہو۔ پھر یہ اہتمام بانی مذہب کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک ہر زمانہ میں ہوا ہو، درمیان میں انقطاع نہ ہوا ہو۔

سوال 3: وہ کون سی شخصیت ہے جس کی سیرت اور زندگی کے تمام پہلو سامنے ہیں، کوئی گوشہ مخفی نہیں؟

سوال 4: کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط ''جامعیت'' ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسانی کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس ''آئیڈیل زندگی'' کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطۂ نگاہ سے بتائیے کہ ایسی کونسی شخصیت ہے جو اس معیار پر پوری اترتی ہو؟

سوال 5: وہ کون سی شخصیت ہے جس کی سیرت و زندگی میں تمام طبقات انسانی اور ان کی ہر حالت میں آئیڈیل بننے کی چوتھی شرط (جس کی زندگی اس کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہو) پائی جاتی ہیں؟

سوال 6: قرآن وحدیث کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی برکات، فضائل اور اہمیت بتائیں۔

سوال 7: ترک اتباع کے کیا نقصانات ہیں؟

سوال 8: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں کو اپنے زندگی میں لانے اور ان پر عمل کرنے کا عملی طریقہ کار کیا ہوگا؟

باب:5

پانچواں حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا

فصل 1: حکمِ محبت

فصل 2: ثمراتِ محبت

فصل 3: وجوہاتِ محبت

(1) کمال (2) جمال (3) نوال/احسانات

فصل 4: مفہومِ محبت

فصل 5: علاماتِ محبت

فصل 6: طریقۂ محبت (محبت پیدا کرنے کا طریقہ)

فصل 7: اظہارِ محبت

فصل 8: نمونۂ محبت

فصل:1

حکمِ محبت

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں قرآن واحادیث میں ہمیں کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب:

- **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو**

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (379)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ، قبیلہ اور تمہارا وہ مال ودولت جس کو تم نے محنت سے کمایا ہے اور تمہاری وہ چلتی ہوئی تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں (پس اگر دنیا کی یہ محبوب ومرغوب چیزیں) اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کے دین کی راہ کی جد وجہد سے زیادہ تم کو محبوب ہیں تو انتظار کرو تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرے اور یاد رکھو کہ اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

پس قرآن مجید کی اس پر جلال آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے کہ ایمان والوں کو اپنی تمام قابلِ محبت چیزوں سے زیادہ اللہ ورسول کی اور اس کے دین کی محبت ہونی چاہیے۔ اس کے بغیر اللہ کی رضا اور اس کی خاص ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی اور ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کو یہ نصیب ہوجائے اس کے لیے ایمان کے سارے تقاضوں کا پورا کرنا اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہوجاتا ہے بلکہ اس راہ میں جان عزیز تک دیدینے میں بھی وہ بھی وہ ایک لذت محسوس کرے گا اور اس کے برخلاف جس کے دل پر اللہ ورسول کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہوگا اس کے لیے روزمرہ اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہوگی اور جتنا کچھ وہ کرے گا بھی تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی کی سی ہوگی، پس اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جب تک اللہ ورسول کی محبت ساری چاہتوں اور

محبتوں پر غالب نہ ہوجائے ایمان کا اصل مقام نصیب نہیں ہوسکتا، اور ایمان کی حلاوت حاصل نہیں ہوسکتی۔(380)

ایک حدیث میں آتا ہے:

ما مؤمن، إلا وأنا أولى به في الدنيا والآخرة، واقرؤوا إن شئتم {النبيُّ أولى بالمؤمنين من أنفسهم۔(381)

کوئی مؤمن ایسا نہیں جس کے لیے میں دنیا وآخرت میں سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب نہ ہوں، اگر تمہارا دل چاہے تو اس کی تصدیق کے لیے قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: نبی مومنین کے ساتھ تو ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں ہر مؤمن مسلمان پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق ومہربان ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہر مؤمن کو آنحضرت ﷺ کی محبت سب سے زیادہ ہو۔(382)

ایک اور حدیث میں ہے:

لا يُؤمِنُ أحدُكُم، حتَّى أكونَ أحبَّ إليهِ مِن والِدِهِ وولَدِهِ والنَّاسِ أجمعِين۔(383)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كُنَّا مع النبيِّ ﷺ وهو آخذ بيدِ عمرَ بنِ الخطاب، فقال له عمرُ: يا رسولَ الله، لأنتَ أحبُّ إليَّ من كل شيء، إلا نفسي، فقال النبيُّ ﷺ: لا والذي نَفْسي بيده حتى أكون أحبَّ إليكَ من نَفْسِكَ، فقال له عُمَرُ: فإنَّه الآن، والله لأنت أحبُّ إليَّ من نَفْسي، فقال له النبيُّ ﷺ: الآنَ يا عمرُ۔(384)

ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوا میری اپنی جان کے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا) جب تک میں تمہیں تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! پھر واللہ اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں عمر اب تیرا ایمان پورا ہوا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أحِبُّوا اللهَ لما يَغذُوكم من نعمه وأحِبُّوني لحُبِّ الله وأحِبُّوا أهلَ بيتي لحُبِّي۔(385)

اللہ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلا رہا ہے، اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی خاطر، اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری خاطر۔

فصل:2

ثمراتِ محبت

سوال: حضور ﷺ سے محبت کرنے کے ثمرات اور فوائد بیان کریں۔

جواب:

- **حضور ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب کرنے سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے:**

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔(386)

ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ ورسول کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوتِ ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے جس شخص کو یہ لذت ایمانی حاصل ہوجاتی ہے اس کے سامنے تمام مادی لذتیں بے حیثیت ہوجاتی ہیں۔

یہ حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہوسکتی ہے جس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت رچ بس جائے جو اللہ ورسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز (اولاد، والدین، عہدہ، جاہ ومرتبہ، مال ودولت، حکومت ومملکت) سے زیادہ اس کو اللہ ورسول کی محبت ہو۔ اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ وہ ایسے تمام تعلقات کا رخ اللہ رسول کی طرف موڑ دے، اگر کسی سے محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے کہ یہ بندہ اللہ سے تعلق رکھتا ہے، نمازوں کا پابند ہے، ذکر وتلاوت میں مشغول رہتا ہے اللہ کے دین کی خدمت میں لگا رہتا ہے، اس کو اللہ سے تعلق ہے اللہ کو اس سے تعلق ہے اسی تعلق کی بنیاد پر میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں، اسی طرح بغض اور نفرت کا رخ بھی اسی اصول پر ہو کہ فلاں شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا باغی ہے مجھے اس سے نفرت ہے اور دل سے اسے مبغوض رکھتا ہوں۔

اور اللہ کا دین اسلام اس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو اور یقین کی پختگی کا یہ عالم ہو کہ اسلام چھوڑنے اور کفر اختیار کرنے پر جو قرآن وحدیث میں دوزخ کی سزا بتائی ہے اس پر ایسا یقین ہو کہ جیسے دنیا میں آگ سامنے ہو اور میں کفر اختیار کرنے والے کو آنکھوں کے سامنے ڈالا جاتا ہو بلکہ جزا وسزا کے تصور سے بالاتر ہو کر سوچے تو اسے کفر اختیار کرنا آگ میں ڈالے جانے کے برابر اور مبغوض معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس نے وجود دیا اور جان بخشی اس کا اور اس کے رسول اس کی کتابوں اور اس کے دین کا انکار اتنی بڑی حماقت ہے جیسے کوئی دیکھتے بھالتے دھکتے انگاروں میں کود جائے، کفر کی سزا دوزخ تو ہے ہی لیکن کفر اختیار کرنا بھی سمجھ دار اور شریف انسان کے لیے جو اللہ کی خالقیت اور مالکیت کو جانتا ہے دوزخ سے کم نہیں، یہ بات ذرا غور سے سمجھ میں آئے گی۔(387)

- **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی:**

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: لا شَيْءَ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ، فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ.(388)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: قیامت کے لیے بھلا تو نے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا کچھ نہیں، نہ بہت سی نمازیں ہیں نہ روزے اور نہ صدقے، ہاں ایک بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر (قیامت میں) تو ان کے ہی ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔

فصل:3

وجوہاتِ محبت

❑ تمہید

سوال: محبت کے اسباب اور وجوہات کیا ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب: کسی سے محبت کے تین اسباب ہوتے ہیں:

(1) کمال　(2) جمال　(3) نوال/احسانات

سوال: اسباب محبت کمال، جمال، نوال کی وضاحت کریں۔

جواب: ہمیں جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو یا تو علمی، عملی، فطری کمالات کی وجہ سے ہوتی ہے کہ جناب فلاں بہت بڑے عالم ہیں، بڑے ڈاکٹر ہیں، سائنس دان ہیں، بہت عبادت گزار ہیں، بہت تقویٰ والے ہیں، بہت اخلاق والے ہیں، بہت ذہین ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یا اس وجہ سے ہم کسی سے محبت کرتے ہیں کہ اس میں علمی عملی کملات تو نہیں لیکن زندگی میں اس نے ہم پر کوئی احسان ایسا کر دیا کہ ہم اس کو بھلا نہیں سکتے، مقولہ ہے: اَلاِنسَانُ عَبدُ الاِحسَانِ (انسان احسان کا بندہ ہے)، ایک اور مقولہ ہے: جُلِبَتِ القُلُوبُ عَلیٰ حُبِ مَن أحسَنَ إلیهِ (احسان کرنے والوں کی محبت دلوں میں ودیعت کی گئی ہے)۔ مثلاً ہماری جان بچالی، برے وقت میں کام آ گیا وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ محسن کا شکر گزار ہونا صرف انسانی نہیں حیوانی فطرت بھی ہے، جانور بھی اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔

پھر بعض اوقات کسی انسان میں نہ علمی عملی کمالات ہوتے ہیں نہ ہی ہم پر اس کے احسانات ہوتے ہیں لیکن صرف اس وجہ سے وہ اچھا لگتا ہے اور اس سے محبت ہوتی ہے کہ حسن و جمال میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔(389)

ان تینوں وجوہات پر غور کیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ تینوں وجوہات اعلی درجہ کی ہیں۔

سوال: محبت کے تین اسباب (کمال، جمال، نوال/احسانات) سب سے زیادہ کس ہستی میں پائے جاتے ہیں؟

جواب: محبت کے تینوں اسباب (کمال، جمال، نوال/احسانات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے زیادہ کسی کی ذات میں موجود نہیں، آپ کا کمال شریعت مطہرہ سے ظاہر ہے آپ کا جمال احادیث شمائل موجود ہے، آپ کی روحانی وجسمانی بخشش وکرم کا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے پھر آپ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔(390)

فصل 3: وجوہاتِ محبت

(1) کمال

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کی وضاحت کریں۔

جواب: (1) جو کمالات انسانوں اور نبیوں میں الگ الگ موجود تھے وہ تمام کمالات یکجا طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت میں کامل واتم درجہ پر موجود تھے۔

(2) جو کمالات دنیا میں کسی نبی کے پاس نہ تھے وہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے اور جو کمالات دنیا میں کسی امت کے پاس نہ تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے پاس تھے۔

(3) جو کمالات آخرت میں کسی نبی کے پاس نہ ہوں گے وہ محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوں گے اور جو کمالات آخرت میں کسی امت کے پاس نہ ہوں گے وہ محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے پاس ہوں گے۔

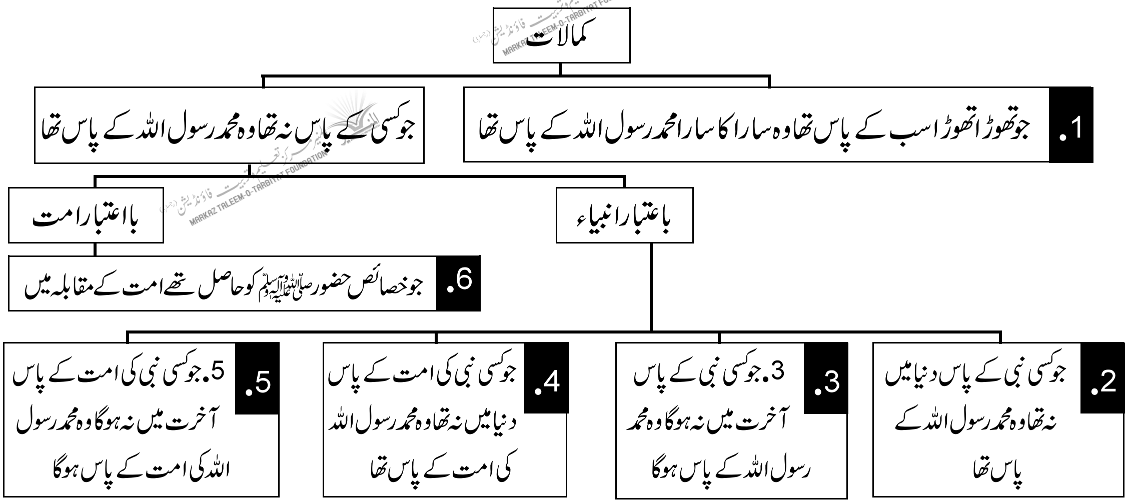

1. جو تھوڑا تھوڑا سب کے پاس تھا وہ سارا کا سارا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا

سوال: جو کمالات انسانوں اور نبیوں میں الگ الگ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں وہ سب یکجا طور پر موجود تھے اس کی وضاحت کریں۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی ان تمام کمالات کی جامع تھی جو تمام انبیاء کرام میں موجود تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت

مقدسہ دیکھیں تو اس میں نوح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام و ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام و یوسف علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام سب کے کمالات سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئیں ہیں۔(391)

نوح علیہ السلام کی طرح دعوت: حضور ﷺ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح لوگوں کو خفیہ وعلانیہ، خلوت اور جلوت میں میلوں، جلسوں، گزرگاہوں اور راہوں پر پہاڑوں اور میدانوں میں تبلیغ فرمائی۔

ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہجرت وبت شکنی: حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح وطن سے ہجرت کی، ان کی طرح بت شکنی کے منظر دکھائے۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرح جہاد، نظم ونسق: حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی طرح کفار سے جنگ وجہاد، شاہانہ نظم ونسق، اجتماعی دستور وقوانین کی مثالیں پیش کیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تواضع: حضور ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری، تواضع، عفو، درگزر کا نمونہ تھے۔

داؤد علیہ السلام کی طرح حمد ومناجات: حضور ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی سی آہ وبکا، حمد وثنا، مناجات ودعا فرمائی۔

سلیمان علیہ السلام کی طرح بادشاہت وذہانت: حضور ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت، حکمت وذہانت کی مثالیں قائم کیں۔

ایوب علیہ السلام کی طرح صبر وشکر: حضور ﷺ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر وشکر کا نمونہ تھے۔

یونس علیہ السلام کی طرح مصائب کے بعد دعوت الی اللہ: جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے چند دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینوی میں اپنی دعوت جاری کی اسی طرح حضور ﷺ نے غار ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔

یوسف علیہ السلام کی طرح مصائب کے باجود تبلیغ اور عفو درگزر: حضور ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح قید وبند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جیسے شعب ابی طالب میں، اور فتح مکہ میں انہی کی طرح عفو ودرگزر کا اعلان فرمایا **لاتثریب علیکم الیوم انتم الطلقا** (تم لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے، تم سب آزاد ہو)

یعقوب علیہ السلام کی طرح توکل: حضور ﷺ نے حضرت یعقوب کی زندگی کی طرح امید، خدا پر توکل واعتماد کی مثال قائم فرمائی۔(392)

• اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو لوگوں میں محبوبیت عطا کی تھی:
وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ (طٰہٰ:39)
اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبوبیت نازل کر دی تھی۔

• جبکہ حضور ﷺ کی محبت (اتباع) کو اپنی محبت قرار دیا:
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:31)
(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

• اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ید بیضاء اور سمندر کا دو حصوں میں تقسیم ہونے کا معجزہ عطا کیا تھا:
وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (نمل:12)
اور اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو، تو وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔

• جبکہ حضور ﷺ کو صرف ہاتھ کے اشارہ سے شقِّ قمر کا معجزہ عطا کیا:
اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:1)
قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے۔

• اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو جب وہ نبی تھے وادیٔ تیہ میں بادلوں کے سایہ سے نوازا:
وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ۔ (بقرہ:57)
اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا

• جبکہ حضور ﷺ کو نبوت سے پہلے ہی شام کے سفر میں بادلوں کا سایہ عطا کیا گیا۔
اسی طرح جب ایک شخص نے قحط سالی کی شکایت کی تو حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے بادل آ گئے اور ایک ہفتہ تک بارش برستی رہی۔ (393)

• اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وادیٔ تیہ میں من (ترنجبین) وسلویٰ (بٹیر) سے نوازا:
وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى۔ (بقرہ:57)
اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا

• جبکہ حضور ﷺ کی برکت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کئی مرتبہ کھانے پینے میں غیر معمولی برکتوں سے نوازا۔ جیسے: غزوہ خندق میں حضرت جابر کی دعوت میں ایک صاع جو اور ایک بکری کا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے کافی ہونا (394)، غزوہ تبوک میں تھوڑی سی زادِ راہ میں غیر معمولی برکت ہونا (395)، حضرت ابوطلحہ کی دعوت میں چند روٹیوں کا ستر آدمیوں کے لیے کافی ہونا (396)، حضرت جابر کا اپنے والد کے قرضہ اتارنے میں چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا (397)، جو کی تھوڑی سے مقدار سے روزانہ تین بندوں کا کھانا بننا (398)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

سفر میں آدھا سیر آٹے اور ایک بکری 130 آدمیوں کے لیے کافی ہونا(399)، حضرت زینب کے نکاح کے موقع پر تھوڑا ساحیس (ایک قسم کا کھانا) تقریباً تین سو آدمیوں کے کافی ہونا(400)، دودھ کا ایک پیالہ صبح شام دس دس آدمیوں کے لیے کافی ہونا(401)، دودھ کا ایک پیالہ تمام اصحاب صفہ کے لیے کافی ہونا۔(402)

● جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو پانی کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے پتھر سے پانی کے چشمے جاری کیے:

وَ اِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ۔(بقرہ:60)

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو" چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

● جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب سفر میں پانی کی ضرورت پڑی تو پتھر کے بجائے انگلیوں ہی سے چشمے ابل پڑے۔(403)

● اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو خوبصورت آواز دی تھی اور ان کے لیے پرندے، درخت پہاڑ مسخر کیے تھے وہ بھی ان کے ساتھ تسبیحات پڑھا کرتے تھے:

اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ۙ وَالطَّيۡرَ مَحۡشُوۡرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص:19-18)

ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ اور پرندوں کو بھی، جنہیں اکٹھا کرلیا جاتا تھا۔ یہ سب ان کے ساتھ مل کر اللہ کا خوب ذکر کرتے تھے۔

● حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے خوبصورت آواز دی تھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی العشآء "بالتین وَ الزیتونِ" فَمَا سَمِعتُ احداً أحسَن صوتاً مِنه۔"(404)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز میں سورۃ التین پڑھا اور ایسے خوبصورت لہجے میں پڑھا کہ میں نے اس سے زیادہ حسین آواز کبھی نہیں سنی۔

پہاڑ، کنکری، سامنے رکھا ہوا کھانا وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہ صرف تسبیحات پڑھتے تھے بلکہ پہاڑ پتھر، درخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا کرتے تھے، اور درخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی پر روتے تھے (405)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

● اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم فرمایا تھا

وَ أَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ (سبا:10)

اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔

● اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوائیں، جنات وغیرہ مسخر فرمائے تھے:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِأَمْرِهٖ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ، وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّ غَوَّاصٍ (ص:37-36)

چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے قابو میں کر دیا جو ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے ہموار ہو کر چلا کرتی تھی۔ اور شریر جنات بھی ان کے قابو میں دے دیے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے۔

● حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت ملی

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَ هُوَ يُؤْكَلُ۔ (406)

کھاتے وقت ہم کھانے کے تسبیح سنتے تھے۔

● غزوۂ خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک سخت چٹان نرم کر دی۔ وہ چٹان جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تمام تر کوششوں کے باوجود نہیں ٹوٹ رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ضرب میں ریزہ ریزہ کر دی۔ (407)

● حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس، بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر فرمایا۔ (408)

ایک حدیث میں آتا ہے: نصرت بالصبا (مجھے پروا ہوا کے ذریعہ مدد پہنچائی گئی) (409)

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک رات میرے پاس جن آیا میں نے چاہا کہ اس کو باندھ کے رکھوں لیکن پھر مجھے سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ (410)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے رمضان شریف میں تمام شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ (411)

● حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدیت اور رسالت کا انتخاب کیا:

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ جبرئیل ؑ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترا اس نے کہا اے محمد! آپ کے رب نے آپ کے پاس مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کو بادشاہ اور نبی بناؤں یا بندہ اور رسول؟ جبرئیل نے کہا اے محمد! اپنے رب کے سامنے تواضع اختیار کریں تو میں نے کہا: میں بندہ اور رسول بننا چاہتا ہوں۔ (412)

	ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فبینا أنا نائم أوتیت مفاتیح خزائن الأرض (413) (خواب میں زمین کے خزانوں کی چابیاں لاکر میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے جائیں لیکن میں نے اس بات کو پسند کیا کہ ایک دن کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔(414)
● سلمان کے ساتھ جانوروں نے بات کی وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ۔ (نمل:16) اور سلیمان کو داؤد کی وراثت ملی اور انھوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہمیں ہر (ضرورت کی) چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔	● حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ صرف جانور باتیں کیا کرتے تھے، بلکہ جمادات پتھر، درخت بھی باتیں اور سلام کرتے تھے۔(415)
● حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا	● جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مُردہ زہر آلود بکری نے آپ سے بات کی اور اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ جمادات، پتھر وغیرہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کرتے تھے۔(416)

●ایک ضعیف روایت میں ذکر کیا گیا ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ محمد کو ملکوں ملکوں میں پھراؤ اور سمندر کی تہوں میں لیجاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام ونشان کو پہچان لے، جن وانس، چرند و پرند بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لیجاؤ ان کو

آدم کا خلق	شیث کی معرفت	نوح کی شجاعت	ابراہیم کی دوستی	اسماعیل کی زبان
اسحاق کی رضا	صالح کی فصاحت	لوط کی حکمت	یعقوب کی خوشخبری	موسیٰ کی سختی
ایوب کا صبر	یونس کی اطاعت	یوشع کا جہاد	دواؤد کی آواز	دانیال کی محبت

الیاس کا وقار یحییٰ کی پاکدامنی اور عیسیٰ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔ (417)

مشہور شاعر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا۔

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار

2. جو کسی نبی کے پاس دنیا میں نہ تھا وہ محمد رسول اللہ کے پاس تھا

سوال: وہ کون سے کمالات ہیں جو دنیا میں کسی نبی کے پاس نہیں تھے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے؟

جواب:

(1) عہد و میثاق (2) عمومی رسالت (3) ختم نبوت (4) دائمی معجزہ (قرآن)
(5) جوامع الکلم (6) رعب و نصرت (7) محبوب خالق (8) رحمت عالم
(9) امان عالم (10) خزائن عالم (زمینی خزانے)

(1) عہد و میثاق

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔ (آل عمران:81)

اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا تھا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: تو پھر (ایک دوسرے اقرار کے) گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہ السلام سے اس بات کا میثاق (وعدہ) لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوئے تو ان پر لازم ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد و نصرت کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو یہ بھی حکم فرمایا کہ تمام انبیاء کرام اپنے امتیوں سے بھی اس کا عہد لیں اگر وہ زندہ ہوں، اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوجائیں تو لازمی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں اور ضرور بضرور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد و نصرت کریں۔ **(418)**

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ أَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ إِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيثَ مِنْ يَهُودَ تُعْجِبُنَا أَفَتَرَى أَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا؟ فَقَالَ: أَمُتَهَوِّكُونَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي۔ (419)

ایک مرتبہ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم لوگ یہودیوں سے احادیث سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، کیا آپ ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں بعض کو لکھ لیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم بھی اس طرح حیران ہو جس طرح یہود ونصاریٰ حیران ہیں اور تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ میں تمہارے پاس صاف اور واضح شریعت اور دین لے کر آیا ہوں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ میری ہی اتباع اور پیروی کرتے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بسا اوقات یہودیوں سے احادیث سنتے ہیں کیا ہم ان میں سے کچھ لکھ لیا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم بھی یہود ونصاریٰ کی طرح حیرانگی میں ہو کہ ان کی کتابوں میں تغیر اور تبدل ہو چکا ہے۔ اب وہ احکامات اپنے راہبوں سے لیتے ہیں کیا تم ان کی طرح اپنے دین اور کتاب کے بارے میں حیران ہو کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کو پڑھنا شروع کر دو گے۔ تمہارے پاس اللہ کا دین اور قرآن مجید ہیں تمہیں اور کتابوں کی کیا ضرورت ہے یہود ونصاریٰ نے تو اللہ کی کتاب اور اپنے رسول کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو چھوڑ دیا تھا، اپنی غرض، لالچ، حرص اور دنیاوی مفاد کے لیے اپنے علماء اور راہبوں کے فرمانبردار ہو گئے تھے۔ کیا اے عمر! تم لوگ بھی ایسا ہی کرنا چاہتے ہو حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اس قدر واضح اور روشن ہے کہ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری شریعت کی اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ **(420)**

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے لیے نبی ہیں، لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ اب تمام انبیاء کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اتباع کرے، یہی وجہ ہے کہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام انبیاء علیہ السلام کی امامت کرائی گئی۔ **(421)**

قرآن کریم میں ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ (مائدۃ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا (لہٰذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ اور آپ کی امت مرحومہ کو تین خصوصی انعام عطا فرمانے کی بشارت دی ہے:

1. اکمال دین 2. اتمام نعمت 3. انتخاب دین

خلاصہ یہ ہے کہ اکمال دین کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ دین کے تمام احکام کو مکمل کر دیا گیا، اب نہ اس میں کسی زیادتی کی ضرورت باقی ہے نہ منسوخ ہو کر کمی کا احتمال، کیونکہ اس کے بعد ہی متصل سلسلہ وحی وفات رسول کریم ﷺ کے ساتھ منقطع ہونے والا تھا اور بغیر وحی الٰہی کے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اکمال دین آج ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے انبیاء کا دین ناقص تھا، بلکہ جیسا کہ تفسیر بحر محیط میں بحوالہ قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے کہ دین تو ہر نبی و رسول کا اس کے زمانہ کے اعتبار سے کامل و مکمل تھا۔ یعنی جس زمانہ میں جس پیغمبر پر کوئی شریعت و دین اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا اس زمانہ اور اس قوم کے لحاظ سے وہی کامل و مکمل تھا لیکن اللہ جل شانہ کے علم میں یہ تفصیل پہلے سے تھی کہ جو دین اس زمانہ اور اس قوم کے لیے مکمل ہے وہ اگلے زمانہ اور آنے والی قوموں کے لیے مکمل نہ ہو گا بلکہ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین و شریعت نافذ کی جائے گی۔ بخلاف شریعت اسلام کے جو سب سے آخر میں نازل کی گئی کہ وہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے، نہ وہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی خاص خطہ ملک یا قوم کے ساتھ بلکہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر خطہ اور ہر قوم کے لیے یہ شریعت کامل و مکمل ہے۔ (422)

(2) عمومی رسالت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ (سبا:28)

اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لیے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے اور خبردار بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۔(الانبیاء:107)

اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۔(الاعراف:158)

(اے رسول ان سے) کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا رسول ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۔(الفرقان:1)

بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی کتاب نازل کی، تاکہ وہ دنیا جہان کے لوگوں کو خبردار کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ۔(احقاف:29)

اور (اے پیغمبر) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۔(النساء:79)

(اے پیغمبر) ہم نے تمہیں لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ (اس بات کی) گواہی دینے کے لیے فافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ ۔(النساء:170)

اے لوگو! یہ رسول اتمہارے پاس تمہارے پرودگا کی طرف سے حق لے کر آ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۔(آل عمران:85)

جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۔

(آل عمران:31)

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔(423)

اور تمام انبیاء اپنی اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے لیکن میں تمام انسانوں کے لیے عام طور پر نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ۔(424)

ہر نبی خاص اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔(425)

قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے، اس زمانے کا (یعنی میرے وقت اور میرے بعد قیامت تک) کوئی یہودی یا نصرانی (یا اور کوئی دین والا) میرا حال سنے پھر ایمان نہ لائے اس پر جس کو میں دے کر بھیجا گیا ہوں (یعنی قرآن) تو جہنم میں جائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاری جیسے مُسلّم (تسلیم شدہ) اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمال لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات نہیں پا سکتے تو دوسرے کافروں، مشرکوں (بدمت ہو یا پارسی، ہندو ہو یا کسی اور مذہب کا پیروکار) کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہر حال حدیث کا مفہوم عام ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس دور محمدی میں (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت و رسالت کی دعوت پہنچ جائے، اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے، اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مرجائے، تو وہ دوزخ میں جائے گا، اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد ہر مرد و عورت، انس و جن پر آپ پر ایمان لانا ضروری ہے، اور آپ کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات ممکن نہیں، ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے، یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات

میں سے ہے جس میں شک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔
آج کل لوگ ایمان اور ایمانیات کے جاننے اور اور سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اکثر تو ایسے ہے جو علم دین اور علم دنیا دونوں سے بے بہرہ ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو علوم عصریہ (سائنس، آرٹس وغیرہ) کے پیچھے دوڑ لگاتے ہیں اور ان میں ماہر ہوکر بڑی بڑی نوکریاں بھی حاصل کر لیتے ہیں، لیکن ایمان اور اس کے تقاضوں سے بالکل نابلد ہوتے ہیں، ناواقفوں سے اسلام کی باتیں سنتے ہیں، پھر ان پر اعتراض کرتے ہیں، ایمانیات کو سمجھنے کے لیے ایک گھنٹہ بھی خرچ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو دشمنان دین طرح طرح کی ملحدانہ باتیں سمجھا دیتے ہیں کوئی تو وحدت ادیان کا قائل ہے، یعنی اپنی جہالت سے یہ سمجھتا ہے کہ تمام مذاہب کا مقصود ایک ہی ہے گو راستے الگ الگ ہیں اس لیے ان کے خیال میں جو مذہب بھی اختیار کرلے نجات پا جائے گا۔ (العیاذ باللہ) **(426)**

(3) ختم نبوت/ تکمیل دین

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر نبیاء پر جو ختم نبوت کی خصوصیت عطا فرمائی گئی تھی اس کی وضاحت کریں۔

جواب: اللہ رب العزت نے سلسلہ نبوت کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام کی ذات اقدس فرمائی اور اس کی انتہاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الانبیاء ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔ اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔ **(427)**

سوال: ختم نبوت کا معنیٰ ومطلب بیان کریں۔

جواب: ختم نبوت کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے، اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلتی ہے نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے اور چونکہ یہ مہر کا عمل سب سے آخر میں کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنیٰ انتہاء اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں۔ **(428)**

قرآن مجید میں کئی آیتوں میں یہ معنی مستعمل ہوئے ہیں۔ **(429)**

تمام مفسرینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل واضح ہے۔ مسند احمد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور

ترمذی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

وأنا خاتم النبيين، ولا نبيّ بعدي۔ (430)

بہ تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد نبی نہ ہوگا

لا نبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر وتشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکمیل دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے اس سے بھی خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور اس کی خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں، لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

فأنا تلك اللَّبِنَةُ۔ (تو میں وہی آخری اینٹ ہوں)

فأنا اللَّبِنَةُ وأنا خَاتَم النَّبيِّين۔ (431)

تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں۔

فأنا موضع اللَّبِنَة جئت فختمت الانبياء۔ (432)

تو میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا۔

وأنا في النبيين موضع تلك اللَّبِنَة ۔ (433)

میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اپنے مخصوص فضائل گنوائے ہیں ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد) ترمذی (کتاب السیر الغنیمہ) اور نسائی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وخُتِمَ بِي النبيون۔ (اور انبیاء مجھ سے ختم کیے گئے) (434)

سنن دارمی میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وانا خاتم النبيين ولا فخر۔ (435) (اور پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ خصوصیت تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے روز اول سے مقرر ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انی عند الله لخاتم النبيين وان آدم لمنجدل في طينته۔ (436)

میں اللہ کے ہاں خاتم النبیین تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ نے اہل بیت کی نگرانی کے لیے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا:

أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى۔ (437)

کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیح مسلم (مناقب علی رضی اللہ عنہ) میں یہ الفاظ ہیں

غیر انه لا نبی بعدی۔ (لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)

الا انه لا نبی بعدی (لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) (438)

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) اور صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا

وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ (439) (اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا:

لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔ (440)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔

عربی جاننے والے کو معلوم ہے کہ لو امر محال کے لیے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں الذی لیس بعده نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے: الذی لیس بعدی نبی یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (441)

سوال: ختم نبوت کی اہمیت بیان کریں۔

جواب: ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی جان ہے، ساری شریعت اور سارے دین کا مدار اسی عقیدے پر ہے۔ قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات اور آنحضرت ﷺ کی سینکڑوں احادیث (تقریباً 210) سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور چودہ صدیوں کے مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، علماء اور

صوفیاء کا اس پر اجماع ہے۔
چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ (الاحزاب:40)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

میں آیا پس میں نے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔ **(442)**
مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ **(443)**
رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔ **(444)**
میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ **(445)**
میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ **(446)**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لیے جتنی جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد 259 ہے، **(447)** اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ و دفاع کے لیے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی تعداد بارہ سو ہے (جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے)۔ **(448)**

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے جام شہادت نوش کر گئی۔اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سوال: عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے مسلمانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ وضاحت کریں۔

جواب: مسلمانوں کو قادیانیوں کے ساتھ معاشرتی و مذہبی میل جول شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے قطعاً ناجائز ہے، رابطہ عالم اسلام نے اپریل 1974 کے ایک بڑے اجتماع میں جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا ایک قرارداد منظور کی جس میں اسلامی ممالک اور 144 مسلم آبادیوں کی تنظیموں کے نمائندے شامل تھے جس کی شق 3 یہ ہے کہ: ''مرزائیوں (دونوں گروپ) سے مکمل عدم تعاون اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور ان کے کفر کے پیش نظر

ان سے شادی بیاہ کرنے سے اجتناب کیا جائے اوران کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔''
اس شق کے پیشِ نظر تمام دنیا کے وہ مسلمان جوان دونوں گروپوں کی ضرر رسانی اور ان کے کفر و زندقہ کا بخوبی علم رکھتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ ان کے ساتھ میل جول، اٹھنا، بیٹھنا، خرید و فروخت، ان کی دعوت میں شریک ہونا یا ان کو دعوت پر مدعو کرنا بند کر دیں۔ اگر یہ مر جائیں تو ان کے کفن، دفن، جنازے میں شریک نہ ہوں اور ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں۔

نوٹ: اسلام، عیسائی اور یہودی وغیرہ دیگر غیر مسلموں کو برداشت کرتا ہے سوائے موالات (قلبی دوستی) کے، مواسات (ہمدردی نفع رسانی) مدارات (ظاہری خوش اخلاقی) سماجی تعلقات اور معاملات کی اجازت دیتا ہے۔ عیسائی کافر ہیں مگر ان کا نبی سچا تھا۔ یہودی خود غلط ہیں مگر جن کو وہ نبی مانتے ہیں وہ صادق تھے۔ سچے نبی کے جھوٹے پیروکاروں سے تعلقات ہو سکتے ہیں مگر کذاب و دجال کے پیروکاروں، حضرت محمد ﷺ کے باغیوں اور کفر کو اسلام کا لبادہ پہنا کر دھوکہ دینے والوں سے تعلقات نہیں رکھے جا سکتے۔ **(449)**

(4) دائمی معجزہ (قرآن کریم)

سوال: حضور ﷺ کی چوتھی خصوصیت دائمی معجزہ (قرآن کریم) کی وضاحت بیان کریں۔

جواب: اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	دائمی معجزہ (قرآن کریم)	دیگر انبیاء کے معجزات
1	قرآن دائمی معجزہ ہے: آنحضرت ﷺ کا معجزہ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم و رہنے والا ہے۔ **(450)**	وقتی عارضی معجزے: دیگر انبیاء کرام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے، ہوئے اور ہو کر مٹ گئے۔
2	قرآن کے اثرات دائمی: چونکہ قرآن مجید ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اس لیے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔	اثرات وقت عارضی: چونکہ انبیاء کے معجزے وقتی اور عارضی تھے اس لیے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ وقتی اور عارضی تھا۔ **(451)**

3

قرآن کی حفاظت وبقا کا وعدہ اللہ کی طرف سے : نیز چونکہ قرآن کریم دائمی معجزہ بن کر آیا، اسی لیے وہ ہمیشہ کے لیے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا۔ **(452)** اس کی بقاء اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی اور فرمایا اور کس وثوق سے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ (حجر:9)

(ہم نے اس نصیحت (کی کتاب) کو اتارا اور بے شبہ ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے)

یہ وعدہ الٰہی ایک اور آیت میں ان الفاظ میں دھرایا گیا ہے:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۞ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۞ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۔ (قیامۃ:17-19)

(بیشک ہمارے ذمہ ہے اس (قرآن) کو سمیٹ کر رکھنا اور اس کا پڑھنا، پھر جب پڑھیں تو اس کے پڑھنے کے ساتھ رہ، پھر بے شبہ ہم پر ہے اس کو کھول کر بتانا)

اس آیت میں قرآن کی قراءت یعنی لفظ وعبارت اور بیان یعنی معنی دونوں کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے۔

تیسری آیت میں اس کی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کبھی راہ نہ پائے گی۔ فرمایا:

إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۔ (فصلت:41)

(حالانکہ وہ بڑی عزت والی کتاب ہے جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے یہ اس ذات کی طرف سے اتاری جارہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں)

دیگر کتب کی حفاظت کی ذمہ داری انہی کو سونپی گئی: اللہ نے دیگر کتب سماویہ کو دائمی اور آخری کتابیں بنا کر نہیں بھیجا تھا اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی دائمی حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۔ (المائدۃ:44)

(بیشک ہم نے توراۃ نازل کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی جو اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار تھے، اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور تمام اللہ والے اور علماء بھی (اسی پر عمل کرتے رہے) کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا، اور وہ اس کے گواہ تھے۔)

یعنی اللہ تعالیٰ نے توراۃ کی حفاظت علماء یہود کے ذمہ لگادی تھی اور انہوں نے اس کی حفاظت کا عہد و پیمان کی تھا جس کو پورا نہیں کیا۔ **(453)**

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کوئی کتابِ الٰہی دانستہ اور نادانستہ لفظی تحریفات سے پورے طور پر بری نہیں رہی، لاکھوں پیغمبروں میں سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی ہے وہ فنا ہو کر نئے نئے قالب میں بدلتا رہا، توراۃ جل جل کر خاک ہوئی پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر کی گئی اور ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

	اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حریف کو اپنے دلائل کے زور سے پست کرے گی، باطل نہ اس کے سامنے سے اس میں مل سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یعنی نہ لفظ وعبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی جہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے ہر باطل کے عیب سے پاک رہے گی۔ یہ قرآن کا اپنا وعدہ اور تقریبا ساڑھے چودہ سو برس کی تاریخ اس کی صداقت پر گواہ ہے۔(454)	انجیل میں تحریف و جعل تو اسی زمانہ شروع ہو چکا تھا پھر مترجموں کی کتر بیونت نے حقیقت بالکل مشتبہ کردی ، زردشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا اب صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کھچا رہ گیا ہے۔(455)
4	**قرآن تمام کتب سمایہ کا جامع ہے اور کچھ ان سے زیادہ بھی:** محمد رسول اللہ ﷺ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکل ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے وہ توراۃ بھی ہے زبور بھی ہے اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی۔ حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے توراۃ کی جگہ سَبعَ طِوَال (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مِئِین (تقریبا 100 آیات والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سُوَرِ مُفَصَّلات زیادہ ملی۔(456) ابو نعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے: مجھے مَثانی توارۃ کی جگہ ،مِئِین انجیل کی جگہ ، حَوَامِیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں۔(457) اس لیے قرآن مجید توراۃ، زبور اور انجیل کو جامع ہے۔(458)	**دیگر کتب سماویہ کی یہ شان نہیں** توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے، عقیدہ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائق اخلاق سے یکسر خالی ہے۔ زبور صرف دعاؤں، مناجاتوں اور مخاطبات قلبی کا ذخیرہ ہے ، عقائد میں صرف عقیدہ تقدیر ورضا کی تعلیم ہے ۔ (دیکھیں سفرِ ایوب علیہ السلام) امثال سلیمان صرف مواعظ وحکم ہیں۔ دیگر انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ وندامت ، پیش گوئی ہیں۔مگر دقائقِ حکمت اور اسرارِ ایمان وعمل سے خالی ہیں۔ انجیل کا صحیفہ حضرت مسیح کی سرگزشت اور اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

	اس میں قانون شریعت بھی ہے اور اخلاق وموعظت بھی ، مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی ، خطابت بھی ہے اور استدلال وفکر بھی ، اظہار غیب اور پیشن گوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت واسرار، ایمان وعمل سے معمور بھی اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے ۔(459) اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں، تمام مراسم عبادات ہیں تمام معاملات کے احکام وقوانین ہیں ، اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لیے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں ۔(460)	صرف توراۃ کے اسفار خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں، صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا سرمایہ نہیں، یہاں تک کہ ان کے عقائد وعبادات بھی ان کے صحیفوں کے رہین منت نہیں اور وہ ان کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں ۔(461)
5	**قرآن کریم کے الفاظ/عبارت بھی معجزہ ہے:** قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ ،کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے۔ اس کی فصاحت وبلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں۔ وحی محمدی سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے جس نے اس حیثیت (فصاحت وبلاغت کے اعجاز اور ان کے الفاظ میں جانب اللہ ہونا) سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا، چنانچہ قرآن کریم کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا اور ہر قسم کی تحریف وتغییر سے پاک ہے، اس لیے اس کے الفاظ ،کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی ۔(462)	**دیگر کتب سماویہ کی یہ شان نہیں:** دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہے۔ چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام وعبارت کے لحاظ سے معجزہ کہا ہے۔ چنانچہ اسی لیے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحی موسوی (توراۃ) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا، مدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہوگئی توراۃ کی اصلی عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ کی زبان سے نکلی تھی وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہوگئی اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کرلیا اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عزیر نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا، انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی ؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی

		زبان ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے ملک میں بولتے تھے ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت وبلاغت اور ان کے الفاظ کے من جانب اللہ ہونے کا دعوی کیونکر کیا جا سکتا ہے؟(463)
6	**جوامع الکلم ہے:** قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں ، اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیاء اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کیے ہیں، تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور اس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہوسکا۔	**دیگر کتب سماویہ جوامع الکلم نہیں:** دنیا میں کئی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر ان میں ایک (قرآن مجید) کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں۔
7	**ساری مخلوق کو قرآن کریم کی نظیر لانے کا چیلنج ہے:** قیامت تک ساری دنیا مل کر قرآن مجید کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہے ۔ قرآن مجید آنحضرت ﷺ کا وہ معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدّی (چیلنج) کی ہے اور اعلانِ عام کیا ہے کہ اس کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی پیش گوئی بھی کر دی کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثالیں پیش کرنے سے عاجز رہے گی: **قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا** (اسرائیل:88) (کہہ دو کہ: اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کر لیں۔)	**دیگر کتب کا یہ دعویٰ نہیں ہے۔**

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

سورہ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (ھود:13) (بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وحی اس (پیغمبر) نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے؟ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ: پھر تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنا لاؤ، اور (اس کام میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔)

اس کے بعد کئی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورت کا جواب لانے کا چیلنج کیا گیا ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (بقرۃ:23) (اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اتارا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو۔)

اس کے ہم معنی دوسری آیت سورۃ یونس میں ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (یونس:38) (کیا پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ: پیغمبر نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ کہو کہ: پھر تو تم بھی اس جیسی ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ، اور (اس کام میں مدد لینے کے لیے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر سچے ہو۔)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

	پھر سورۃ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو: أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ۔ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ (طور:34-33) ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ: ان صاحب نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ (ضد میں) ایمان نہیں لا رہے۔ اگر یہ واقعے سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام (گھڑ کر) لے آئیں۔	

(5) جوامع الکلم

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر جوامع الکلم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء کرام کے بالمقابل جو خصوصیات مرحمت فرمائی تھی اس میں سے ایک جوامع الکلم بھی ہے، چنانچہ اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کے لیے جن کلمات کا انتخاب فرماتے تھے اگرچہ وہ بہت تھوڑے ہوتے تھے مگر اپنے اندر بہت سے معانی رکھتے تھے (بہت سے معانی موجزن ہوتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الفاظ کی کنجیاں عطا کی گئی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فصاحت و بلاغت کو آسان کر دیا گیا تھا اور معانی کی گہرائی تک پہنچ کو سہل کر دیا گیا۔

(بدائع الحکم) احکامات کی وضاحتوں اور الفاظ و عبارات کے حسن کو ایسا کھول دیا گیا کہ یہ دروازے آپ کے علاوہ کسی اور پر نہیں کھولے اور نہ ہی کسی کو وہاں تک دسترس دی گئی۔ حضرت عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور مختصر کیا گیا آپ کے لیے بات کو اور فوقیت دی گئی آپ کو عرب پر فصاحت و بلاغت میں۔ **(464)**

اور احادیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیت کو ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> مجھے دیگر انبیاء پر سات چیزوں کے ذریعہ فضیلت عطا کی گئی مجھے (1) جوامع الکلم عطا کیے گئے (2) اور میری مدد کی گئی رعب کے ذریعہ (3) اور حلال کیا گیا میرے لیے غنیمت کو (4) اور بنا دی گئی میرے لیے تمام زمین پاک (5) اور نماز کی جگہ (6) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا (7) اور مجھے پر نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ **(465)**

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مجھے) الفاظ (کلم) کا حصول اس کا درست چناؤ (کہ وہ ادائیگی میں مختصر اور معانی کے بیان میں کثیر ہو) اور اس کی بہتر ادائیگی کی دولت عطا کی گئی ہیں۔ **(466)**

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر۔ **(467)**

میں تم میں فصیح تر ہوں، قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔

بنو سعد قبیلہ بنو ہوازن کی ایک شاخ ہے۔ عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا، تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ قریش اور بنو ہوازن، قریش خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہ تھا اور بنو ہوازن کے قبیلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرورش پائی تھی۔ **(468)**

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم کی جو خصوصیت عطا کی گئی اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ جوامع الکلم جو قرآن کریم میں مذکور ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (نحل: 90)

بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (ان کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

دوسری قسم: وہ جوامع الکلم جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں موجود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول بہت ساری روایات میں پھیلا ہوا ہے۔

جن میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک یہ قول ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَىٰ **(469)**

اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متعلق فرمایا:

یہ حدیث علم کے ایک تہائی حصہ پر مشتمل ہے اور اس میں علم الفقہ کے 70 ابواب شامل ہیں۔ **(470)**

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی کلام اور آپ کی فصاحت اور آپ کی بات کی جامعیت (جوامع الکلم) اور آپ کے ماثورہ کی حکمت پر لوگوں نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہے اور ان کتب میں آپ کے الفاظ اور ان کے معانی کو بیان کیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ فصاحت و بلاغت میں کوئی ان کا مقابل نہیں اور اس میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(جو کہ سچے ہیں اور جن کی سچائی کی تصدیق کی گئی) کے بہت سارے اقوال کی مثالیں دی گئی ہیں۔

ان میں سے ایک قول یہ ہے:

اتَّقِ اللهِ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (471)

جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے بعد بھلائی کروتا کہ وہ اسے مٹا دے اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

دوسرا قول یہ ہے:

الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ۔ (472)

دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کس چیز کی؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے ائمہ کی اور تمام مسلمانوں کی۔

ان مثالوں کے علاوہ اور بہت سی روایات جو بہت سے لوگوں سے منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف مقامات، بیانات، خطبات، دعاؤں مخاطبات اور معاہدے ایسے ہیں کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ خاص مرتبہ پر نازل ہوئے کہ کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی اس پر قادر ہے۔ (473)

(6) رعب ونصرت

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر رعب ونصرت کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے ہیں یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگا تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام، مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آغاز گو ایوبی بیچارگی اور مسیحی غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت اور داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان وشکوت پر ہوا اور سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر طاقت، قوت، رعب وہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا، بھولوں نے یاد کیا، سننے والوں نے آواز سنی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستہ سے نکل جاتے گناہ گار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مجھے فتح ونصرت، رعب وہیبت کے ذریعہ بخشی گئی، یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک کام کرتی ہیں۔ **(474)**

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خدادادمرعوبیت چھاجاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لیے عطا ہوا تاکہ مزید خون ریزی کے بغیر ملک میں امن وامان اور سکون و اطمینان پیدا ہوجائے اور صدائے حق کے لیے راستہ صاف ہو، قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا:

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (انفال:12)

عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ۔ (الاحزاب:26)

اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی کانپ کر رہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سن کر دم بخود ہوجاتے تھے، مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمان روائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا، جب انہوں نے سرتابی کی، بغیر لڑے بھڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی، خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعتاً کوکبۂ اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ محمد کا لشکر، ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگاتا رہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھاتے رہے تھے اور رنگ برنگ کے عَلَمْ نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہر نئے دستہ اور ہر نئے عَلَمْ کو دیکھ کر کانپ جاتا تھا، بایں ہمہ اس مجسمۂ ہیبت کا حال کیا تھا، ناآشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا، بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (فتح:29)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔

ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرۂ مبارک پر نظر پڑی، کانپ گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ڈرو نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ (475)

حضرت مخرمہ صحابی نے اپنے ایک بیٹے سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زنانہ خانہ میں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دو ہچکچانے لگے، باپ نے کہا جان پدر! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبار نہیں۔ (476)

یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب، تیغ وسنان کی چمک، فوج وعسکر کے تلاطم، جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ:

ہیبت حق است این از خلق نیست
ہیبت این مرد صاحب دلق نیست (رومی) (477)

(7) محبوبِ خالقِ عالم (اللہ تعالیٰ کی خصوصی محبوبیت)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر محبوبیت کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ قَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ اللهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا وَقَالَ آخَرُ: مُوسَى كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِيمًا وَقَالَ آخَرُ: فَعِيسَى كَلِمَةُ اللهِ وروحه. وَقَالَ آخَرُ: آدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللهِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذَلِكَ أَلَا وَأَنَا حَبِيبُ اللهِ وَلَا فَخْرَ (478)۔

چند صحابہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انتظار میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے اور جب ان کے قریب پہنچے تو ان کی باتیں سنیں۔ کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنالیا۔ دوسرا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا اس سے بھی تعجب خیز ہے۔ تیسرے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں۔ اور "کن" سے پیدا ہوئے ہیں۔ چوتھا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور سلام کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کی باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سن لیا ہے۔ بے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں وہ اسی طرح ہیں سنو میں اللہ کا حبیب ہوں مگر اس پر فخر نہیں ہے۔

حبیب اور خلیل میں فرق: حبیب وخلیل میں فرق یہ ہے کہ خلیل مطلق دوست کو کہتے ہیں جبکہ حبیب وہ دوست جو محبوبیت کے مقام کو پہنچا ہوا ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حبیب اس دوست کو کہتے ہیں جس کی دوستی میں غرض نہ ہو۔ خلیل وہ دوست جس کی دوستی اپنی حاجت وضرورت کے لیے ہو۔(479)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی خصوصی عنایات تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں، وہ عنایات جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کا معاف کرنا، قرآن کریم میں جہاں آپ کا تذکرہ کرنا مقصود ہو وہاں نام لینے کے بجائے آپ کے اوصاف کا ذکر کرنا، آپ کی زندگی کی قسم کھانا، واقعہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سے قریب تر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کی مزید تفصیلات ذیل میں ملاحظہ ہو۔

- **اگلے پچھلے گناہوں کی معافی:**

عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں آپ کو مغفرت کی بشارت دیدی تھی، اس سے پہلے کسی نبی کی بارے میں اس طرح کی کوئی بشارت منقول نہیں ہے، اور ظاہر بات بھی یہی ہے کہ دیگر انبیاء کو مغفرت کی بشارت دنیا میں نہیں دی گئی تھی، اسی لیے محشر کے دن ہر نبی نفسی نفسی کہیں گے۔(480)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ‎﴿﴾‏ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۔(الفتح:1-2)

(اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کردی ہے۔ تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> یہ رسول اللہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے جس میں کوئی اور نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نہیں اور کسی صحیح روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے اگلے پچھلے گناہوں کا معاف ہونا ثابت نہیں ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت بڑی خصوصیت اور مرتبہ ہے۔(481)

یہ مضمون کئی احادیث سے ثابت ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے محشر میں شفاعت والی حدیث میں مروی ہے:

فيأتون عيسى، فيقول: لست هناكم ولكن ائتوا محمدا عبدا غفر له ما

تقدّم من ذنبه وما تأخّر ۔(482)

سب (شفاعت کے لیے) عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں تم سب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ کہ اللہ نے ان کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أنّ النّبیّ ﷺ کان یقوم من اللّیل حتّی تتفطّر قدماه، فقالت عائشة: لم تصنع هذا یا رسول الله وقد غفر الله لك ما تقدّم من ذنبك وما تأخّر؟ قال: أفلا أحبّ أن أکون عبدا شکورا. فلمّا کثر لحمه صلّی جالسا، فإذا أراد أن یرکع قام فقرأ ثمّ رکع.(483)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کو اس قدر کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں پھٹ جاتے تھے حضرت عائشہ (رض) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں آپ نے فرمایا کیا مجھے پسند نہیں میں شکرگزار بندہ بنوں پھر جب آپ کے جسم میں گوشت زیادہ ہوگیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیٹھ کر نماز پڑھتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوکر کچھ قرأت کرتے پھر رکوع کرتے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فضّلت علی الأنبیاء بستّ لم یعطهنّ أحد کان قبلی: غفر لی ما تقدّم من ذنبی وما تأخّر، وأحلّت لی الغنائم، وجعلت أمّتی خیر الأمم، وجعلت لی الأرض مسجدا وطهورا، وأعطیت الکوثر، ونصرت بالرّعب، والّذی نفسی بیده إنّ صاحبکم لصاحب لواء الحمد یوم القیامة تحته آدم فمن دونه.(484)

مجھے تمام انبیاء پر ایسی چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھی۔ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے، اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، میری امت دیگر امتوں کے مقابلہ میں بہترین امت بنایا، اور پوری زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ، مجھے حوض کوثر عطا کیا جائے گا، اور رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی، قسم ہے اس ذات جس کے قبضے میری جان ہے آپ کا ساتھی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوگا جس جھنڈے کے نیچے آدم اور دیگر سب انبیاء ہوں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت ہے، جس میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وغفر لی ما تقدّم من ذنبی وما تأخّر وأنا أمشی حیّا صحیحا(485)

اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جبکہ میں زندہ صحیح سالم اور چلتا پھرتا ہوں۔

● **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیا:**

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خصوصیت یہ بھی عطا فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامِ نامی کو قیامت تک اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیا۔ چنانچہ کلمہ طیبہ ہو یا پنج وقتہ اذان واقامت، قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں اللہ تعالیٰ کے نام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی نامِ نامی آئے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے) کی تفسیر میں فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل نے کہا: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب بھی میرا تذکرہ ہوگا آپ کا تذکرہ بھی ساتھ ہوگا۔ **(486)**

قرآن کریم میں ہے:

> بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔(توبۃ:1)
>
> (مسلمانو) یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے ان تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔(انفال:13)
>
> یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے، تو یقینا اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔(آل عمران:32)
>
> کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۔(توبۃ:63)
>
> کیا انھیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لے تو یہ بات طے ہے کہ اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟ یہ بڑی بھاری رسوائی ہے۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

- **بجائے نام کے القاب سے خطاب:**

کسی کو نام سے مخاطب کرنے میں وہ بات نہیں ہوتی جو صفات کے ساتھ خطاب میں ہوتی ہے، صفات کے ساتھ خطاب میں ایک محبت، مخاطب کی اہمیت مدنظر ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کو جب خطاب ہوا تو ناموں کے ساتھ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب خطاب ہو تو خصوصی محبت کا اظہار ہوا اور نام کے بجائے صفات سے خطاب ہوا سوائے ان چار پانچ جگہوں کے جہاں نام کی صراحت ضروری تھی۔ **(487)**

عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ جب آقا اپنے کسی غلام کو اس کے کسی خاص صفت یا کسی خاص عادت سے پکارے اور دوسرے غلاموں کے ان کے نام کے ساتھ پکارے ان کو کسی صفت یا کسی اچھی عادت سے نہ پکارے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس کو خاص صفت یا عادت سے پکارا ہے وہ دوسرے غلاموں کی بنسبت اپنے آقا کو زیادہ محبوب ہے اور زیادہ عزت والا ہے۔ اور یہ بات مشہور بھی ہے کہ جب کسی کو اس کی کسی خاص صفت کے ساتھ پکارا جائے تو یہ اس کی تعظیم اور عزت کی علامت ہوتی ہے۔ **(488)**

انبیاء کرام سے جب خطاب فرمایا تو یوں فرمایا:

1. حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

یا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ.(البقرة:35)(آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔)

يَآدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۔(البقرة:33)(آدم تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو)

2. حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

يا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلامٍ وبركتٍ.(هود:48)

اے نوح اب (کشتی سے) اتر جاؤ، ہماری طرف سے وہ سلامتی اور برکتیں لے کر۔۔۔

يٰنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۔(هود:46)

اے نوح! یقین جانو وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے

3. حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

يا إِبْراهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيا.(الصافات:104-105)

اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔

يَآإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔(هود:76) (ابراہیم! اس بات کو جانے دو)

4. حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

يا مُوسى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ.(الأعراف:144)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

اے موسیٰ! میں نے تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔

5. حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ. (المائدة:110)

اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا تھا۔

يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ (مائدة:116)

اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟

6. حضرت داوٗد علیہ السلام سے فرمایا:

يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔ (ص:26)

اے داوٗد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

7. حضرت زکریا علیہ السلام سے فرمایا:

يَازَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى (مریم:7)

(آواز آئی کہ) اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا۔

8. حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فرمایا:

يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (مریم:12)

اے یحیٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جب خطاب فرمایا تو نام سے نہیں ان القابات اور صفات کے ساتھ مخاطب کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (مزمل:1) اے چادر میں لپٹنے والے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (مدثر:1) اے کپڑے میں لپٹنے والے

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ. (المائدة:41)

اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھارہے ہیں وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ. (المائدة:67)

اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھارہے ہیں وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. (الأنفال:64)

اے نبی! تمہارے لیے تو بس اللہ اور وہ مومن لوگ کافی ہیں جنھوں نے تمہاری پیروی کی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (انفال:65)

اے نبی! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (انفال:70)

اے نبی! تم لوگوں کے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں (اور جنھوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) ان سے کہہ دو کہ: اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھے گا جو مال تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دیدے گا اور تمہاری بخشش کردے گا۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبة:73)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور ان پر سختی کرو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ (الاحزاب:1)

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (الاحزاب:28)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (الاحزاب:45)

اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ (الاحزاب:50)

اے نبی! ہم نے تمہارے لیے وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کو تم نے ان کا مہر ادا کردیا ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ۔ (الاحزاب:59)

اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا۔ (الممتحنة:12)

اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق:1)

اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ۔ (التحریم:1)

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ ۔(التحریم:9)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نام لیکر مخاطب کیا ہے وہاں نام کے ساتھ ساتھ رسالت کا بھی ذکر کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَما مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران:144) (اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں) مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ. (الفتح:29) (محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں) وَآمَنُوا بِما نُزِّلَ عَلى مُحَمَّدٍ. (محمد:2) (اور ہر اس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے)

اور جب آپ ﷺ کا تذکرا اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کے ساتھ کیا تو وہاں حضرت ابرہیم علیہ السلام کا نام لیکر ذکر کیا اور آپ ﷺ کا ذکر لقب کے ساتھ کیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْراهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهذَا النَّبِيُّ. (آل عمران:68) (ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخر الزماں ﷺ)(489)

● اللہ تعالیٰ کا خود جواب دینا:

جب دیگر انبیاء کرامؑ پر اعتراض کیے گئے تو انہوں نے خود جواب دیئے لیکن جب محمد ﷺ پر اعتراضات کیے تو اللہ تعالیٰ خود وکیل صفائی بن گئے۔(490)

1. حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے اعتراض کیا:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔(اعراف:66)

ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، کہنے لگے: ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم بے وقوفی میں مبتلا ہو، اور بیشک ہمارا گمان یہ ہے کہ تم ایک جھوٹے آدمی ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے خود جواب دیا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔(اعراف:67)

ہود نے کہا: اے میری قوم! مجھے کوئی بے وقوفی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

2. فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا:

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۔(اسرائیل:101)

فرعون نے ان سے کہا کہ: اے موسیٰ! تمہارے بارے میں میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود فرعون کو جواب دیا:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَآئِرَ وَإِنِّيْ لَأَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۔(اسراء:102)

موسیٰ نے کہا: تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ ساری نشانیاں کسی اور نے نہیں، آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے بصیرت پیدا کرنے کے لیے نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! تمہارے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ تمہاری بربادی آنے والی ہے۔

لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوگوں نے اعتراض کیا اور مجنون ہونے کا الزام لگایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے خود جوابات دیئے:

1. کفار نے اعتراض کیا:

وَقَالُوْا يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۔ لَوْمَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔(حجر:6-7)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اتارا گیا ہے! تم یقینی طور پر مجنون ہو۔ اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا:

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا إِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۔(حجر:8)

ہم فرشتوں کو اتارتے ہیں تو برحق فیصلہ دے کر اتارتے ہیں، اور ایسا ہوتا تو ان کو مہلت بھی نہ ملتی۔

2. کفار نے جب یہ اعتراض کیا:

أَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۔(طور:30)

بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ: یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم زمانے کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جواب دیا:

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَإِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۔(طور:31)

کہہ دو کہ: کرلو انتظار، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

3. جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مجنون ہونے کا الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ مَآ أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ

المیسر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم: 1-4)

(اے پیغمبر) قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں۔ اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں ہو۔ اور یقین جانو تمہارے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔

وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (قلم: 52-51)

جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے جب وہ نصیحت کی یہ بات سنتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنی (تیز تیز) آنکھوں سے تمہیں ڈگمگا دیں گے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔ حالانکہ یہ تو دنیا جہاں کے لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہی نصیحت ہے۔

4. جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفار نے الزام لگایا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کسی انسان سے سیکھا ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۔

اور (اے پیغمبر) ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ (تمہارے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: ان کو تو ایک انسان سکھاتا پڑھاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۔ (نحل: 103)

(حالانکہ) جس شخص کا یہ حوالہ دے رہے ہیں اس کی زبان عجمی ہے۔ اور یہ (قرآن کی زبان) صاف عربی زبان ہے۔

- **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم کھانا:**

حضرت عز بن عبد السلام فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک کی قسم کھائی (جیسا کہ آیت میں گزر گیا) اور کسی کی زندگی کی قسم کھانا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس کی قسم کھائی جارہی ہے وہ قسم کھانے والے نزدیک بہت عزت اور مرتبہ والے ہیں۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اس قابل ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے اس لیے کہ اس میں برکات ہیں اور خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہے۔ (491)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوقات پیدا کی ہے اور زمین میں پھیلائی ہے ان سب میں اللہ تعالیٰ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی جان سب سے زیادہ محبوب ہے، اور میں نے آج تک نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور زندگی کی قسم کھائی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَعَمۡرُكَ إِنَّهُمۡ لَفِي سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُونَ**۔ (الحجر: 72) یعنی آپ کی زندگی اور آپ کی عمر اور آپ کا دنیا میں باقی رہنا۔ **(492)**

• معراج کی خصوصیت:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دیگر انبیاء پر خصوصیات حاصل ہے ان میں ایک خصوصیت واقعہ اسرء اور معراج بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانی بدن اور روح کے ساتھ بیداری کی حالت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ رات کو لے جایا گیا، پھر وہاں سے آپ کو آسمانوں سے آگے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا پھر اس سے بھی آگے جہاں اللہ نے لے جانا چاہا وہاں لے جایا گیا، پھر اسی رات میں واپس مکہ مکرمہ لائے گئے۔

اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سے کرامات سے نوازا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا، نمازوں کا تحفہ ملنا، انبیاء کرام کی امامت کرانا بیت المقدس میں، ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب انبیاء کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب اور محبوب ہیں۔ **(493)**

قرآن کریم میں ہے:

سُبۡحَانَ الَّذِي أَسۡرَى بِعَبۡدِهِ لَيۡلًا مِنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ إِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡأَقۡصَى الَّذِي بَارَكۡنَا حَوۡلَهُ لِنُرِيَهُ مِنۡ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الۡبَصِيرُ۔ (الإسراء: 1)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوَى، إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٌ يُوحَى، عَلَّمَهُ شَدِيدُ الۡقُوَى، ذُو مِرَّةٍ فَاسۡتَوَى وَهُوَ بِالۡأُفُقِ الۡأَعۡلَى، ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى، فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ أَوۡ أَدۡنَى، فَأَوۡحَى إِلَى عَبۡدِهِ مَا أَوۡحَى، مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَأَى، أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى، وَلَقَدۡ رَآهُ نَزۡلَةً أُخۡرَى، عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهَى، عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَأۡوَى، إِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشَى، مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغَى، لَقَدۡ رَأَى مِنۡ آيَاتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرَى۔ (النجم: 3-18)

اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ انھیں ایک ایسے مضبوط طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔ جو قوت کا حامل ہے، چنانچہ وہ سامنے آ گیا۔ جبکہ وہ بلند افق پر تھا۔ پھر وہ قریب آیا، اور جھک پڑا۔ یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر آ گیا، بلکہ اس

سے بھی زیادہ نزدیک اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔ جو کچھ انھوں نے دیکھا، دل نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی۔ کیا پھر بھی تم ان سے اس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے۔ اس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہی ہے۔ اسی کے پاس جنت الماوی ہے۔ اس وقت اس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ (پیغمبر کی) آنکھ نہ تو چکرائی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔

واقعہ معراج کی تفصیلی روایت کے لیے دیکھیں (بخاری، رقم: 3887، مسلم، رقم: 164)

(8) رحمتِ عالم

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر رحمت عالم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے لیے بھی رحمت ہیں کافروں کے لیے بھی، انسانوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور جنات کے لیے بھی، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہربان اور رحیم بنایا خاص مومنین کے لیے، پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے فائدہ اٹھالیا اور آپ کے قریب ہو گیا وہ دنیا میں بھی کامیاب ہو گیا اور آخرت میں بھی اور جس نے انکار کیا وہ دنیا و آخرت میں ناکام ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ. (الأنبياء:107)

اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہاں کے لوگوں کے لیے رحمت تھے، جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں بھی رحمت کا ذریعہ بنے اور آخرت میں بھی بنے، اور جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کی ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں رحمت کا ذریعہ بنے وہ اس طرح کہ ان کو پچھلی امتوں کی طرح مسخ نہیں کیا جائے گا اور ان پر پتھر نہیں برسائے جائیں گے (یا عمومی عذاب الٰہی نہیں آئے گا جیسے پہلے امتوں میں عمومی عذاب الٰہی آیا کرتے تھے۔) **(494)**

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قيل: يا رسول الله ﷺ ادع الله على المشركين. قال: إنّي لم أبعث لعّانا وإنّما بعثت رحمة. (495)

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول مشرکوں کے خلاف بددعا فرمائیں آپ نے فرمایا مجھے

لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يا أيها النّاس إنّما أنا رحمة مهداة.(496)

اے لوگو! میں تو بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان رسول الله ﷺ يسمّي لنا نفسه أسماء، فقال: أنا محمّد، وأحمد، والمقفّي والحاشر، ونبيّ التّوبة، ونبيّ الرّحمة.(497)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے اپنے کئی نام بیان فرمائے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں محمد اور احمد اور مُقفِّي اور حاشر، نبی التوبہ اور نبی الرحمت ہوں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أيّما رجل من أمّتي سببته سبّة أو لعنته لعنة في غضبي فإنّما أنا من ولد آدم أغضب كما يغضبون وإنّما بعثني رحمة للعالمين فأجعلها عليهم صلاة يوم القيامة.(498)

میری امت کا کوئی بھی شخص جسے میں نے برا بھلا کہا ہو یا اسے لعنت کی ہو اپنے غصہ کی حالت میں بیشک آدم کی اولاد میں سے ہی ہوں اور جیسا کہ دوسرے لوگ غصہ کا شکار ہوتے ہیں میں بھی غصہ کا شکار ہوتا ہوں اور بیشک مجھے تو رحمۃ اللعالمین بنا کر ہی بھیجا ہے پس (اے اللہ) آپ میرے اس برا بھلا کہنے کو ان کے لیے رحمت بنا دیں قیامت کے دن۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے لیے خاص رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ. (التوبة:128)

(لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (التوبة:61)

اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دکھ پہنچاتے ہیں اور (ان کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: وہ تو سراپا کان ہیں۔ کہہ دو کہ: وہ کان ہیں اس چیز کے لیے جو تمہارے لیے بھلائی ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) ایمان لے آئے ہیں، ان کے لیے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔

(9) امانِ عالم

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر امانِ عالم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے عمومی عذاب الٰہی سے امن اور حفاظت کا ذریعہ بنایا تھا، جیسا کہ پچھلی امتوں میں انبیاء کی موجودگی میں ان کی امتوں پر عمومی عذاب الٰہی آ گیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے لیے ان عذاب سے حفاظت کا ذریعہ تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ان فتنوں اور اختلافات، لڑائی جھگڑوں سے بھی حفاظت کا ذریعہ تھا جو آپ کے وصال کے بعد امت پیدا ہونے والی تھی جس کی پیشن گوئی بھی کی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دو امان دیے ہیں جب تک وہ دو امان ہوں گے اس کے ذریعہ وہ ہمیشہ کے لیے عمومی عذاب سے محفوظ اور مامون رہیں گے۔
>
> ان میں سے ایک امان (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ نے اٹھا لیا اور دوسرا امان ابھی تک باقی ہے۔ **(499)**

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔

(انفال:33)

> اور (اے پیغمبر) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو، اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے فرماتے ہیں:

صلّينا المغرب مع رسول الله ﷺ ثمّ قلنا: لو جلسنا حتّى نصلّي معه العشاء. قال: فجلسنا فخرج علينا فقال: ما زلتم ههنا؟ قلنا: يا رسول الله! صلّينا معك المغرب، ثمّ قلنا نجلس حتّى نصلّي معك العشاء. قال: أحسنتم أو أصبتم . قال فرفع رأسه إلى السّماء وكان كثيرا ما يرفع رأسه إلى السّماء

فقال: النّجوم أمنة للسّماء فإذا ذهبت النّجوم أتى السّماء ما توعد. وأنا أمنة لأصحابى فإذا ذهبت أتى أصحابى ما يوعدون، وأصحابى أمنة لأمّتى فإذا ذهب أصحابى أتى أمّتى ما يوعدون. (500)

ہم نے مغرب کی نماز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ پڑھی پھر ہم نے کہا کہ اگر ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم بیٹھے رہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کیا تم یہیں ہو؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے سوچا کہ ہم بیٹھے رہیں یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم نے اچھا کیا یا آپ نے فرمایا تم نے درست کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ بہت کثرت سے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ستارے آسمان کے لیے امان ہیں جب ستاروں کا نکلنا بند ہو جائے گا تو پھر آسمان پر وہی آ جائے گا جس کا وعدہ کیا گیا (یعنی قیامت)۔ تو میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں پھر جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ فتنے آئیں گے جن سے ڈرایا گیا ہے اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) میری امت کے لیے امان ہیں تو جب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) چلے جائیں گے تو ان پر وہ فتنے آن پڑیں گے کہ جن سے ڈرایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نماز کسوف والی روایت میں مروی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ربّ ألم تعدنى أن لا تعذّبهم وأنا فيهم؟ ألم تعدنى أن لا تعذّبهم وهم يستغفرون؟ (501)

اے میرے رب کیا آپ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ آپ ان کو عذاب نہیں دیں گے جب تک میں ان کے درمیان میں ہوں؟ کیا آپ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے آپ ان کو عذاب نہیں دیں گے۔

(10) خزائنِ عالم (زمینی خزانے)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر خزائن عالم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر اور خصوصیات کے ساتھ یہ خصوصیت بھی عطاء کی تھی کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تھی۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعثت بجوامع الكلم، ونصرت بالرّعب، فبينا أنا نائم أوتيت مفاتيح خزائن

الأرض فوضعت فی یدی . قال أبو هريرة: وقد ذهب رسول الله ﷺ وأنتم تنتثلونها ۔(502)

میں جَوَامِعِ الْكَلِمِ کے ساتھ مبعوث کیا گیا، رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی، خواب میں زمین کے خزانوں کی چابیاں لاکر میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں، حضرت ابو ہریرۃ (رض) کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو دنیا سے تشریف لے گئے اور تم وہ خزانے نکال رہے ہو۔

ایک اور روایت میں ہے:

بينما أنا نائم إذ أوتيت خزائن الأرض فوضع فی یدی سواران من ذهب فكبرا عليّ وأهمّانی، فأوحی إليّ أن أنفخهما فنفختهما فطارا، فأوّلتهما الكذّابين اللّذين أنا بينهما: صاحب صنعاء وصاحب اليمامة ۔(503)

میں ایک دن سو رہا تھا کہ مجھے دنیا کے تمام خزانے دے دیئے گئے، پھر میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے، جو مجھ پر شاق گزرے، تو مجھے وحی کی گئی کہ ان پر پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ غائب ہو گئے تو میں نے اس کی تعبیر ان دو کذابوں سے کی، جن کے درمیان میں ہوں، یعنی صنعاء والا (عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنّ النبیّ ﷺ خرج يوما فصلّى على أهل أحد صلاته على الميّت، ثمّ انصرف على المنبر فقال إنّی فرط لكم، وأنا شهيد عليكم، وإنّی والله لأنظر إلى حوضی الآن، وإنّی أعطيت مفاتيح خزائن الأرض أو مفاتيح الأرض وإنّی والله ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدی، ولكن أخاف عليكم أن تنافسوا فيها ۔(504)

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک دن نکلے تو احد والوں پر نماز پڑھی، جس طرح مردوں پر پڑھی جاتی ہے، پھر منبر کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ میں آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں، واللہ میں اپنے حوض کی طرف ابھی دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانے کی کنجیاں دیا گیا ہوں یا یہ فرمایا کہ زمین کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں اور واللہ مجھے اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے۔

3. جو کسی نبی کے پاس آخرت میں نہ ہوگا وہ محمد رسول اللہ کے پاس ہوگا

سوال: وہ کون سے کمالات ہیں جو آخرت میں کسی نبی کے پاس نہیں ہوں گے وہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوں گے؟

جواب:

(1) مقامِ وسیلۃ وفضیلۃ (2) مقامِ محمود وشفاعتِ عظمیٰ (3) مقامِ اولیت

(1) وسیلۃ وفضیلۃ

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وسیلہ جنت میں ایک بہت بڑا رتبہ درجہ اور مرتبہ ہے یعنی عرش کے سب سے زیادہ قریب ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر۔ (505)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا سمعتم المؤذّن فقولوا مثل ما يقول. ثمّ صلّوا عليّ، فإنّه من صلّى عليّ صلاة صلّى الله عليه بها عشرا، ثمّ سلوا الله لي الوسيلة، فإنّها منزلة في الجنّة لا تنبغي إلّا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو. فمن سأل لي الوسيلة حلّت له الشّفاعة۔ (506)

جب تم موذن سے اذان سنو تو جیسے وہ کہتا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو کیونکہ وہ جنت کا ایک درجہ ہے اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا جو اللہ سے میرے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ الله رفعني يوم القيامة في أعلى غرفة من جنّات النّعيم ليس فوقي إلّا حملة العرش. (507)

بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے جنت کے سب سے اوپر بالا خانہ میں جگہ دے گا، میرے اوپر اور کوئی نہیں ہوگا، سوئے عرش اٹھانے والے فرشتے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

فضیلۃ ایک اضافی مرتبہ اور درجہ ہے جنت میں جو جنت کے باقی سب درجات سے الگ ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے فضیلۃ وہی وسیلہ والا مقام اور مرتبہ ہو۔ (508)

حاصل یہ ہے کہ مقام وسیلہ اور فضیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے اس مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی شریک نہیں ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قال حين يسمع النّداء: اللهمّ ربّ هذه الدّعوة التّامّة والصّلاة القائمة آت محمّدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الّذى وعدته. حلّت له شفاعتي يوم القيامة.(509)

جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الوسيلة درجة عند الله، ليس فوقها درجة، فسلوا الله أن يؤتيني الوسيلة.(510)

وسیلہ اللہ کے ہاں ایک مرتبہ ہے اس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں، تم اللہ سے سوال کرو کہ اللہ وہ مجھے عطا کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سلوا الله لى الوسيلة، فإنّه لا يسألها لى عبد فى الدّنيا، إلّا كنت له شهيدا أو شفيعا يوم القيامة.(511)

اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ مانگ لیا کرو، اس لیے کہ جو بندہ اس کو مانگتا ہے میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ ہوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

(2) مقامِ محمود و شفاعتِ عظمیٰ

مقام محمود وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہوگا اور سب اس کی ثنا خواں اور شکر گزار ہوں گے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال و احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے۔ حتی کہ حضرت نوح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے تو اس وقت سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اَنا لھا انا لَھَا کہہ کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور شفاعت کریں گے اور اس کے بعد گنہگاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا۔ پس یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:

عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۔ (بنی اسرائیل:79)

امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا فرما دے(512)

حدیث میں آتا ہے:

اللہ تعالیٰ مومنوں کو قیامت کے دن اسی طرح جمع کرے گا، لوگ کہیں گے کاش ہم اپنے پروردگار کی خدمت میں شفاعت پیش کریں تا کہ ہمیں اس جگہ سے نکال کر آرام دے۔

چنانچہ آدم (علیہ السلام) کی خدمت میں آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدم (علیہ السلام) کیا آپ لوگوں کی حالت نہیں دیکھ رہے ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے ہمارے لیے ہمارے رب کے پاس سفارش کیجئے تا کہ ہمیں اس موجودہ حالات سے نجات ملے، وہ کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں اور ان کے سامنے اپنی غلطی بیان کریں گے، جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے، بلکہ تم لوگ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ نے زمین والوں کے پاس بھیجا ہے۔

چنانچہ وہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں اور وہ اپنی غلطی یاد کر کے کہیں گے کہ تم اللہ کے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔

وہ لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور ان کے سامنے اپنی غلطی بیان کریں گے اور کہیں گے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ، اللہ نے ان کو توراۃ دی اور ان سے ہم کلام ہوا لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں اور وہ اپنی غلطی کا تذکرہ کریں گے کہیں گے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

تو لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے گناہ بخشے جا چکے ہیں۔

لوگ میرے پاس آئیں گے میں چلوں گا اور اپنے رب سے حاضری کی اجازت چاہوں گا، مجھے حاضری کی اجازت دی جائے گی جب میں اپنے پروردگار کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ اس طرح مجھے چھوڑ دے گا جس قدر مجھے چھوڑنا چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے گا اے محمد سر اٹھاؤ اور کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا اور سفارش کرو قبول کی جائے گی، میں اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہوگی پھر سفارش کروں گا اور اللہ میرے لیے ایک حد مقرر فرمائے گا تو میں ان کو جنت میں داخل کراؤں گا، پھر واپس ہوں گا اور اپنے رب کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑوں گا اللہ مجھے اسی طرح چھوڑ دے گا جس قدر وہ چاہے گا پھر کہا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا مانگو دیا جائے گا اور سفارش کرو منظور ہوگی، پھر واپس ہو کر عرض کروں گا اے رب! دوزخ میں وہی رہ گئے جن کو قرآن نے روک رکھا ہے اور ان پر ہمیشگی واجب ہوگئی ہے، نبی (ﷺ) نے فرمایا دوزخ سے وہ شخص نکل جائے گا جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو اور اس کے قلب میں ایک جو برابر ایمان ہوگا، پھر وہ شخص دوزخ سے نکل جائے گا، جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

کہا اور اس کے دل میں گیہوں برابر ایمان ہوگا، پھر دوزخ سے وہ شخص نکلے گا جس نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا ہو اور اس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو۔ (513)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ فَمَنْ دُونَهُ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ۔ (514)

میں ہی حمد کے جھنڈے کو قیامت کے دن اٹھاؤں گا۔ جس کے تحت آدم اور ان کی ساری اولاد ہوں گی مگر یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کی شفاعت قبول کی جائے گی مگر میں یہ فخر سے نہیں کہتا۔

(3) مقامِ اوّلیّت

1) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھایا جائے گا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا وَأَنَا قَائِدُهُمْ إِذَا وَفَدُوا وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا أَنْصَتُوا وَأَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ إِذَا حُبِسُوا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا أَيِسُوا الْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي وَلِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي يَطُوفُ عَلَيَّ أَلْفُ خَادِمٍ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ أَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُورٌ۔ (515)

میں تمام لوگوں میں اٹھائے جانے کے وقت سب سے پہلے نکلوں گا اور جب وہ اللہ کی بارگاہ میں جائیں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب وہ خاموش ہو جائیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں اور جب وہ ان کو روک لیا جائے گا تو میں ان کی شفاعت کا طلب گار ہوں گا اور جب وہ عزت سے مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا اور اس دن چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولادِ آدم میں اپنے رب کے ہاں سب سے سے زیادہ عزت والا ہوں اور ایک ہزار خدام جو چھپے ہوئے انڈے کی طرح سفید یا بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں وہ میرے اردگرد چکر لگائیں گے۔

2) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوش آئے گا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

النَّاسُ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ۔ (516)

قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔

3) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں داخل ہوں گے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَأَقُولُ: مُحَمَّدٌ، فَيَقُولُ: بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ۔ (517/1)

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھلواؤں گا۔ جنت کا دربان پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کہے گا: مجھے آپ ہی کے بارے میں حکم ملا تھا (کہ) آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللهُ لِي فَيُدْخِلُنِيهَا وَمَعِي فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَى اللهِ وَلَا فَخْر۔ (517/2)

میں ہی سب سے پہلے جنت کی زنجیر کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لیے اسے کھولیں گے۔ پھر میں اس میں مومن فقراء کے ساتھ داخل ہوں گا۔ یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا اور میں گزشتہ اور آنے والے تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہوں۔ یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ بتانے کیلئے کہہ رہا ہوں)۔

4) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کا خوبصورت لباس پہنایا جائے گا

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُونُ أَنَا وَأُمَّتِي عَلَى تَلٍّ، فَيَكْسُونِي رَبِّي حُلَّةً خَضْرَاءَ، فَأَقُولُ: مَا شَاءَ اللهُ أَنْ أَقُولَ، فَذٰلِكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ۔ (518)

قیامت کے دن میں اور میری امت ایک ٹیلے پر کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ مجھے سبز رنگ کا حلہ (یعنی قیمتی لباس) عطا فرمائے گا پھر اللہ تعالیٰ مجھے بات کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا اور جو کچھ چاہے گا میں عرض کروں گا۔ یہی مقام محمود ہے۔

4. جو کسی نبی کی امت کے پاس دنیا میں نہ تھا وہ محمد رسول اللہ کی امت کے پاس ہے

سوال: وہ کون سی خصوصیات ہیں جو کسی بھی نبی کی امت کو دنیا میں حاصل نہ تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو حاصل ہیں؟

جواب: وہ دس خصوصیات ہیں:

(1) خیر الامم (2) مال غنیمت کا حلال ہونا (3) پوری زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ
(4) احکام کے اعتبار سے آسانیاں (5) جمعہ کے دن کا تحفہ (6) بھول چوک کی معافی

(7) عمومی عذاب الٰہی سے حفاظت (8) پوری امت کا گمراہی پر جمع نہ ہونا (9) زمین پر اللہ کے گواہ
(10) نماز کی صفیں ملائکہ کی صفوں کے مشابہ

(1) خَیرُ الاُمَمُ (بہترین امت)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنا بہت بڑا فضل اور اکرام کیا اور اس کو خاص طور سے چن لیا اور امتِ وسط (معتدل امت) اور خیر الامم کے خطاب سے نوازا، جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو یہ خصوصی خطاب عطا نہیں ہوا تھا۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ.(آل عمران:110)

(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

إنّكم تتمّون سبعين أمّةً أنتم خيرها وأكرمها على الله.(519)

تم لوگ ستر امتوں کو پورا کرنے والے ہو۔ اور ان سب میں بہتر اور معزز ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً۔(البقرۃ:143)

اور (مسلمانو) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ.(الحج:78)

اس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے) منتخب کرلیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فضّلت على الأنبياء بستّ لم يعطهنّ أحد كان قبلي (وفيه) وجعلت أمّتي خير الأمم.(520)

اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر انبیاء پر چھ چیزوں پر فضیلت دی جو پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ میری امت کو دیگر امتوں کے مقابلے میں بہترین امت بنایا۔

(2) مالِ غنیمت کا حلال ہونا

گزشتہ امتوں میں سے کچھ امتیں تو ایسی تھیں جن کو جہاد کا حکم ہی نہیں دیا گیا تھا، کچھ امتوں کو جہاد کو حکم تو دیا گیا تھا لیکن جہاد میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت ان کے لیے استعمال کرنا جائز نہ تھا بلکہ ان کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ مالِ غنیمت کو کسی کھلے میدان میں جا کر رکھ دیں، پھر عنداللہ قبول ہونے کی صورت میں آسمان سے آگ آ کر اس کو جلا دیتی تھی ورنہ وہ پڑا رہتا کسی کو استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔

لیکن اس امت پر اللہ نے خصوصی انعام کیا جہاد کا بھی حکم دیا اور جہاد میں حاصل ہونے والے اموال کو ان کے لیے حلال کر دیا گیا اور اس کا استعمال جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ. (انفال: 69)

لہٰذا اب تم نے جو مالِ غنیمت میں حاصل کیا ہے، اسے پاکیزہ حلال مال کے طور پر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

زمانہ ماضی میں ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے کہا کہ میرے ساتھ وہ نہ چلے جس کی بیوی موجود ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ اس کے ساتھ رات گزارے اور اس نے اب تک ہم بستری نہ کی ہو نیز وہ شخص جس نے گھر بنایا ہو لیکن اس کی چھت نہ پاٹی ہو اور وہ شخص بھی جس نے اونٹنیاں اور بکریاں مول لی ہوں اور ان جانوروں کے جننے کا منتظر ہو الحاصل اس نبی نے جہاد کا رخ کیا اور پھر عصر کی نماز کا وقت ایک گاؤں کے قریب ہوا تو انھوں نے آفتاب کی طرف رخ کر کے کہا اے آفتاب! تو اللہ کا محکوم ہے اور میں بھی اسی کا محکوم ہوں اے پروردگار! تو اس سورج کو روک دے تو وہ سورج ڈوبنے سے روک دیا گیا اور پھر اللہ نے اپنے نبی کو فتح یاب کر دیا اس جنگ میں جب مالِ غنیمت کو جمع کر لیا گیا تو ایک آگ نے آ کر اس مالِ غنیمت کھانا چاہا لیکن نہ کھا سکی تو ان نبی نے فرمایا لوگو! تم میں خیانت کرنے والے موجود ہیں لہٰذا ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی آ کر مجھ سے بیعت کر لے چنانچہ بیعت کرتے ایک آدمی کا ہاتھ ان نبی کے ہاتھ سے چپک گیا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ خائن تم میں موجود ہے لہٰذا تمہارے قبیلہ کا ہر ایک آدمی آ کر مجھ سے بیعت کرے چنانچہ دو تین آدمیوں کے ہاتھ ان نبی کے ہاتھ میں چپک گئے تو ان نبی نے کہا خیانت کرنے والا تم میں موجود ہے تو وہ سونے کا ایک سر گائے کے سر کی طرح کا لائے اور اس کو رکھ دیا چنانچہ آگ نے آ کر اس سر کو کھا لیا اللہ نے ان کے لیے مالِ غنیمت کو حلال نہیں کیا اور اللہ نے ہماری کمزوری و عاجزی کو دیکھ کر مالِ غنیمت ہمارے لیے حلال کر دیا۔ **(521)**

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

اعطیت خمسا لم یعطهنّ أحد قبلی، وفیه وأحلّت لی المغانم۔ (522)

مجھے پانچ ایسے انعامات دیے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دیئے گئے تھے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا۔

(3) پوری زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے مقابلے میں اس امت پر ایک خصوصی انعام اور فضل یہ فرمایا کہ اس امت کے لیے پوری زمین کو مسجد بنا دیا کہ وہ جہاں نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتے ہیں جبکہ دیگر انبیاء کی امتوں کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ اپنی عبادات مخصوص عبادت خانوں میں ہی ادا کریں گے عبادت خانوں سے باہر کسی اور جگہ میں ادا کرنے کی اجازت نہ تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے پوری زمین کو پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا یعنی اگر کبھی پانی میسر نہ ہو یا پانی استعمال کرنا نقصان دہ ہو تو زمین پر تیمم کر کے طہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔ جبکہ دیگر امتوں کے لیے تیمم کا حکم نہیں تھا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مجھے دیگر انبیاء پر سات چیزوں کے ذریعہ فضیلت عطا کی گئی مجھے (1) جوامع الکلم عطا کیے گئے (2) اور میری مدد کی گئی رعب کے ذریعہ (3) اور حلال کیا گیا میرے لیے غنیمت کو (4) اور بنا دی گئی میرے لیے تمام زمین پاک (5) اور نماز کی جگہ (6) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا (7) اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ (523)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أعطیت خمسا لم یعطهنّ أحد قبلی، نصرت بالرّعب مسیرة شهر، وجعلت لی الأرض مسجدا وطهورا، فأیّما رجل من أمّتی أدرکته الصّلاة فلیصلّ، وأحلّت لی المغانم، ولم تحلّ لأحد قبلی، وأعطیت الشّفاعة، وکان النّبیّ یبعث إلی قومه خاصّة، وبعثت إلی النّاس عامّة۔ (524)

مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ دی گئی تھیں، (1) میری ایک مہینہ کی مسافت سے رعب کے ذریعہ مدد دی گئی، (2) زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی، لہٰذا میری امت میں جس شخص پر نماز کا وقت (جہاں) آ جائے، اسے چاہیے کہ (وہیں زمین پر) نماز پڑھ لے، (3) میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیئے گئے، حالانکہ مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لیے حلال نہ کئے گئے تھے، (4) مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی، (5) ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام آدمیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(4) احکام کے اعتبار سے آسانیاں

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسی آسان اور مکمل شریعت دی جو پچھلی امتوں کی شریعتوں کی طرح سخت اور مشکل نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں جو پچھلی امتوں میں حرام تھیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے حلال کر دیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۔(حج:78)

اس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے) منتخب کر لیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ۔(مائدۃ:6)

اللہ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔(بقرۃ:185)

اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّي أرسلت بحنيفيّة سمحة ۔(525)

میں آسان اور روشن دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذ اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیج رہے تھے تو ان سے فرمایا:

يسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا ... ۔(526)

تم دونوں آسانیاں کرنا اور کوئی سختی نہ کرنا خوشخبری سنانا اور لوگوں کو متنفر نہ کر دینا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے تفصیلی روایت مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ولقد أعطاني ربّي عزّ وجلّ ولا فخر (وفيه) وأحلّ لنا كثيرا ممّا شدّد على من قبلنا ولم يجعل علينا من حرج ۔(527)

اللہ نے مجھے کچھ مخصوص چیزیں عطا فرمائیں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے لیے بہت سی چیزیں حلال کر دی گئیں جو پچھلی امتوں کے لیے حرام تھیں اور ہمارے اوپر دین کے معاملے میں کوئی سختی نہیں کی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

إنّ بني إسرائيل كان إذا أصاب أحدهم البول قرضه بالمقراضين فإذا أراد أحدكم أن يبول فليرتد بوله۔(528)

بنی اسرائیل میں جب کسی کے کپڑوں پر پیشاب لگتا تو وہ اس کپڑے کو قینچی سے کاٹ لیا کرتا تھا۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے مناسب نرم جگہ تلاش کرے۔

(5) جمعہ کے دن کا تحفہ

دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کردیے گئے تھے اور اِسی دن جنت سے نکال دیئے گئے۔ جمعہ کے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔ اور جمعہ کے دن قبولیت کی ایک گھڑی ہے جس میں جوبھی دعا مانگی جائے قبول ہوجاتی ہے۔ عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس خاص دن کو امت محمدیہ کو عطا کیا۔ یہود کے لیے ہفتہ کا دن خاص کیا، نصاریٰ کے لیے اتوار کا دن عطا کیا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

ہم دنیا میں بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن شرف ومرتبہ میں سب سے آگے ہوں گے۔ علاوہ ازیں اہل کتاب (یعنی یہود ونصاری) کو اللہ کی طرف سے ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے۔ پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان (اہل کتاب) پر فرض کیا گیا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں تمہارے لیے ایک ایسا دن فرض قرار دیا ہے۔ جس میں تم اپنی دنیوی امور سے فارغ ہوکر اور تمام کام کاج چھوڑ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہو۔ لہذا تم اپنی اجتہاد اور فکری قوت سے کام لیتے ہوئے اس دن کو متعین کرلو کہ وہ کونسا دن ہے)، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا (یعنی اصل مقصد اور اصل دن جو خدا کے علم میں تھا اس کو تو پہچان نہ سکے، بلکہ اپنی اپنی دلیلوں کا سہارا لے کر دوسرے دنوں کو اختیار کر بیٹھے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن (یعنی جمعہ) کے بارے میں ہماری ہدایت فرمائی (یعنی عبادت کے لیے اصل دن جمعہ کی معرفت عطا فرمائی)، بایں طور کہ ہم نے خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس دن کو خدا کی عبادت کے لیے اختیار کیا۔ اور لوگ یعنی یہود ونصاریٰ نہ صرف شرف وفضیلت بلکہ دن کے اعتبار سے بھی ہمارے تابع ہیں (یعنی چونکہ جمعہ کا دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہونے کی وجہ سے انسانی زندگی کا سب سے پہلا دن ہے۔ اس لیے اس دن عبادت کرنے والے عبادت کے اعتبار سے متبوع اور اس کے بعد کے دو دن یعنی ہفتہ واتوار کو عبادت کرنے والے تابع ہوئے) یہود نے کل (یعنی جمعہ کے بعد کے دن ہفتہ) کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے پرسوں (یعنی ہفتہ کے بعد کا دن اتوار) اختیار کیا۔(529)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے، جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی روز وہ جنت سے (زمین پر) اتارے گئے، اسی دن (یعنی جس جمعہ کو جنت سے اتارے گئے) اسی جمعہ کو آخری گھڑی میں یا یہ کہ دوسرے جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول کی گئی۔ اسی دن ان کی وفات ہوئی اور جمعہ ہی کے دن قیامت قائم ہوگی اور ایسا کوئی چوپایہ نہیں ہے جو جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک قیامت قائم ہونے کا منتظر نہ رہتا ہو (یعنی چوپاؤں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کے روز آئے گی) اس لیے وہ ہر جمعہ کو دن بھر اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں آج ہی قیامت قائم نہ ہو جائے، علاوہ جنات اور انسانوں کے (یعنی جن وانس کو اس انتظار سے غافل رکھا گیا ہے تا کہ اس ہولناکی سے انسانی زندگی کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے)۔ **(530)**

(6) بھول چوک کی معافی

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر دیگر انعامات کے ساتھ یہ انعام بھی فرمایا کہ اس امت کے کسی فرد سے اگر کوئی غیر شرعی کام بھولے سے ہو جائے یا غلطی سے بغیر ارادہ کے ہو جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہوگی، اسی طرح گناہ کا کام صرف سوچنے پر بھی پکڑ نہیں ہوگی جب وہ کام نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جب اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں:

لِلّٰهِ ما فِي السَّماواتِ وَما فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا ما فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشاءُ وَاللّٰهُ عَلى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

(بقرۃ:284)

اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں اگر تم ان کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے جسے چاہیں گے معاف فرما دیں گے اور جسے چاہیں گے عذاب دیں گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر یہ آیات کریمہ گراں گزریں وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یعنی دوزانو ہو کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں ان اعمال کے کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے نماز روزہ جہاد اور صدقہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ آیات نازل ہوئیں جس میں ذکر کئے گئے احکام کی ہم طاقت نہیں رکھتے (یعنی دل میں کوئی وسوسہ نہ آنے پائے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو جس طرح تم سے پہلے

اہل کتاب کہہ چکے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی (اس پر عمل نہیں کریں گے) بلکہ تم اس طرح کہو کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان سن لیا اور ہم نے بخوشی مان لیا۔ ہم آپ سے مغفرت چاہتے ہیں اے پرودگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے کہا (سَمِعنا وَ أَطَعنا غُفرَانکَ رَبَّنا وَإلَیکَ المَصیر) صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے یہ کہنے کے فوراً بعد ہی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۔ (بقرۃ:285)

ایمان لائے رسول اس چیز پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی اور مومنین بھی سارے کے سارے ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ہم اس کے تمام رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا ہم نے سن لیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان اور ہم نے خوشی سے مان لیا ہم آپ سے مغفرت چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت منسوخ فرما کر یہ آیات نازل فرمائیں:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (البقرۃ:286)

اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو وہ ارادے سے کرے اور اسے سزا بھی اسی کی ملے گی جو وہ ارادے سے کرے اے ہمارے پرودگار ہمارا مواخذہ نہ فرمایا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے، (اللہ نے فرمایا اچھا!) اے ہمارے پرودگار اور ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالنا جس کی ہم کو طاقت نہ ہو، (فرمایا اچھا) اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے کافروں پر ہمیں غلبہ عطا فرما (اللہ نے فرمایا اچھا)۔ (531)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ اللہ تعالی تجاوز لی عن أمّتی الخطأ، والنّسیان، وما استکرھوا علیہ۔ (532)

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک اور زبردستی (کروائے گئے کام) معاف کر دیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ اللہ کتب الحسنات والسّیّئات. ثمّ بیّن ذلك. فمن همّ بحسنة فلم یعملها

كتبها الله عنده حسنة كاملة وإن همّ بها فعملها كتبها الله عزّ وجلّ عنده عشر حسنات إلى سبعمائة ضعف إلى أضعاف كثيرة. وإن همّ بسيّئة فلم يعملها كتبها الله عنده حسنة كاملة، وإن همّ بها فعملها، كتبها الله سيّئة واحدة.(533)

اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دیں ہیں۔ پھر ان کو بیان کر دیا ہے چنانچہ جس شخص نے نیکی کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے مطابق ابھی عمل نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اس نے نیکی کر کے عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک لکھ دیتا ہے۔ اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر نیت کر کے عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے ایک برائی لکھتا ہے۔

(7) عمومی عذاب الٰہی سے حفاظت

اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عمومی عذاب سے حفاظت فرمائی، یہ امت عمومی عذاب الٰہی سے ہلاک نہیں ہوگی اور نہ ہی ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط ہوگا جو ان کو ملیا میٹ کر دے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ الله زوى لي الأرض. فرأيت مشارقها ومغاربها. وإنّ أمّتي سيبلغ ملكها ما زوي لي منها، وأعطيت الكنزين الأحمر والأبيض. وإنّي سألت ربّي لأمّتي أن لا يهلكها بسنة عامّة. وأن لا يسلّط عليهم عدوّا من سوى أنفسهم. فيستبيح بيضتهم. وإنّ ربّي قال: يا محمّد إنّي إذا قضيت قضاء فإنّه لا يردّ. وإنّي أعطيتك لأمّتك أن لا أهلكهم بسنة عامّة. وأن لا أسلّط عليهم عدوّا من سوى أنفسهم يستبيح بيضتهم. ولو اجتمع عليهم من بأقطارها- أو قال من بين أقطارها- حتّى يكون بعضهم يهلك بعضا. ويسبي بعضهم بعضا.(534)

اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھا اور جہاں تک کی زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی تھی وہاں تک، عنقریب میری امت کی سلطنت وحکومت پہنچ جائے گی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے عطا کئے گئے اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا مانگی کہ وہ انھیں عام قحط سالی میں ہلاک نہ کرے اور اپنے علاوہ ان پر کوئی ایسا دشمن بھی مسلط نہ کرے جو ان سب کی جانوں کی ہلاکت کو مباح جائز سمجھے اور میرے رب نے فرمایا اے محمد جب میں کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہوں تو اسے

تبدیل نہیں کیا جاتا اور بیشک میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے لیے فیصلہ کرلیا ہے کہ انہیں عام قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کروں گا اور نہ ہی ان کے علاوہ ان پر ایسا کوئی دشمن مسلط کروں گا جو ان سب کی جانوں کو مباح و جائز سمجھ کر ہلاک کردے اگرچہ ان کے خلاف زمین کے چاروں اطراف سے لوگ جمع ہوجائیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو خود ہی قیدی بنائیں گے۔

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنّ رسول الله ﷺ أقبل ذات يوم من العالية. حتّى إذا مرّ بمسجد بني معاوية، دخل فركع ركعتين. وصلّينا معه. ودعا ربّه طويلا. ثمّ انصرف إلينا. فقال ﷺ: سألت ربّي ثلاثا. فأعطاني اثنتين ومنعني واحدة. سألت ربّي أن لا يهلك أمّتي بالسّنة فأعطانيها. وسألته أن لا يهلك أمّتي بالغرق فأعطانيها، وسألته أن لا يجعل بأسهم بينهم فمنعنيها.(535)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک دن مقام عالیہ سے تشریف لائے یہاں تک کہ بنو معاویہ کی مسجد کے پاس سے گزرے تو اس میں تشریف لے گئے اور اس میں دو رکعتیں ادا کیں اور ہم نے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نماز ادا کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے رب سے لمبی دعا مانگی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں پس دو چیزیں مجھ کو عطا کردیں گئیں اور ایک چیز سے مجھے روک دیا میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے پس یہ مجھے عطا کردیا گیا اور میں نے اللہ عزوجل سے مانگا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کر پس اللہ عزوجل نے یہ چیز بھی مجھے عطا کردی اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو تو مجھے اس سوال سے منع کردیا گیا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لن يجمع الله تعالى على هذه الأمّة سيفين سيفا منها وسيفا من عدوّها.(536)

اللہ تعالیٰ اس امت پر دو تلواریں جمع کریں گے ایک تلوار ان کی آپس کی لڑائی میں ہوگی اور ایک تلوار ان کے دشمن کی ہوگی۔

(8) پوری امت کا گمراہی پر جمع نہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر دنیا میں ایک انعام یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ امت اجتماعی طور پر کسی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، یعنی ایسا

نہیں ہوسکتا کہ کسی شرعی مسئلہ وغیرہ میں پوری امت کا اجماع غلط رخ پر ہو اور گمراہی پر اجماع و اتفاق کرے۔ ہر زمانہ میں ایک جماعت ہوگی جو حق پر قائم ہوگی چاہے کیسے بھی حالات ہوں۔

حضرت ابن رضی اللہ عنہ عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ الله لا يجمع أمّتي أو قال أمّة محمّد صلّى الله عليه وسلّم، على ضلالة، ويد الله مع الجماعة، ومن شذّ شذّ في النّار.(537)

میری امت کو یا فرمایا امت محمد یہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جبکہ جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تزال طائفة من أمّتي ظاهرين على الحقّ. لا يضرّهم من خذلهم حتّى يأتي أمر الله وهم كذلك.(538)

میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق بات پر غالب رہے گی جو انھیں رسوا کرنا چاہے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہ کر سکے گا یہاں تک کہ اللہ کے حکم آ جائے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔

(9) زمین پر اللہ کے گواہ

اس امت کے بلند مرتبہ اور عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ بھی فضل فرمایا ہے کہ ان کے قول اور گواہی کا اعتبار کیا اور قبول کیا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

مرّ بجنازة فأثني عليها خيرا. فقال نبيّ الله ﷺ: وجبت وجبت وجبت ومرّ بجنازة فأثني عليها شرّا. فقال نبيّ الله ﷺ: وجبت وجبت وجبت قال عمر: فدى لك أبي وأمّي! مرّ بجنازة فأثني عليها خيرا فقلت: وجبت وجبت وجبت ومرّ بجنازة فأثني عليها شرّا فقلت: وجبت وجبت وجبت؟ فقال ﷺ: من أثنيتم عليه خيرا وجبت له الجنّة. ومن أثنيتم عليه شرّا وجبت له النّار. أنتم شهداء الله في الأرض. أنتم شهداء الله في الأرض. أنتم شهداء الله في الأرض.(539)

جنازہ کے گزرنے پر لوگوں نے اس کا ذکر خیر کے ساتھ کیا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا واجب ہوگئی واجب ہوگئی واجب ہوگئی اور دوسرا جنازہ گزرا تو اس کا ذکر برائی کے ساتھ کیا گیا تو اللہ کے نبی نے فرمایا واجب ہوگئی واجب ہوگئی واجب ہوگئی، حضرت عمر (رض) نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قربان

ہوں ایک جنازہ گزرا اور اس کی نیکی کی تعریف کی گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا واجب ہوگئی واجب ہوگئی واجب ہوگئی اور دوسرا جنازہ گزرا تو اس کا ذکر برائی کے ساتھ کیا گیا تو آپ نے فرمایا واجب ہوگئی واجب ہوگئی واجب ہوگئی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس کا ذکر تم نے بھلائی کے ساتھ کیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کا ذکر تم نے برائی کے ساتھ کیا اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

(10) نماز کی صفیں ملائکہ کی صفوں کے مشابہ

اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے مقابلہ میں اس امت پر ایک خاص انعام یہ بھی فرمایا ہے کہ اس امت کی نماز کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کے مشابہ فرمایا: چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فضّلنا على النّاس بثلاث: جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة. وجعلت لنا الأرض كلّها مسجدا. وجعلت تربتها لنا طهورا، إذا لم نجد الماء، وذكر خصلة أخرى.(540)

ہمیں اور لوگوں پر تین چیزوں کی بناء پر فضیلت دی گئی ہے ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنادی گئی ہیں اور ہمارے لیے ساری روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے اور اس کی مٹی (پانی نہ ملنے کے وقت) ہمارے لیے پاک کرنے والی بنادی گئی اور ایک اور خصلت بیان فرمائی۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: خرج علينا رسول الله ﷺ فقال: مالي أراكم رافعي أيديكم كأنّها أذناب خيل شمس؟ اسكنوا في الصّلاة قال: ثمّ خرج علينا فرآنا حلقا. فقال: مالي أراكم عزين؟. قال: ثمّ خرج علينا فقال: ألا تصفّون كما تصفّ الملائكة عند ربّها؟ فقلنا: يا رسول الله! وكيف تصفّ الملائكة عند ربّها؟ قال: يتمّون الصّفوف الأول. ويتراصّون في الصّفّ.(541)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسا کہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں، نماز میں سکون رکھا کرو فرماتے ہیں دوبارہ ایک دن تشریف لائے تو ہم کو حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو متفرق طور پر بیٹھے ہوئے دیکھتا ہوں پھر ایک مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا تم صفیں نہیں بناتے جیسا کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں فرمایا کہ پہلی صف کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

5. جو کسی نبی کی امت کے پاس آخرت میں نہ ہوگا وہ محمد رسول اللہ کی امت کے پاس ہوگا

سوال: وہ کون سی خصوصیات ہیں جو کسی بھی نبی کی امت کو آخرت میں حاصل نہ ہوں گی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو حاصل ہوں گی؟

جواب: وہ دس (10) خصوصیات ہیں:

(1) روشن پیشانی
(2) دوسری امتوں پر گواہی
(3) سب سے پہلے پل صراط سے گزرنا اور جنت میں داخلہ
(4) عمل تھوڑا ثواب زیادہ
(5) جنت میں سب سے زیادہ تعداد
(6) دنیا میں آنے کے اعتبار سے پیچھے لیکن قیامت کے دن آگے

(1) روشن پیشانی

قیامت کے دن امت محمدیہ کی پیشانیاں چمک رہی ہوں گی اور روشن ہوں گی وضو کے آثار کی وجہ سے، اسی نشانی کے ذریعہ حوض کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو پہچان لیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أنتم الغرّ المحجّلون يوم القيامة. من إسباغ الوضوء. فمن استطاع منكم فليطل غرّته وتحجيله.(542)

پورا اور کامل وضو کرنے کی وجہ سے تم لوگ قیامت کے دن روشن پیشانی اور ہاتھ پاؤں والے ہوکر اٹھو گے پس تم میں سے جو طاقت رکھتا ہے تو وہ اپنی پیشانی اور ہاتھ پاؤں کی نورانیت کو لمبا اور زیادہ کرے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ حوضي أبعد من أيلة من عدن لهو أشدّ بياضا من الثّلج. وأحلى من العسل باللّبن. ولآنيته أكثر من عدد النّجوم. وإنّي لأصدّ النّاس عنه كما يصدّ الرّجل إبل النّاس عن حوضه قالوا: يا رسول الله! أتعرفنا يومئذ؟ قال: نعم. لكم سيما ليست لأحد من الأمم تردون عليّ غرّا محجّلين من أثر الوضوء.(543)

میرا حوض مقام عدن سے لے کر ایلہ تک کے فاصلہ سے بھی زیادہ بڑا ہوگا اور اس کا پانی برف سے زیادہ سفید، شہد ملے دودھ سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں سے زیادہ ہوگی اور میں اس حوض سے دوسری امت کے لوگوں کو اس طرح روکوں گا جس طرح کوئی آدمی اپنے حوض سے دوسرے کے اونٹوں کو

پانی پینے سے روکتا ہے صحابہ کرام (رض) نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس دن ہمیں پہچان لیں گے فرمایا ہاں تمہارے لیے ایسا نشان ہوگا جو باقی امتوں میں سے کسی کے لیے نہ ہوگا تم میرے سامنے آؤ گے اس حال میں کہ وضو کے اثر کی وجہ سے (تمہارے چہرے، ہاتھ اور پاؤں) روشن اور چمکدار ہوں گے۔

(2) دوسری امتوں پر گواہی

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امت محمدیہ کو دیگر انبیاء کی امتوں پر گواہ بنا کے پیش کریں گے، جو امت بھی اپنے نبی کی دعوت اور پیغام رسانی کا انکار کرے گی تو امت محمدیہ انبیاء کے حق میں گواہی دے گی کہ ہر نبی نے اپنی امت تک توحید کا پیغام پہنچایا تھا۔ اور ان کی گواہی قبول بھی کی جائے گی، یہ امت محمدیہ کی دیگر امتوں کے مقابلہ میں بہت بڑی خصوصیت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔(البقرة:143)

اور (مسلمانو) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يدعى نوح يوم القيامة فيقول: لبّيك وسعديك يا ربّ. فيقول: هل بلّغت؟ فيقول: نعم. فيقال لأمّته: هل بلّغكم؟ فيقولون: ما أتانا من نذير، فيقول: من يشهد لك؟ فيقول: محمّد وأمّته. فيشهدون أنّه قد بلّغ، ويكون الرّسول عليكم شهيدا فذلك قوله جلّ ذكره وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا .(544)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نوح (علیہ السلام) کو بلائیں گے وہ آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے رب! میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے ہمارے احکامات کو لوگوں تک پہنچا دیا تھا؟ کہیں گے جی ہاں! اس کے بعد ان کی امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارے پاس اللہ کے احکامات لے کر کوئی رسول آیا تھا یا نہیں؟ امت کہے گی نہیں آیا، رب فرمائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کی امت اس وقت میری امت گواہی دے گی کہ بیشک نوح (علیہ السلام) نے احکام الٰہی کی تبلیغ کی تھی اور میں کہوں گا کہ یہ سب لوگ سچے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کا قول کا مطلب یہی ہے اور وسط کے معنی عدل کے ہیں۔

(3) سب سے پہلے پل صراط سے گزرنا اور جنت میں داخلہ

قیامت کے دن امت محمدیہ ہی سب سے پہلے پل صراط سے گزرے گی، یہی امت سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک تفصیلی روایت مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ویضرب الصّراط بین ظھری جھنّم. فأکون أنا وأمّتی أوّل من یجیز. (545)

جہنم کے اوپر پل صراط قائم کیا جائے گا تو میں اور میری امت سب سے پہلے اس کے اوپر سے گزرے گی۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نحن الآخرون الأوّلون یوم القیامة ونحن أوّل من یدخل الجنّة بیدا أنّھم أوتوا الکتاب من قبلنا وأوتیناہ من بعدھم. (546)

ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں قیامت کے دن سب سے پہل کرنے والے ہوں گے اور ہم پہلے جنت میں داخل ہوں گے حالانکہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب دی گئی ہے۔

(4) عمل تھوڑا ثواب زیادہ

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ایک انعام یہ بھی فرمایا ہے کہ پچھلی امتوں کے مقابلہ میں ان کے اعمال تھوڑے ہوں گے لیکن اجروثواب دیگر امتوں سے زیادہ ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّما أجلکم - فی أجل من خلا من الأمم - ما بین صلاة العصر إلی مغرب الشّمس. وإنّما مثلکم ومثل الیھود والنّصاری کرجل استعمل عمّالا فقال: من یعمل لی إلی نصف النّھار علی قیراط قیراط؟ فعملت الیھود إلی نصف النّھار علی قیراط قیراط. ثمّ قال: من یعمل لی من نصف النّھار إلی صلاة العصر علی قیراط قیراط؟ فعملت النّصاری من نصف النّھار إلی صلاة العصر قیراط قیراط. ثمّ قال: من یعمل لی من صلاة العصر إلی مغرب الشّمس علی قیراطین قیراطین؟ ألا فأنتم الّذین یعملون من صلاة العصر إلی مغرب الشّمس علی قیراطین قیراطین، ألا لکم الأجر مرّتین. فغضبت الیھود والنّصاری فقالوا: نحن أکثر عملا وأقلّ عطاء، قال اللہ: ھل ظلمتکم من حقّکم شیئا؟ قالوا: لا. قال: فإنّہ فضلی، أعطیہ من شئت. (547)

تمہارا اگزشتہ امتوں کے زمانہ کے مقابلہ میں زمانہ ایسا ہے جیسے وہ وقت جو عصر اور مغرب کے درمیان ہے اور تمہاری اور یہود و نصاری کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا اور اس نے کہا کون ہے جو ایک قیراط کے بدلہ میں میرا کام دوپہر تک کرے تو یہود نے دوپہر تک ایک قیراط کے عوض میں کام کیا پھر اس نے کہا کون ہے جو میرا کام ایک قیراط کے بدلہ میں دوپہر سے نماز عصر تک کرے تو نصاری نے ایک قیراط کے بدلہ میں دوپہر سے نماز عصر تک کیا پھر اس نے کہا کون ہے جو میرا کام دو قیراط کے معاوضہ میں نماز عصر سے غروب آفتاب تک کرے دیکھو تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط کے بدلہ میں کام کیا دیکھو تمہیں دگنا اجر ملا تو یہود و نصاری ناراض ہوئے اور انھوں نے کہا کہ ہم نے کام تو زیادہ کیا اور عطیہ کم ملا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں تمہارے حق سے کچھ کم دیا ہے انھوں نے کہا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میرا انعام ہے جسے میں چاہتا ہوں دیتا ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مثل المسلمين واليهود والنّصارى كمثل رجل استأجر قوما يعملون له عملا يوما إلى اللّيل على أجر معلوم، فعملوا له نصف النّهار، فقالوا: لا حاجة لنا إلى أجرك الّذي شرطت لنا وما عملنا باطل. فقال لهم: لا تفعلوا، أكملوا بقيّة عملكم وخذوا أجركم كاملا. فأبوا وتركوا. واستأجر آخرين بعدهم فقال: أكملوا بقيّة يومكم هذا ولكم الّذي شرطت لهم من الأجر. فعملوا حتّى إذا كان حين صلاة العصر قالوا: لك ما عملنا باطل، ولك الأجر الّذي جعلت لنا فيه. فقال لهم: أكملوا بقيّة عملكم فإنّ ما بقي من النّهار شيء يسير، فأبوا. فاستأجر قوما أن يعملوا له بقيّة يومهم، فعملوا بقيّة يومهم حتّى غابت الشّمس، واستكملوا أجر الفريقين كليهما. فذلك مثلهم ومثل ما قبلوا من هذا النّور. (548)

مسلمانوں یہود اور نصاری کی مثال اس شخص کی ہے جس نے کچھ آدمیوں کو کام پر لگایا کہ صبح رات تک ایک مقرر مزدوری کے عوض کام کریں چنانچہ جب وہ دوپہر تک کام کر چکے تو کہنے لگے ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں جو تم نے ہمارے لیے مقرر کی تھی جو کام ہم نے کر دیا وہ یوں ہی کر دیا اور اس آدمی نے ان سے کہا ایسا نہ کرو اپنا کام پورا کرو اور پوری مزدوری لو لیکن انھوں نے انکار کیا اور کام چھوڑ دیا ان کے بعد اس نے دوسرے مزدور کام پر لگائے اور ان سے کہا کہ باقی دن کام پورا کرو اور تم دونوں کو وہی مزدوری دوں گا جو ان لوگوں کے لیے میں نے مقرر کی تھی چنانچہ انھوں نے اپنا کام شروع کیا یہاں تک کہ جب عصر کی نماز کا وقت آیا تو انھوں نے کہا ہم نے جو کچھ کیا وہ یونہی کر دیا تم اپنی مزدوری رکھو جو ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اس

نے ان سے کہا کہ اپنا کام پورا کرو اس لیے کہ دن تھوڑا باقی رہ گیا ہے لیکن ان دونوں نے انکار کیا چنانچہ اس نے کچھ لوگوں کو کام پر لگایا کہ باقی دن اس کا کام کر دیں چنانچہ ان لوگوں نے باقی دن میں کام کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور دونوں فریق پہلی اور دوسری جماعت کی اجرت ان کو ملی یہی مثال ان لوگوں کی ہے اور اس کی جس کو ان لوگوں نے قبول کیا۔

(5) جنت میں سب سے زیادہ تعداد

جنت میں سب سے زیادہ تعداد امت محمدیہ کی ہوگی یہ بھی اس امت کے لیے ایک اعزاز اور شرف ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال لنا رسول الله ﷺ: أما ترضون أن تكونوا ربع أهل الجنّة؟ قال: فكبّرنا. ثمّ قال: أما ترضون أن تكونوا ثلث أهل الجنّة؟ قال: فكبّرنا. ثمّ قال: إنّي لأرجو أن تكونوا شطر أهل الجنّة. وسأخبركم عن ذلك. ما المسلمون في الكفّار إلّا كشعرة بيضاء في ثور أسود. أو كشعرة سوداء في ثور أبيض.(549)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں فرمایا کہ کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ جنت والوں میں سے چوتھائی تم میں سے ہوں (یہ سن کر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) ہم نے تکبیر کہی پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ جنت والوں میں ایک تہائی تم میں سے ہوں پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ جنت والوں میں آدھے تم میں سے ہوں گے اور اس کی وجہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مسلمان کافروں میں اس طرح سے ہیں جس طرح کہ ایک سفید بال سیاہ بیل میں یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں۔

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أهل الجنّة عشرون ومائة صفّ ثمانون منها من هذه الأمّة وأربعون من سائر الأمم.(550)

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی (80) اس امت اور چالیس باقی امتوں کی ہوں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لا يَسْتَرْقُونَ، وَلا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.(551)

میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے نہ شگون لیتے ہیں اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

(6) دنیا میں آنے کے اعتبار سے پیچھے لیکن قیامت کے دن آگے

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آخری امت بنایا کہ اس کے بعد قیامت تک کوئی اور امت نہیں آئے گی لیکن آخرت میں یہ امت باقی امتوں سے آگے آگے ہوگی، یعنی قبروں سے اٹھانے میں، حساب وکتاب میں اور جنت کے اندر جانے میں یہ امت سب سے آگے ہوگی۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نحن الآخرون الأوّلون يوم القيامة ونحن أوّل من يدخل الجنّة بيد أنّهم أوتوا الكتاب من قبلنا وأوتيناه من بعدهم.(552)

ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں قیامت کے دن سب سے پہل کرنے والے ہوں گے اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے حالانکہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب دی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أضلّ الله عن الجمعة من كان قبلنا. فكان لليهود يوم السّبت. وكان للنّصارى يوم الأحد. فجاء الله بنا. فهدانا ليوم الجمعة. فجعل الجمعة والسّبت والأحد. وكذلك هم تبع لنا يوم القيامة. نحن الآخرون من أهل الدّنيا، والأوّلون يوم القيامة. المقضيّ لهم قبل الخلائق.(553)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے تھے جمعہ کے دن کے بارے میں گمراہ کیا تو یہودیوں کے لیے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ کے لیے اتوار کا دن مقرر فرمایا تو اللہ تعالیٰ ہمیں لایا اللہ نے جمعہ کے دن کے لیے ہدایت عطا فرمائی اور کر دیا جمعہ ہفتہ اور اتوار کو اور اسی طرح ان لوگوں کو قیامت کے دن ہمارے تابع فرما دیا ہم دنیا والوں میں سے سب سے آخر میں آنے والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے آنے والے ہیں کہ جن کا فیصلہ ساری مخلوق سے پہلے ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نحن آخر الأمم، وأوّل من يحاسب. يقال: أين الأمّة الأمّيّة ونبيّها؟ فنحن الآخرون الأوّلون.(554)

(اگر چہ) ہم آخری امت ہیں لیکن سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ ندا آئے گی امی امت کہاں ہے اور اس امت کے نبی کہاں ہیں؟ تو ہم سب سے آخر ہیں (دنیا میں) اور سب میں اول ہوں گے (جنت میں)۔

6. باعتبار امت (جو خصائص حضور ﷺ کو حاصل تھے امت کے مقابلہ میں)

سوال: وہ کون سی خصوصیات ہیں جو آپ ﷺ کو حاصل تھیں کسی امتی کو حاصل نہیں تھیں؟

جواب:

(1) کچھ چیزیں آپ ﷺ کے لیے خصوصیت کے ساتھ حرام تھیں امت کے لیے نہیں

(2) کچھ چیزیں آپ ﷺ کے لیے خصوصیت کے ساتھ حلال تھیں امت کے لیے نہیں

(3) کچھ چیزیں آپ ﷺ پر خصوصیت کے ساتھ واجب تھی امت پر نہیں

(4) دیگر خصوصیات

(1) کچھ چیزیں آپ ﷺ کے لیے خصوصیت کے ساتھ حرام تھیں امت کے لیے نہیں

1) صدقہ: آپ ﷺ کے لیے صدقات زکوٰۃ وغیرہ حرام کر دیئے گئے تھے جب کہ دیگر امت کے فقراء کے لیے یہ حلال ہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

هَذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ.(555)

یہ صدقات لوگوں کا میل کچیل ہی ہوتے ہیں اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے حلال نہیں اور نہ آل محمد (ﷺ) کے لیے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ فَإِنْ قِيلَ هَدِيَّةٌ أَكَلَ مِنْهَا وَإِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا.(556)

جب رسول اللہ (ﷺ) کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ (ﷺ) اس سے پوچھتے پس اگر ہدیہ کہا جاتا تو آپ (ﷺ) اس سے کھا لیتے اور اگر صدقہ کہا جاتا تو آپ (ﷺ) اس میں سے نہ کھاتے۔

2) جو عورت آپ ﷺ کے ساتھ نکاح کو ناپسند کرتی تو وہ آپ کے لیے حرام ہوتی: امت کے مقابلے میں آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جو عورت اپنی خوشی سے آپ کے نکاح میں نہ آئے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا آپ کے لیے حرام تھا۔ برخلاف امت کے کہ اگر کوئی عورت کسی شخص کو ناپسند کرتی ہو اس کے باوجود اگر نکاح ہو جائے تو وہ عورت اس شخص کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أنّ ابنة الجون لمّا أدخلت على رسول الله ﷺ ودنا منها قالت: أعوذ بالله منك

فقال لها: لقد عذت بعظيم، الحقي بأهلك۔ (557)

جون کی بیٹی جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لائی گئی اور آپ اس کے قریب پہنچے تو اس نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، آپ نے اس سے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ مانگی ہے اس لیے تو اپنے رشتہ داروں میں چلی جا۔

3) جہاد کے لیے ہتھیار اٹھانے کے بعد بغیر جہاد کے اتارنا حرام تھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح دیگر انبیاء کے لیے حکم یہ تھا کہ جب ایک مرتبہ جہاد کے لیے اسلحہ اٹھالیا تو اب بغیر جہاد کے واپس اسلحہ رکھنا، ارادہ تبدیل کرنا حرام تھا بلکہ جہاد کرنا لازم ہوجاتا تھا برخلاف امت کے کہ اگر وہ اسلحہ اٹھانے کے بعد ارادہ تبدیل کرے تو اُن کے لیے جہاد کرنا لازمی اور ضروری نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے دن فرمایا:

رأيت كأنّي في درع حصينة ورأيت بقرا منحّرة فأوّلت أنّ الدّرع الحصينة المدينة وأنّ البقر هو والله خير. قال فقال لأصحابه: لو أنّا أقمنا بالمدينة فإن دخلوا علينا فيها قاتلناهم فقالوا يا رسول الله، والله ما دخل علينا فيها في الجاهليّة فكيف يدخل علينا فيها في الإسلام. فقال شأنكم إذا قال فلبس لأمته قال فقالت الأنصار رددنا على رسول الله ﷺ رأيه فجاءوا فقالوا يا نبيّ الله، شأنك إذا فقال إنّه ليس لنبيّ إذا لبس لأمته أن يضعها حتّى يقاتل۔ (558)

میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک محفوظ مضبوط قلعہ کے اندر ہوں، اور مین نے ایک ذبح شدہ گائے دیکھی، میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مضبوط و محفوظ قلعہ سے مراد مدینہ منورہ ہے، اور اللہ کی قسم گائے کا دیکھنا بھی بہتر ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر ہم مدینہ میں ٹھہریں، پھر اگر دشمن ہم پر حملہ آور ہو تو ہم ان سے قتال کریں، اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! دشمن ہم پر ہمارے شہر میں اس وقت بھی نہیں آیا تھا، جب ہم کافر تھے، اب جب کہ ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، وہ ہمارے اوپر ہمارے شہر میں کیونکر آسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی بات سن کر فرمایا: چلو ٹھیک ہے، جیسے چاہو کرلو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہتھیار اپنے جسم پر سجالیے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر انصاریوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے برعکس عمل کیا ہے۔ (اللہ خیر کرے) چنانچہ انہوں نے آکر عرج کیا کہ اللہ کے نبی! آپ انی رائے پر ہی عمل کریں، لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نبی کے لیے یہ روا نہیں کہ جب وہ ہتھیاروں سے مسلح ہوجائے تو دشمن سے قتال کیے بغیر انہیں اتار دے۔

4) آنکھوں سے اشارہ کرنا: جہاد کے دوران یا کسی اور موقع پر زبان سے کچھ کہے بغیر کن آنکھیوں سے کسی کے قتل کرنے یا مارنے کا اشارہ کرنا امت کے لیے جائز ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جائز نہیں تھا۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا واقعہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہے:

حيث كان رسول الله ﷺ قد أهدر دمه يوم فتح مكّة في جملة من أهدر من الدّماء فاختبأ عند عثمان بن عفّان أخيه من الرّضاعة، فلمّا دعا رسول الله ﷺ النّاس إلى البيعة جاء به عثمان حتّى أوقفه على النّبيّ ﷺ فقال يا رسول الله، بايع عبد الله، فرفع رأسه، فنظر إليه، ثلاثا، كلّ ذلك يأبى، فبايعه بعد ثلاث، ثمّ أقبل على أصحابه فقال: أما كان فيكم رجل رشيد، يقوم إلى هذا حيث رآني كففت يدي عن بيعته فيقتله؟ فقالوا: ما ندري يا رسول الله ما في نفسك؟ ألا أومأت إلينا بعينك قال:إنّه لا ينبغي لنبيّ أن تكون له خائنة الأعين. (559)

فتح مکہ کے روز عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حضرت عثمان بن عفان کے پاس چھپ کر بیٹھ گئے وہ انھیں لے کر آئے اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عبداللہ کو بیعت کر لیں تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور ان کی طرف تین مرتبہ دیکھا اور ہر مرتبہ انکار کیا پھر تین مرتبہ کے بعد ان کو بیعت کر لیا پھر اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں کوئی رجل رشید نہیں تھا کہ جو اس کی طرف کھڑا ہو کر اسے قتل کر دیتا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ روک لیا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے آپ نے اپنی آنکھ سے ہماری طرف اشارہ کیوں نہیں فرمایا؟ فرمایا کہ کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت کرے۔

5) کتاب کی تعلیم حاصل کرنا: قرآن کریم میں ہے:

نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمی سے مشہور تھے، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ.

(عنکبوت:48)

اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل والے میں میخ نکال سکتے تھے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (اعراف:157)

جو اس رسول یعنی نبی امی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا۔

6) شعروشاعری کرنا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعروشاعری کے اصول سے نابلد تھے، قرآن کریم میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ (یٰسین:69)

اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ وہ ان کے شایان شان ہے۔

(2) کچھ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خصوصیت کے ساتھ حلال تھیں امت کے لیے نہیں

1) صوم وصال: پے درپے روزہ رکھنا بیچ میں ناغہ نہ کرنا اس سے امت کو منع کیا گیا ہے اس لیے کہ اس میں مشقت اور مجاہدہ زیادہ ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خصوصی اجازت تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے صوم وصال رکھنا جائز تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتواصلوا. قالوا: إنّك تواصل. قال: لست كأحد منكم إنّي أطعم وأسقى. (560)

پے درپے روزے نہ رکھو۔ لوگوں نے عرض کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو پے درپے روزے رکھتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں، میں تو کھلایا پلایا جاتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوصال رحمة لهم. فقالوا: إنّك تواصل. قال: إنّي لست كهيئتكم، إنّي يطعمني ربّي ويسقين. (561)

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صوم وصال (متواتر روزہ رکھنے) سے منع فرمایا ان پر شفقت کی وجہ سے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ تو پے درپے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے تو کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

2) ولی کی اجازت اور گواہوں کے بغیر نکاح کی اجازت: امت کے لیے حکم یہ ہے کہ نکاح میں ولی کی اجازت بھی ضروری ہے اور دو گواہوں کا نکاح کے ایجاب وقبول کے موقع پر موجود ہونا بھی شرط ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ ولی کی اجازت کے بغیر اور گواہوں کی عدم موجودگی میں بھی نکاح جائز تھا۔

ایک روایت میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے متعلق آتا ہے:

أنّها كانت تفخر على أزواج النّبيّ ﷺ وتقول: زوّجكنّ أهليكنّ وزوّجني الله تعالى من فوق سبع سماوات.(562)

حضرت زینب (رض) آنحضرت (ﷺ) کی تمام بیویوں پر فخر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا۔

3) چار سے زائد شادیوں کی اجازت: امت کے لیے عام حکم ہے کہ چار شادیوں سے زیادہ کرنا جائز نہیں ہے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۔(نساء:3)

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے، ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔

لیکن آپ ﷺ چار شادیوں سے زیادہ کی بھی خصوصی اجازت تھی چنانچہ جس وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا اس وقت 9 امہات المومنین آپ کے نکاح میں تھیں۔

4) مکہ مکرمہ میں قتال کرنا اور بغیر احرام کے داخل ہونا: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو ایک خاص فضیلت اور شرف عطا کیا ہے اُس میں قیامت تک کے لیے قتل وقتال حرام قرار دیا ہے۔ اور جو وہاں داخل ہونا چاہے اس کے لیے بغیر احرام کے داخل ہونا ناجائز قرار دیا ہے، لیکن آپ ﷺ کے لیے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں قتل وقتال بھی حلال قرار دیا گیا اور احرام کی پابندی بھی ختم کردی گئی تھی، یہ صرف آپ کی خصوصیت تھی آپ کے بعد قیامت کسی کے لیے جائز نہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

إنّ مكّة حرّمها الله ولم يحرّمها النّاس. فلا يحلّ لامرىء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دما ولا يعضد بها شجرة. فإن أحد ترخّص بقتال رسول الله ﷺ فيها فقولوا له: إنّ الله أذن لرسوله ولم يأذن لكم. وإنّما أذن لي فيها ساعة من نهار. وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس وليبلّغ الشّاهد الغائب ۔(563)

مکہ (میں جدال وقتال وغیرہ) کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے آدمیوں سے نہیں حرام کیا، پس جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ مکہ میں خون ریزی کرے اور نہ (یہ جائز ہے کہ) وہاں کوئی

درخت کاٹا جائے پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لڑنے سے (ان چیزوں کا) جواز بیان کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دے دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی ایک گھڑی بھر دن کی وہاں اجازت دی تھی پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی ہوگئی جیسی کل تھی، پھر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو (یہ خبر) پہنچا دے۔

(3) کچھ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خصوصیت کے ساتھ واجب تھی امت پر نہیں

1) تہجد: امت کے لیے تہجد کی نماز پڑھنے سنت ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے واجب تھی۔

قرآن کریم میں ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔

(اسراء: 79، کویتیہ، تہجد، اختصاص، نبی)

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔

(4) دیگر خصوصیات

1) اقوال اور افعال میں غلطی سے حفاظت: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے آپ سے کوئی گناہ کا کام سرزد نہیں ہوتا تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال بھی غلطی سے محفوظ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ،مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ،وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ،إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۔ (نجم: 1-4)

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔ (اے مکہ کے باشندو) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں، اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنا کفر ہے: امت کا اس پر اجماع ہے کہ توہین رسالت کا مرتکب شخص کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا قتل ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے ورنہ کسی اور کی توہین کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُهِيناً ۔ (الأحزاب: 57)

جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (توبہ: 61)

اور جولوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ایک اندھے کی ام ولد (وہ باندی جس نے مالک کا بچہ جنا ہو) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ کی برائی میں (نعوذ باللہ) مشغول رہتی تھی۔ وہ اندھا اسے اس سے منع کرتا تھا تو وہ باز نہ آتی تھی اور وہ اسے ڈانٹتا تھا لیکن وہ اس کی ڈانٹ نہیں سنتی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک رات جب وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجو میں پڑی تھی اور آپ کو برا بھلا کہہ رہی تھی تو اس کے اندھے مالک نے خنجر لیا اور اس کے پیٹ پر رکھ دیا اور اس پر تکیہ لگا لیا۔ اور اسے قتل کر دیا۔ اس عورت کی ٹانگوں کے درمیان بچہ پڑا ہوا تھا تو وہ وہاں پر خون سے لتھڑ گیا صبح کو جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں اس شخص کو جس نے اپنے اوپر میرا حق رکھتے ہوئے یہ فعل کیا ہے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو جائے تو وہ اندھا کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا لرزتا کانپتا ہوا آیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس عورت کا ساتھی ہوں وہ آپ کو برا بھلا کہتی تھی اور آپ کی برائی میں پڑی رہا کرتی تھی میں اسے منع بھی کرتا تھا تو وہ باز نہ آتی تھی اور اسے ڈانٹا ڈپٹا تو اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس سے میرے دو موتیوں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری بڑی اچھی ساتھی تھی گزشتہ رات وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگی اور آپ کے بارے میں ایسی ویسی بات کہنے لگی تو میں نے خنجر لے کر اس کے پیٹ پر رکھا اور اس پر تکیہ لگا دیا۔ (زور لگایا) یہاں تک کہ میں نے اسے قتل کر دیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ خبردار گواہ رہو اس کا خون ہدر (بیکار اور لغو) ہے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ **(564)**

حضرت ابو برزۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كنت عند أبي بكر فتغيّظ على رجل، فاشتدّ عليه، فقلت: تأذن لي يا خليفة رسول الله ﷺ: أضرب عنقه؟ قال: فأذهبت كلمتي غضبه، فقام فدخل فأرسل إليّ فقال: ما الّذي قلت آنفا؟ قلت: ائذن لي أضرب عنقه. قال: أكنت فاعلا لو أمرتك؟ قلت: نعم قال: لا والله ما كانت لبشر بعد محمّد ﷺ۔ **(565)**

میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں بیٹھا ہوا تھا پس وہ کسی آدمی پر غضبناک ہو گئے اور اسے سخت سست کہا میں نے عرض کیا اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلفیہ آپ مجھے

اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن ماردوں؟ ابوبرزہ کہتے ہیں کہ میرے اس جملہ سے ان کا غصہ جاتا رہا اور وہ کھڑے ہوکر گھر کے اندر داخل ہوگئے اور مجھے بلا بھیجا اور فرمایا کہ تم نے ابھی کیا کہا تھا میں نے کہا کہ مجھے اجازت دیں تو اس کی گردن ماردوں؟ فرمایا کہ اگر میں تمہیں اس کا حکم دیتا تو کیا تم ایسا کردیتے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد کسی فرد بشر کے لیے کسی کو قتل نہیں کیا جاسکتا (برا بھلا کہنے پر)

3) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت بڑا گناہ ہے: جھوٹ فی نفسہ ایک برا عمل اور گناہ کا کام ہے لیکن آپ کے اوپر جھوٹ باندھنا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد نہیں فرمائی اس کو آپ کی طرف نسبت کر کے بیان کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وإنّ الكذب يهدي إلى الفجور وإنّ الفجور يهدي إلى النّار.(566)

جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

أربع من كنّ فيه كان منافقا خالصا، ومن كانت فيه خصلة منهنّ كانت فيه خصلة من النّفاق حتّى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدّث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر.(567)

چار باتیں جس کسی میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار کی ایک بات ہو اس میں ایک بات نفاق کی ہے، تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (وہ چار باتیں یہ ہیں) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب لڑے تو بے ہودگی کرے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ كذبا عليّ ليس ككذب على أحد فمن كذب عليّ متعمّدا فليتبوّأ مقعده من النّار.(568)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلّغوا عنّي ولو آية وحدّثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب عليّ متعمّدا فليتبوّأ مقعده من النّار.(569)

میری بات دوسرے لوگوں کو پہنچادو اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل کے واقعات (اگر تم چاہو تو) بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس شخص نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔

4) دیکھنے کے اعتبار سے خصوصیت: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

صلّى بنا رسول الله ﷺ يوما. ثمّ انصرف فقال: يافلان ألا تحسن صلاتك؟ ألا ينظر المصلّي إذا صلّى كيف يصلّي؟ فإنّما يصلّي لنفسه. إنّي والله لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يديّ. (570)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرا فرمایا: اے فلاں! تم اپنی نماز اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے؟ کیا نمازی نماز پڑھتے وقت یہ نہیں دیکھتا (غور نہیں کرتا) کہ وہ نماز کیسے پڑھتا ہے؟ وہ اپنے ہی لیے نماز پڑھتا ہے (کسی دوسرے کے لیے نہیں) اللہ کی قسم! میں اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

هل ترون قبلتي ههنا؟ فو الله ما يخفى عليّ ركوعكم ولا سجودكم. إنّي لأراكم وراء ظهري. (571)

کیا تم سمجھتے ہوں کہ میرا رخ ادھر (سامنے) ہی ہے؟ اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا رکوع مخفی ہے اور نہ تمہارا سجدہ، یقیناً میں تمہیں اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا:

ياعائشة هذاجبريل يقرئك السّلام. فقلت: وعليه السّلام ورحمة الله وبركاته، ترى مالا أرى. (572)

اے عائشہ! یہ جبرائیل (علیہ السلام) ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں انھوں نے جواب دیا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھ سکتی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّي أرى ما لا ترون، وأسمع ما لا تسمعون، إنّ السّماء أطّت وحقّ لها أن تئط. مافيها موضع أربع أصابع إلّا وملك واضع جبهته ساجدا لله. والله لو تعلمون ما أعلم، لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا. وما تلذّذتم بالنّساء على الفرش. ولخرجتم إلى الصّعدات تجأرون إلى الله. (573)

میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا حق ہے اس میں چار انگلی کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے کہ وہاں کوئی فرشتہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیشانی رکھ کر سجدہ ریز نہ ہو اللہ کی قسم اگر تم لوگ وہ کچھ جاننے لگو جو میں جانتا ہوں تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت نہ حاصل کرتے جنگلوں کی طرف نکل جاتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گڑگڑاتے۔

5) بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے برابر: امت کے لیے حکم یہ ہے کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اگر چہ کھڑے ہونے پر قدرت ہو، البتہ بیٹھ کر پڑھنے کی وجہ سے ثواب آدھا ہو جائے گا، لیکن آپ ﷺ اس حکم سے مستثنی تھے آپ ﷺ اگر بیٹھ کر بھی نفل نماز پڑھتے تو پھر بھی آپ کو ثواب مکمل ملتا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدِثتُ أنّ رسول الله ﷺ قال: صلاة الرّجل قاعدا نصف الصّلاة. قال فأتيته فوجدته يصلّي جالسا، فوضعت يدي على رأسه. فقال: مالك يا عبد الله بن عمرو قلت: حدّثت يا رسول الله أنّك قلت: صلاة الرّجل قاعدا على نصف الصّلاة وأنت تصلّي قاعدا قال: أجل ولكنّي لست كأحد منكم.(574)

مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا آدھی نماز کے برابر ہے تو میں آپ (ﷺ) کی خدمت میں آیا تو آپ کو میں نے بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے اپنا ہاتھ آپ (ﷺ) کے سر مبارک پر رکھا، آپ (ﷺ) نے فرمایا اے ابن عمر تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا آدھی نماز کے برابر ہے اور آپ (ﷺ) بھی تو بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن میں تم میں سے کسی جیسا نہیں ہوں۔

6) آپ کی میراث کا تقسیم نہ ہونا: امت کے مقابلہ میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے بھی ہے کہ آپ کے وصال کے بعد عام لوگوں کی طرح آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا نورث ما تركنا صدقة.(575)

ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

لا يقتسم ورثتي دينارا، ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤنة عاملي فهو صدقة۔(576)

میرا ورثہ دینار کی شکل میں تقسیم نہیں ہوگا میں نے اپنی بیویوں کے خرچہ اور اپنے عاملوں کی اجرت کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے وہ سب صدقہ ہے۔

7) آپ کی ازواج مطہرات مؤمنین کی مائیں: آپ ﷺ کی ازواج مطہرات امت کی عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ حضور ﷺ سے نسبت طے ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی ان کو خاص مقام اور شرف دیا اور ان کو امہات المومنین کا خطاب دیا، یعنی جس طرح ایک مسلمان نسبی ماں سے محبت تعظیم وتوقیر والا معاملہ کرتا ہے وہی محبت اور تعظیم ازواج مطہرات

کے حق بھی ہونا چاہیے، اسی طرح جیسے اپنی ماں سے شرعا نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح کرنا امت کے لیے حرام قرار دیا گیا، کیونکہ ازواج مطہرات جس طرح دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج تھیں آخرت میں بھی آپ کی ازواج رہیں گی۔ یہ حکم عام امت کے لیے نہیں ہے، امت میں اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی بیوی سے عدت کے بعد نکاح کرنا دوسروں کے لیے حلال اور جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ (الأحزاب:6)

ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں، اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا کَانَ لَکُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ وَلَا أَنْ تَنْکِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللهِ عَظِیماً.(الأحزاب:53)

اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

8) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنا حقیقت میں دیکھنا ہے: شیطان کو یہ طاقت نہیں دی گئی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں کسی کے خواب میں آجائے، آج بھی اگر کسی شخص کو زیارت ہو جائے تو اصلی زیارت ہی ہوگی۔ کیونکہ شیطان آپ کی صورت میں نہیں آسکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من رآنی فی المنام فقد رآنی فإنّ الشّیطان لا یتخیلُ بی۔ (577)

جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل 3: وجوہاتِ محبت

(2) جمال

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال اور حسن کی وضاحت کریں۔

جواب:

''حُسن'' کیا ہے؟

حیرت کی بات ہے کہ مفکرین آج تک حُسن کی کوئی تعریف متعین نہیں کر سکے۔ کوئی کہتا ہے کہ حُسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ یعنی کسی آنکھ کو کوئی صورت اتنی بھا جاتی ہے کہ دیکھنے والا اس پر فریفتہ وشیدا ہو جاتا ہے، جبکہ وہی صورت کسی دوسری آنکھ کو سرے سے متاثر ہی نہیں کرتی۔

کوئی کہتا ہے کہ حُسن علاقائی شئے ہے اور ہر علاقے کا معیارِ حُسن مختلف ہوتا ہے۔ افریقہ کے علاقے میں زیادہ سے زیادہ کالا ہونا حُسن ہے، جبکہ باقی علاقوں میں سیاہ رنگ بدصورتی میں شمار کیا جاتا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ حُسن کا رنگ سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ اعضاء کی موزونیت اور تناسب کا نام حُسن ہے اور جس طرح وائٹ بیوٹی ہوتی ہے، اسی طرح بلیک بیوٹی بھی ہوتی ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں، لیکن یہ اختلاف رائے عام انسانوں کے حُسن کے بارے میں تو ہو سکتا ہے۔

حُسن مصطفوی

جہاں تک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کا تعلق ہے تو ان کا حُسن اس بحث سے بالاتر اور ماورا ہے کیوں کہ آپ خالق حُسن وجمال کا اپنا انتخاب ہیں اور ظاہر ہے کہ جس خلاقِ اکبر کے علم میں دنیا وآخرت کے سارے حُسن مستحضر ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرے تو وہ ''ایک'' بلاشبہ ساری مخلوقات میں یکتا ومنفرد ہوگا اور حسن وخوبصورتی کی آخری انتہاء پر فائز ہوگا۔ اس کا کوئی ثانی ہوگا، نہ شریک۔ اس کی کوئی مثال ہوگی، نہ نظیر۔ اور وہی بے مثال وممتنع النظیر ہستی اس یکتا اعزاز کی مستحق ہوگی کہ وحدہٗ لاشریک رب کی محبوب قرار پائے اور بصد شانِ دلربائی اعلان فرمائے کہ:

أَلَا ! وَأَنَا حَبِيْبُ اللهِ (آگاہ رہو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں) (578)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ بعض علماء کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

لَمْ يَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ ﷺ لِأَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا أَطَاقَتْ أَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ.

ہمارے لیے آپ ﷺ کا مکمل حُسن ظاہر ہی نہیں ہوا کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ہماری آنکھیں آپ کی دیدار کی تاب نہ لاسکتیں۔

تاہم جس قدر آپ ﷺ کا حسن دنیا پر ظاہر ہوا، اس کو بھی دیکھ کر ایک عالم محوِ حیرت رہ گیا اور آپ کے دیدار سے مشرّف ہونے والا ایک عاشق بے ساختہ پکار اُٹھا:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ — جہاں میں ان سا چہرہ ہے نہ ہے خندہ جبیں کوئی
وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ — ابھی تک جن سکی نہ عورتیں ان سا حسین کوئی
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِنْ كُلِّ عَيْبٍ — نہیں رکھی ہے قدرت نے میرے آقا کمی تجھ میں
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ — جو چاہا آپ نے مولا وہ رکھا ہے سبھی تجھ میں

حسن کے دو پہلو ہیں۔ صباحت اور ملاحت۔ صباحت، صبح سے مشتق ہے، یعنی صبح کی طرح روشن و تابناک ہونا۔ ملاحت، ملح (نمک) سے ماخوذ ہے، یعنی نمک جیسا نمکین اور سلونا ہونا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حُسن ''حُسنِ صبیح'' تھا اور روشنی اور تابانی میں اپنی مثال آپ تھا مگر اس میں جاذبیت اور دلکشی نسبتاً کم تھی۔ اسی لیے ان کے حُسن سے غیر معمولی طور پر متاثر صرف خواتین ہوئیں، کسی مرد پر اتنا شدید اثر نہیں ہوا، جبکہ رحمت عالم ﷺ کا حُسن ''حُسنِ ملیح'' تھا اور اس کے جذب و کشش کا یہ عالم تھا کہ کیا مرد، کیا عورتیں، کیا جوان، کیا بوڑھے، کیا بچے، کیا بچیاں، کیا حبشی، کیا رومی، کیا عربی، کیا عجمی، غرضیکہ ہر صنف آپ کے حُسن سے مسحور نظر آتی ہے اور ہر نوع آپ کے عشق میں مخمور دکھائی دیتی ہے۔

صباحت و ملاحت کا فرق واضح ہوجانے کے بعد یہ بھی جان لیجئے کہ ان دونوں کی اثر انگیزی کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ صباحت، انتہائی شدت اور زور سے یک بارگی اثر انداز ہوتی ہے مگر اس میں گہرائی کی کمی ہوتی ہے، جبکہ ملاحت نہایت ہی شیریں اور دھیمے دھیمے انداز میں اثر کرتی ہے اور دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن صبیح سارے عالم میں ضرب المثل ہے۔ یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ ان کے حسن سے بہت زیادہ متاثر عزیز مصر کی بیوی ہوئی تھی۔ ''یوسف زلیخا'' کے عنوان سے عجمی زبانوں میں چھپنے والی عشقیہ داستانوں سے قطع نظر۔ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اس کی خواہشات کے آگے سر نہ جھکایا تو اس نے

بالائی طبقے کی نمائندہ خواتین کے اجتماع میں سرعام یہ اعلان کر دیا کہ:

لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۔(یوسف:33)

اگر اس نے وہی کچھ نہ کیا جس کا میں اسے حکم دیتی ہوں تو اس کو لازماً قید کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

کیا آپ آقا ملیح ﷺ کے شیدائی کسی مرد یا عورت سے تصور کر سکتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے محبوب آقا کے بارے میں ایسا کوئی خیال بھی گزرے؟ زبان سے کہنا، اور بھرے مجمع میں کہنا تو بہت دور کی بات ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام گناہ سے بمشکل جان بچا کر دامانِ دریدہ کے ساتھ بند کمروں سے باہر نکلے تو اِمْرَاَةُ الْعَزِيْزِ کا خاوند سامنے کھڑا تھا۔ یہ دیکھ کر عزیز مصر کی بیوی جھٹ الزام تراشی پر اتر آئی اور حضرت یوسف علیہ السلام جیسے معصوم اور بے گناہ نوجوان پر بے دھڑک تہمت جڑ دی کہ اس نے مجھ سے دست درازی کی کوشش کی ہے:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔(یوسف:25)

کہنے لگی! کیا سزا ہے اس شخص کی جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، سوائے اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے، یا کوئی دردناک عذاب دیا جائے۔

اللہ اکبر.....! ایک طرف عزیز مصر کی بیوی اپنے "محبوب" کو قید کرنے اور عذاب الیم میں مبتلا کرنے کی خواہش ظاہر کر رہی ہے اور دوسری طرف یہ ایمان افروز نظارا کیجیے کہ نمکین حسن والے عربی محبوب کے ایک عاشق کو صلیب پر چڑھا دیا گیا ہے اور اس کے جسم کو تیروں اور نیزوں سے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ اس حالت میں ایک ستم گر اس سے پوچھتا ہے:

سچ بتا! اگر آج تو بچ جاتا اور تیری جگہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا جاتا تو کیا تیرے خیال میں بہتر نہ ہوتا؟

اگرچہ اس وقت اس کے جسم سے لہو کے فوارے ابل رہے تھے اور وہ ناقابل برداشت کرب و اذیت سے دوچار تھا مگر فوراً جواب دیا:

واللہ العظیم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری جان کے بدلے محمد ﷺ کے پاؤں میں کوئی کانٹا بھی چبھے۔(579)

یہ فرق ہے شیدائیانِ حسنِ صبیح اور فریفتگانِ حسنِ ملیح کا.....! رضی اللہ عنہم

آیئے تاریخ و سیرت کے جھروکوں سے اس ملیح دلآرا کے جمال بے مثال کی ایک جھلک دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن واضح رہے کہ یہاں جو کچھ ذکر کیا جائے گا وہ زیادہ تر صباحت کے زمرے میں آتا ہے، کیوں کہ ملاحت تو ایک کیفیت کا نام ہے، جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پھول کی شکل و صورت اور اس کی کلیوں، پتیوں اور رنگ روپ کی تفصیلات تو بیان کی جا سکتی ہیں مگر اس کی من بھاتی خوشبو کی نوعیت بیان کرنے کے لیے کوئی الفاظ کہاں سے لائے۔

رُوئے انوار

(1) سِراجًا مُّنیرًا تھا

قرآن کریم میں رب العالمین نے اپنے محبوب کو سراجاً منیرًا قرار دیا ہے۔(احزاب:46) سراج چراغ کو کہتے ہیں اور منیر کے معنٰی ہیں نور دینے والا، روشنی پھیلانے والا۔ اس لحاظ سے سراجاً منیرًا کا معنٰی ہوا چراغِ نور افشاں۔

بجلی کی ایجاد سے پہلے روشنی کے معروف ذرائع تین تھے۔ سورج، چاند اور چراغ۔ ان تینوں میں روشنی کا سب سے بڑا منبع سورج ہے۔ چاند کی روشنی اس سے بدرجہا کم ہے اور چراغ کی روشنی تو بہت مدھم اور محدود ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چراغ کیوں کہا ہے۔ اوّلاً تو آفتاب کہنا چاہئے تھا کہ نور وضیاء کی فراوانی جس طرح اس میں پائی جاتی ہے، کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی، نیز محبوب کے لیے خورشید کا استعارہ عربی ادب میں مروج بھی ہے۔

اگر کسی وجہ سے آفتاب نہیں کہا تو پھر چاند کہنا چاہئے تھا کیوں محبوب کے چہرہ کے لیے چودھویں کے چاند کا استعارہ ہر زبان میں رائج ہے۔ اہل مدینہ کا استقبالیہ نغمہ معروف ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ (580/1)

آخر اس میں کیا راز ہے کہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ نے اپنے محبوب کی مدح وستائش کے لیے سورج چاند جیسے منابع نور کو چھوڑ کر چراغ کو پسند فرمایا اور سراجاً منیرًا کے لقب سے نوازا۔ سورج اور چاند کی ضیاباریوں کے مقابلے میں چراغ کی ٹمٹماتی لَو کی حقیقت ہی کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چاند سے تشبیہ مناسب نہ تھی کیوں کہ وہ بذات خود ایک غیر منوّر کرّہ ہے، اس کی تابانی سورج کی روشنی کی مرہونِ منت ہے، اگر سورج کی روشنی منقطع ہوجائے تو چاند کی چاندنی از خود ختم ہوجائے گی۔

رہا سورج تو وہ اگرچہ بذات خود منور ہے مگر اس کی روشنی میں اتنی تیزی اور حدّت ہے کہ آنکھیں اسے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتیں اور کوئی اسے دیکھنے کی کوشش کرے تو اس کی بینائی زائل ہوجانے کا خدشہ ہے، جبکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روئے منوّر کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے، دل کو فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے اور دیکھنے والے کی روح خوشیوں اور مسرتوں کی ایسی رنگین وادیوں میں پہنچ جاتی ہے، جہاں ہر پریشانی ختم ہوجاتی ہے اور ہر غم معدوم ہوجاتا ہے۔ جس خاتون کا خاوند اور بیٹے جنگ میں شہید ہوگئے تھے، اس نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روئے منور کو دیکھ کر جو جملہ کہا تھا، وہ اسی کیفیت کا غماز ہے۔ اس نے کہا تھا: كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (آپ کا دیدار کر لینے کے بعد ہر مصیبت میرے لیے ہیچ ہے۔)

غرضیکہ سورج کی روشنی کی حدت اور تیزی اس سے مانع ہے کہ آپ ﷺ کو اس سے تشبیہ دی جائے۔

اس لحاظ سے چراغ کی تشبیہ نہایت موزوں ہے کہ وہ بذاتِ خود منور بھی ہے اور اس کے گرد پروانوں کا ہجوم بھی رہتا ہے، مگر اس تشبیہ میں بھی ایک کمی رہ جاتی ہے کہ چراغ کی روشنی انتہائی محدود اور کمزور سی ہوتی ہے، جب کہ آقائے عالم ﷺ کی روشنی لامحدود اور بے انتہا ہے۔

تشبیہ کی اس کمی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر فرمائی کہ اپنے کلام میں تین جگہ، سورۂ فرقان، سورۂ نوح اور سورۂ نبا میں، سورج کے لیے سراج کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا(فرقان: 61) وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا(نوح: 16) سِرَاجًا وَّهَّاجًا(نباء:13)

تاکہ جب میرے محبوب کے لیے سراج کا لفظ بولا جائے تو سننے والے کا ذہن اس چراغ کی طرف منتقل نہ ہو، جس کی معمولی سی روشنی دس گز سے آگے نہیں بڑھ پاتی، بلکہ اس کے ذہن میں آفتاب عالمتاب کا تصور اُبھرے، لیکن آفتاب کے تصور کے ساتھ ہی اس کی حدت اور تیزی کا تصور بھی اُبھرتا ہے، اس کے دفعیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے مُنِیرًا کا اضافہ فرمادیا۔

دوسری جگہ قمر (چاند) کی صفت بیان کی گئی ہے۔ وَقَمَرًا مُّنِيرًا۔ جب کہ سورج کے لیے یہ صفت کہیں نہیں بیان کی گئی، بہ الفاظ دیگر سورج کو سراج کہا ہے، مُنیر نہیں کہا اور چاند کو منیر کہا ہے، سراج نہیں کہا، مگر اپنے محبوب کے لیے دونوں کو جمع کرکے سراجا منیرا فرمایا۔

یعنی میرا محبوب چراغ کی طرح بذات خود منور تو ہے، مگر اس کی روشنی چراغ کی طرح محدود نہیں، بلکہ سورج کی طرح لامحدود ہے۔ لامحدود تو ہے مگر اس کی روشنی سورج کی طرح ناگوار نہیں گزرتی، بلکہ چاند کی چاندنی جیسی ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ ٹھنڈک تو پہنچاتی ہے مگر اس کی روشنی چاند کی طرح کسی اور سے مستفاد نہیں ہے، بلکہ وہ چراغ کی طرح بذات خود منور ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ نے نور ضیاء کے تینوں ذرائع اپنے پیارے حبیب ﷺ کے لیے ثابت فرما کر تمام اقسام کے انوار اس مقدس سراپا میں ضم فرمادیئے۔ اور اس پر مزید یہ کہ محبوب خدا ﷺ شمس وقمر کی طرح عُشاق کی رسائی سے باہر نہیں ہے، بلکہ چراغ کی طرح پروانوں کے ہجوم میں گھرا رہتا ہے۔ ایسے پروانے کہ اس کے ایک اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ (580/2)

(2) حسین ترین تھا

رحمت عالم ﷺ کا دیدار کرنے والے اس پر متفق ہیں کہ آپ کا روئے انور سارے عالم سے زیادہ خوبصورت تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا ۔(581/1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھا۔

(3) قرآن کا ورق تھا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے۔ پیر کے دن جب لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے ہوئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ کا پردہ ہٹائے کھڑے ہوئے، ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

كَأَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک (حسن و جمال اور صفائی میں) گویا مصحف کا ورق تھا۔(581/2)

(4) سرخ و سفید تھا

ابوطالب نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ایک طویل قصیدہ کہا تھا جس کا یہ مصرعہ مشہور عالم ہے۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۔(582)

وہ سفید رنگ والا، جس کے توسل سے بارش طلب کی جاتی ہے۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"أَبْيَضُ، مَلِيْحُ الْوَجْهِ.(583)

سفید رنگ والے، نمکین چہرے والے۔

صرف سفیدی ہی نہ تھی، اس میں سرخی کی بھی انتہائی متناسب آمیزش تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَبْيَضُ، مُشْرَبٌ بِحُمْرَةٍ ۔(584)

آپ کا رنگ سفید تھا، جس میں سرخی ملی ہوئی تھی بہ الفاظ دیگر سرخی مائل سفید تھا۔

(5) آئینے جیسا تھا:

روئے دلآویز بے حد شفاف تھا، خصوصاً خوشی اور مسرت کے موقع پر یہ شفافیت اتنی بڑھ جاتی تھی کہ آس پاس کی چیزیں اس میں جھلکتی معلوم ہوتی تھیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ سُرَّ فَكَأَنَّ وَجْهَهٗ الْمِرْاٰةُ وَكَأَنَّ الْجُدُرَ تُلَاحِكُ

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

وَجْهَهٗ ﷺ۔ (585)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسرور ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ آئینے کی طرح دمکتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس میں اردگرد کی دیواروں کا عکس اتر آیا ہو۔

(6) روشن تھا:

اُمِّ معبد وہ خوش نصیب خاتون تھیں، جن کے خیمے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر ٹھہرے تھے اور ان کی ایک لاغر اور سوکھی بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تھا تو اتنا دودھ اتر آیا تھا کہ سب سیر ہو گئے تھے اور برتن بھر گئے تھے۔ بعد میں جب امّ معبد کا خاوند باہر سے واپس آیا تو اس کے سامنے اُمِّ معبد نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حلیہ بیان کیا تھا، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

ظَاهِرُ الْوَضَاءَةِ أَبْلَجُ الْوَجْهِ۔ (586) (نمایاں حسن والے، روشن چہرے والے)

بہرحال آپ کے چہرے کا روشن و درخشاں ہونا تو مسلّم ہے لیکن اس روشنی کی کیفیت اجاگر کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اندازِ بیاں مختلف ہے۔

(7) چاند جیسا تھا:

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں:

يَتَلَأْلَؤُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (587)

آپ کا چہرہ یوں چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔

ایک خاتون کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ ان مبارک گھڑیوں کا تذکرہ کر رہی تھیں اور لوگوں کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طواف و استلام کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ مشتاقانِ جمال نبوی میں سے کسی نے کہا ”ذرا تشبیہ دے کر واضح کیجئے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے لگ رہے تھے؟“ انہوں نے جواب دیا:

كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ۔ (588)

چودھویں رات کے چاند کی طرح، میں نے ان جیسا پہلے کوئی دیکھا، نہ بعد میں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ إِلَّا شَبَّهَهٗ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (589)

جس کسی نے بھی آپ کا وصف بیان کیا، اس نے آپ کو چودھویں رات کے کے چاند سے تشبیہ دی۔

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(8) چاند کا ٹکڑا تھا:

فرحت وسرور کے وقت روئے انور کی تابانی میں اضافہ ہو جاتا تھا اور بالکل چاند کا ٹکڑا لگتا تھا۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا سَرَّ إِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ كَأَنَّهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ .(590)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی بات پر خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ یوں دمک اٹھتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔

ممکن ہے آپ سوچیں کہ چاند کا ٹکڑا تو چاند کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، پھر اس کے ساتھ تشبیہ دینے سے زیادہ تابانی و درخشانی کا مفہوم کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟

عقلی طور پر یہ بات بالکل درست ہے لیکن ذوق و وجدان کے لحاظ سے ''چاند کا ٹکڑا'' میں زیادہ مبالغہ ہے۔ تاہم اتنا تو ہر اردو دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ ''زید میرا جگر ہے'' میں وہ بات نہیں جو ''زید میرے جگر کا ٹکڑا ہے'' میں پائی جاتی ہے۔

غرضیکہ اکثر واصفانِ جمالِ نبوی نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔ کسی نے چاند جیسا کہا، کسی نے چودھویں رات کے چاند جیسا اور کسی نے چاند کا ٹکڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیائے محبت میں روئے محبوب کے حسن و جمال اور اس کی چمک دمک کو اجاگر کرنے کے لیے چاند سے بہتر تشبیہ کوئی نہیں، کیوں کہ اس کی روشنی ٹھنڈک، فرحت اور سکون کا تاثر لیے ہوئے ہوتی ہے اور آنکھوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ چاند کا رنگ زرد ہوتا ہے اور اس کی روشنی میں بھی پیلاہٹ پائی جاتی ہے، جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ سرخی مائل سفید تھا اور زردی اس میں نام کو نہ تھی۔ شاید اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس تشبیہ سے گریز کیا ہے اور سورج سے تشبیہ دی ہے۔

(9) سورج جیسا تھا:

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کسی نوجوان نے مطالبہ کیا کہ مجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کچھ بتایئے! انہوں نے جواب دیا:

يَابُنَيَّ! لَوْ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً ۔(591)

بیٹے! اگر تو نے انہیں دیکھا ہوتا تو تجھے یوں دکھائی دیتا جیسے آفتاب طلوع ہو رہا ہو۔

لیکن اس تشبیہ میں یہ الجھن ہے کہ سورج کی طرف دیکھنے سے آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے، جبکہ روئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے آنکھیں لطف اٹھاتی تھیں اور راحت پاتی تھیں۔

شاید اسی خامی کی وجہ سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس تشبیہ کا انداز بدل دیا اور بالکل اچھوتا تخیل پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا:

كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ ۔(592)

یوں لگتا تھا جیسے سورج آپ کے چہرے میں جاری وساری ہو۔

(10) سورج چاند جیسا:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے آفتاب ومہتاب پر غور کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ نہ تنہا چاند آپ کے روئے منور کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، نہ اکیلا سورج۔ اس لیے انہوں نے دونوں کو جمع کر دیا اور فرمایا:

مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔ (593) سورج چاند جیسا چہرہ تھا۔

یعنی تابانی درخشانی سورج جیسی تھی اور دلکشی ونظر نوازی چاند جیسی۔

اللہ اکبر! کیسے سچے عاشق تھے وہ لوگ کہ خود بھی اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے دلآویز کے تصور میں کھوئے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ ہمیں تو اس روئے پرانوار کے دیدار کی سعادت حاصل ہے مگر بعد میں آنے والوں کو اس کے حسن وخوبصورتی سے کیسے آگاہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ آنکھوں سے دکھائی دینے والی چیزوں میں سے انتہائی روشن وتابناک اور حسین وجمیل اشیاء کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر اپنے اپنے انداز میں روئے محبوب خدا کو ان سے تشبیہ دیتے ہیں تا کہ جن لوگوں نے وہ عالمتاب چہرہ نہیں دیکھا، انہیں پورے طور پر نہ سہی، کسی حد تک تو اندازہ ہو جائے کہ جس سوہنے مکھڑے پر ہم مرمٹے تھے، وہ کیسا تھا۔

یہ مقصد نہیں تھا کہ روئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شمس وقمر سے موازنہ کیا جائے۔

ہاں، کبھی کبھی دوسروں کو سمجھانے کے لیے کم تر چیزوں سے بھی تشبیہ دینا پڑ جاتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال روغنِ زیتون سے جلنے والے اس چراغ سے دی ہے جو طاق میں شیشے کے اندر رکھا ہو۔ ورنہ کہاں نور السمٰوٰت والارض کا نور اور کہاں چراغ کی مدھم سی لو۔

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک ایمان افروز مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

> ایک رات چاند پوری طرح تاباں ودرخشاں تھا۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور تاریکی کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ اس منور فضا میں اچانک میری نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی۔ اس وقت آپ نے سرخ چادر اوڑھ رکھی تھی اور بہت ہی حسین لگ رہے تھے، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ۔ میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تھا، کبھی چاند کو۔ فَاذا هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِيْ مِنَ الْقَمَرِ۔ رب کی قسم! میرے خیال میں وہ چاند سے بدر جہا حسین تھے۔ (594)

جبیں دلنشین:

چہرے کا نمایاں حصہ انسان کی پیشانی ہے۔ کشادہ، ہموار اور چمکدار ماتھا خوبصورتی اور بلند اقبالی کی علامت ہے، جب کہ

تنگ، پچکی ہوئی یا باہر کو ابھری ہوئی اور دھندلائی ہوئی پیشانی بدصورتی اور بدنصیبی کی نشانی ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین حسین کشادہ اور ہموار تھی۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو "واسع الجبین" کہا ہے۔(595)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے "مفاض الجبین" (596) معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی کشادہ پیشانی والے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ جَبِينُ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلْتًا۔ (597) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی واضح اور ہموار تھی)

روشن اس قدر تھی کہ اندھیرے میں چراغ کی طرح چمکتی تھی۔ شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان ابنِ ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَتٰى يَبْدُ فِي اللَّيْلِ الْبَهِيمِ جَبِينُهٗ يَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَى الْمُتَوَقِّدِ

انتہائی تاریک رات میں جب آپ کی پیشانی ظاہر ہوتی ہے تو یوں چمکتی ہے جیسے اندھیرے میں چراغ روشن ہو۔(598)

خوشی کے موقع پر پیشانی اقدس کے خطوط مزید درخشاں ہو جاتے تھے۔ تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهٖ۔ (599)

دونوں بھنوؤں کے درمیان پیشانی میں ایک رگ تھی جو غصے کے عالم میں ابھر آتی تھی۔ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ۔ (600)

ایک دفعہ گرمی کا موسم تھا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماتھے پر پسینہ آرہا تھا۔ یہ بہت ہی خوبصورت اور دلربا نظارہ تھا۔ پیشانی سے پھوٹنے والی شعاعیں جب پسینے کے شفاف قطروں میں منعکس ہوتی تھیں تو یوں لگتا تھا جیسے ہفت رنگ روشنی نور کے موتیوں کی شکل میں مجسم ہوگئی ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"فَبُهِتُّ" میں یہ منظر دیکھ کر مبہوت ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو کہا۔ "مَالَكِ؟ بُهِتِّ" تجھے کیا ہوا ہے؟ کیوں کھوگئی ہو؟ میں نے عرض کی:

يَارَسُوْلَ اللهِ! جَعَلَ جَبِيْنُكَ يَعْرَقُ وَجَعَلَ عِرْقُكَ يَتَوَلَّدُ نُوْرًا

یارسول اللہ! آپ کے ماتھے پر پسینہ آرہا ہے اور پسینے سے نور کے موتی بن رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید عرض کی: اگر ابو کبیر ہذلی (عرب کا مشہور شاعر) آپ کو اس حال میں دیکھ لیتا تو پکار اٹھتا کہ اس کے اس شعر کے حقیقی مصداق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں:

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلٰى أَسِرَّةِ وَجْهِهٖ بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

اگر تم میرے ممدوح کی پیشانی کے خطوط کو دیکھو تو یوں چمکتے نظر آئیں گے، جیسے بادل میں بجلی لہرا رہی ہو۔(601)

غور کیجئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ہیں اور دن رات میں کئی کئی مرتبہ آپ کی زیارت سے فیضیاب ہوتی ہیں، مگر اس کے باوجود حسنِ مصطفوی کی تجلیاں اتنی گونا گوں اور نوع بنوع ہیں کہ ہر وقت کی رفیقۂ حیات بھی مبہوت ہو جاتی ہے اور نظارۂ جمال میں کھو جاتی ہے۔

محرابی ابرو

حسن و جمال کے اعتبار سے وہ ابرو مثالی ہوتے ہیں جو محرابی شکل رکھتے ہوں، پتلے اور لمبے ہوں اور ان کے بال بھرپور اور پورے ہوں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابروؤں میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو "أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ" کہا ہے۔ (602)

حواجب تو ابروؤں کو کہتے ہیں، البتہ ازج کے مفہوم میں خاصی وسعت ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن ابروؤں میں یہ تین صفات پائی جائیں وہ ازج ہوتے ہیں۔

1۔ کمان کی طرح گولائی کا پایا جانا۔

2۔ لمبا ہونا۔

3۔ بھرپور بالوں والا ہونا۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک اور وصف بھی ازجُّ کے مفہوم میں شامل ہے، یعنی باریک ہونا۔

اس طرح "أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ" کا پورا مفہوم یہ بنے گا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو لمبے تھے، باریک تھے، بھرپور بالوں والے تھے اور کمان یا محراب کی مانند گولائی رکھتے تھے۔

یہ صفات تو متفقہ ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں ابرو آپس میں ملے ہوئے تھے یا جدا جدا تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو "مَقْرُون الحاجبین" کہا ہے۔ یعنی دونوں ابرو باہم ملے ہوئے تھے۔ (603)

جبکہ حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے ابروؤں کو "سَوَابِغُ فِيْ غَيْرِ قَرْنٍ" قرار دیا ہے۔ یعنی تام اور مکمل تھے، لیکن ایک دوسرے سے جدا تھے۔ (604)

شارحین حدیث نے ان دو متضاد روایتوں میں تین طرح سے تطبیق کی ہے۔

ایک یہ کہ اوائل عمر میں آپ کے ابرو جدا جدا تھے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ بالوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور آخر میں دونوں باہم مل گئے۔ چناں چہ جنہوں نے آپ کو "مَقْرُون الحاجبین" کہا ہے، انہوں نے عمر کی آخری حصے کی کیفیت

بیان کی ہے اور جنہوں نے "مِنۡ غَیۡرِ قَرَنٍ" کہا ہے، انہوں نے آپ کی جوانی کے زمانے کی بات کی ہے۔
دوسری یہ کہ آپ کے ابرو درحقیقت متصل تھے مگران کو ملانے والے بال اتنے پتلے اور ملائم تھے کہ عام حالات میں نظر نہیں آتے تھے۔ ہاں، جب سفر وغیرہ کی وجہ سے ان پر گرد پڑ جاتی تھی تو نمایاں دکھائی دینے لگتے تھے۔ گویا سفر اور گرد والے کام مثلاً جہاد وغیرہ کے دوران آپ "مَقۡرُون الحاجبین" ہوتے تھے۔ اور عام حالات میں "مِنۡ غَیۡرِ قَرَنٍ"۔
تیسری یہ کہ درحقیقت آپ کے ابرو جدا جدا تھے، مگر دور سے ملے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ چناں چہ جنہوں نے "مَقۡرُون الحاجبین" کہا ہے، انہوں نے دور سے دکھائی دینے والا منظر بیان کیا ہے اور جنہوں نے "مِنۡ غَیۡرِ قَرَنٍ" کہا ہے، انہوں نے نزدیک سے نظر آنے والے نظارے کے بارے میں بتایا ہے۔ زیادہ تر محدثین نے اسی توجیہہ کو ترجیح دی ہے۔

مخمور آنکھیں:

کہا جاتا ہے کہ آدھا حسن آنکھوں میں ہوتا ہے۔ بجھی بجھی اور چھوٹی بٹن نما آنکھیں اچھے بھلے چہرے کا ستیاناس کر دیتی ہیں، جبکہ چمکتی، دمکتی، بڑی اور لمبی بادامی آنکھیں عام چہرے کو بھی جاذب نظر بنا دیتی ہیں اور اگر چہرہ حسین ہو اور آنکھیں بھی ستم ڈھا رہی ہوں تو جاذبیت ودلکشی مزید بڑھ جاتی ہے اور دیکھنے والا اس کی مقناطیسیت کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔
یہ تو عام آنکھوں کی بات ہے، پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں۔ اللہ اکبر! ان کی دلآویزی وخوشنمائی کا کیا کہنا۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو عَظِیۡمُ الۡعَیۡنَیۡنِ، أَنۡجَلُ الۡعَیۡنَیۡنِ، اور أَدۡعَجُ الۡعَیۡنَیۡنِ کہا ہے۔ یعنی آپ کی آنکھیں بڑی تھیں، کشادہ تھیں اور ان کی سیاہی بہت گہری تھی۔
سیاہ حصے کے گرد جو سفیدی پائی جاتی ہے، وہ بھی نہایت واضح اور نمایاں تھی۔ یعنی نہ تو مٹیالی تھی نہ زردی مائل، البتہ اس میں سرخ رنگ کے انتہائی باریک ڈورے تیرتے رہتے تھے، جن کی وجہ سے آنکھیں بے پناہ حسین نظر آتی تھیں اور ہر دیکھنے والے کا دل موہ لیتی تھیں۔
حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو أَشۡکَلُ الۡعَیۡنَیۡنِ (605) کہا ہے۔ أَشۡکَلُ شَکۡلَةٌ سے مشتق ہے اور شَکۡلَةٌ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ اَلۡحُمۡرَةُ تَکُوۡنَ فِیۡ بَیَاضِ الۡعَیۡنَیۡنِ یعنی آنکھ کی سفیدی میں جو سرخی پائی جاتی ہے اس کو شَکۡلَةٌ کہا جاتا ہے۔
اسی کیفیت کو واضح الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا مُشۡرَبُ الۡعَیۡنِ بِحُمۡرَةٍ، آپ کی آنکھوں میں سرخی کی آمیزش تھی۔ (606)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں گلابی ڈوروں کا پایا جانا اس خصوصیات میں سے تھا جو سابقہ الہامی کتابوں میں آپ کی نبوت کی علامات کے طور پر مذکور تھیں۔ اسی لیے راہب حضرات اس نشانی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ یمن بھیجا تو وہاں ایک راہب سے ملاقات ہوئی جس کے ہاتھوں میں کوئی قدیمی کتاب تھی۔ اس نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ پوچھا تو میں نے جس حد تک مستحضر تھا، بیان کر دیا مگر اس کی تشفی نہ ہوئی۔

کہنے لگا.... **وَمَاذَا**....؟ اور کچھ؟

میں نے کہا.... **هٰذَا مَا يَحْضُرُنِي.** اس وقت تو اتنا ہی یاد ہے۔

اس نے کہا.... **فِيْ عَيْنَيْهِ حُمْرَةٌ، حَسَنُ اللِّحْيَةِ؟** کیا ان کی آنکھوں میں سرخی پائی جاتی ہے اور ڈاڑھی بہت خوبصورت ہے؟

یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی، میں نے کہا.... **هٰذِهٖ وَاللهِ صِفَتُهٗ.** اللہ کی قسم! یہ صفات ان میں پائی جاتی ہیں۔

اس نے کہا، آخری رسول کی یہ تمام نشانیاں میرے آباء واجداد کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ **(607)**

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا ایک اور انوکھا وصف یہ تھا کہ وہ قدرتی طور پر سرمگیں تھیں۔ یعنی سرمہ لگائے بغیر یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے سرمہ لگا ہو۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إذا نظرتُ الى رسول الله ﷺ قُلتُ اكحلُ وليس بِأَكحَلَ۔ (608)

میں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تھا، سمجھتا تھا کہ آپ نے سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔

یہ وصف پیدائشی تھا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں: **وُلِدَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَخْتُوْنًا مَكْحُوْلًا** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت کے وقت ہی ختنہ شدہ اور سرمگیں آنکھوں والے تھے۔) **(609)**

مختصر یہ کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بناوٹ کے اعتبار سے بڑی بڑی اور کشادہ تھیں۔ سیاہ حصہ مکمل طور پر سیاہ تھا اور سفید حصہ انتہائی سفید تھا، البتہ اس میں باریک گلابی ڈورے تیرتے رہتے تھے۔ گوشہ ہائے چشم اور زیریں وبالائی پپوٹوں کے وہ حصے جو آپس میں ملتے ہیں، مائل بہ سیاہی تھے جن کی وجہ سے سرمہ لگائے بغیر بھی آپ کی آنکھیں سرمے والی دکھائی دیتی تھیں۔

ایسی بے مثال آنکھیں بذاتِ خود ہی کچھ کم دیدہ زیب ودلفریب نہ تھیں کہ اوپر سے لمبی لمبی پلکوں کی خوبصورت جھالر نے ان کی دلربائی میں مزید اضافہ کر رکھا تھا۔ بقول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ **اَهْدَبُ الْأَشْفَارِ** تھے۔ یعنی لمبی پلکوں

والے۔(610)

یہ تو آنکھوں کی ساخت، بناوٹ اور رنگت کی چند جھلکیاں تھیں۔ جہاں تک ان کی بصارت کا تعلق ہے تو اس کی وسعت و ہمہ گیری عقل و فہم سے ماوراء ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنِّیْ أَرٰی مَالَا تَرَوْنَ (611) (میں وہ کچھ دیکھتا ہوں، جو تم نہیں دیکھتے)

ہم کیا اور ہمارا دیکھنا کیا۔ ہماری آنکھ صرف سامنے کی چیز دیکھ سکتی ہے، جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں پس پشت بھی دیکھتی تھیں۔ چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امام سے پہلے رکوع و سجود میں جانے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

لوگو! میں تمہارا امام ہوں اس لیے مجھ سے پہلے رکوع اور سجدے میں نہ چلے جایا کرو۔ میں تمہیں دیکھتا رہتا ہوں، خواہ تم میرے آگے ہو، یا پیچھے (612)

کیا تم سمجھتے ہو کہ میں صرف اپنے روبرو دیکھتا ہوں؟ اللہ کی قسم، مجھ پر تمہارا رکوع، بلکہ خشوع بھی مخفی نہیں رہتا، کیوں کہ میں پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔ إِنِّیْ لَأَرٰکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ۔ (613)

ہماری آنکھ صرف روشنی میں دیکھتی ہے، جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں روشنی اور تاریکی میں یکساں دیکھتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں کا بیان ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَرٰى فِي اللَّيْلِ بِالظُّلْمَةِ كَمَا يَرٰى فِي النَّهَارِ بِالضَّوْءِ۔ (614)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی تاریکی میں اسی طرح دیکھتے تھے جیسے دن کی روشنی میں۔

ہماری آنکھوں کی بینائی تھوڑی دور تک کام کرتی ہے، جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمِ اقدس کی بینائی مشرق و مغرب کو محیط ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا۔ (615)

اللہ تعالیٰ نے میرے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا

ہمارا مشاہدہ صرف دنیاوی اشیاء تک محدود ہے، جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی رسائی جنت و دوزخ تک ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيْتُهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا، حَتّٰى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ۔ (616)

جو کچھ مجھے اب تک نہیں دکھایا گیا تھا، وہ سب میں نے اس مقام پر دیکھ لیا ہے، حتی کہ جنت و دوزخ بھی۔

ان سب عظمتوں سے ماوراء عظمت و افتخار یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں نے شب معراج اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (نجم:18) اور جس ہمت اور حوصلے سے اس جہانِ حیرت کی آیات کو دیکھا، اس کی داد خود اس آنکھ کے خالق اکبر نے ان پرشکوہ الفاظ میں دی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نہ ان کی نگاہ

ہٹی، نہ بڑی۔) (نجم:17)

اور اس سے بھی بلند و بالا مقام یہ ہے کہ ان آنکھوں نے ذاتِ باری تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا۔ اس طرح نہیں جیسے اہلِ جنت اپنے رب کو دیکھیں گے، کیوں کہ وہ تو دور سے دیکھیں گے، جیسے دنیا میں چودھویں کے چاند کو دیکھا کرتے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو قریب سے، بہت قریب سے، بہت ہی قریب سے دیکھا۔ یعنی دو کمانوں سے بھی کم فاصلے سے۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ. (نجم:9)

اللہ اکبر! ایک طرف تو ان آنکھوں کی قوت و رسائی کا یہ عالم تھا کہ عین ذات کے جلوے برداشت کرنے کی طاقت رکھتی تھیں اور دوسری طرف ان کی شرم و حیا اور تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ اوپر کو اُٹھتی ہی نہیں تھیں، مگر شاذ و نادر۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتاتے ہیں:

خَافِضُ الطَّرْفِ، نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ (617)

آپ نگاہیں جھکائے رکھتے تھے، آسمان کی جانب کبھی کبھار ہی نگاہ اُٹھاتے تھے۔

اسی فطری حیاء کی وجہ سے آپ کسی کو نظر بھر کر دیکھتے بھی نہیں تھے، بلکہ ہمیشہ گوشۂ چشم سے التفات فرمایا کرتے تھے۔ كَانَ جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ. (618)

اللہ اللہ!! اس نگاہِ التفات و عنایت کی بندہ نوازیوں کا کیا کہنا...!

اشک باری:

انہی مقدس آنکھوں سے جب ٹپاٹپ آنسو گرتے تھے تو شفاعت کے موتیوں کی مالا بن جاتی تھی اور سیاہ کاروں کی مغفرت کا سامان ہو جاتا تھا۔

احادیث کی کتابیں آپ کی اشک باری کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔

اگرچہ آپ کی آنکھیں زیادہ تر خشیت الٰہیہ اور مغفرت امت کے لیے اشکبار ہوا کرتی تھیں، تاہم اس کے علاوہ بھی بعض مواقع پر آپ اشک ریز ہو جایا کرتے تھے۔ مثلاً اعزہ و اقارب اور مخلص جاں نثاروں میں سے کسی کے وفات پا جانے پر، یا کوئی انتہائی المناک واقعہ سن لینے پر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں آپ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم کے پاس پہنچے۔ اس وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی اور وہ اپنے مولیٰ کی طرف رخصت ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کی حالت دیکھی:

فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللهِ ﷺ تَذْرِفَانِ، وَقَالَ: إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ

يَحْزَنُ. (619)

تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور فرمانے لگے: ''آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں اور دل غم و حزن میں مبتلا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو آپ ان کا جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لائے اور ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر۔ قَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَبَكَا، ثُمَّ بَكَا طَوِيلًا حَتّٰى سَالَتْ دُمُوعُهُ، عَلٰى وَجْهِ عُثْمَانَ (ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور رو دیئے، پھر اتنا روئے کہ آپ کے آنسو عثمان کے چہرے پر ٹپک پڑے۔)

پھر جب ان کی چارپائی اٹھائی گئی تو آپ نے فرمایا: ''اے عثمان! تجھے مبارک ہو، نہ تو نے دنیا کو استعمال کیا ہے اور نہ دنیا نے تجھے''، یعنی دنیا میں رہتے ہوئے اس سے الگ تھلگ رہے۔ (620)

حضرت میسرۃ بن معبد رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ، ہم اہل جاہلیت اور بت پرست تھے۔ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا کرتے تھے۔ خود میری بڑی ہی خوبصورت بیٹی تھی۔ وہ مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتی۔ جب میں اسے بلاتا تو میرے بلانے پر بہت خوش ہوتی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا تو وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ کچھ فاصلے پر ایک کنواں تھا۔ میں اس کی طرف چل دیا۔ جب وہاں پہنچا تو میری بیٹی بھی کھیلتی کودتی میرے پاس آ پہنچی۔ اچانک میں نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے کنویں میں پھینک دیا اور اسے ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔ میرے کانوں میں اس کے آخری یہ الفاظ سنائی دے رہے تھے کہ وہ درد بھرے انداز سے مجھے ''يَا أَبَتَاهُ! يَا أَبَتَاهُ!'' (او میرے ابا! او میرے ابا!) کہہ رہی تھی، مگر میرا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا، ذرہ بھر متاثر نہ ہوا۔

جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ سنا، فَبَكٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى وَكَفَ دَمْعُ عَيْنَيْهِ (تو آپ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔)

حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے کہا کہ تو نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حزن و ملال میں ڈال دیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ کوئی ایسا معاملہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور فرما دیں گے، تم خاموش رہو۔

حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو فرمایا کہ اپنی بات دوبارہ بیان کرو اور مجھے سناؤ۔ اس نے یہی واقعہ دوبارہ آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ فَبَكٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى وَكَفَ دَمْعُ عَيْنَيْهِ إِلٰى لِحْيَتِهِ (تو پھر رو دیئے یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔)

اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کے اعمال سے درگزر فرما دیا ہے۔ اب نیک اور صالح عمل کی کوشش کرو۔ (621)

بلند اور نمایاں ناک

ناک کا بلند اور نمایاں ہونا ہمیشہ سے عزت وعظمت کی علامت رہا ہے۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ ناک اونچی رہے اور ناک نیچی نہ ہونے پائے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی ناک بھی اونچی، پتلی اور لمبی تھی اور یہ تینوں صفات آپس میں انتہائی متوازن ومتناسب انداز میں یکجا تھیں، جس کی وجہ سے بینی پُرنور نہایت خوبصورت اور دلآویز دکھائی دیتی تھی۔ حسن میں مزید اضافہ اس نور سے ہوجاتا تھا جو آپ کی ناک پر ہر وقت چھایا رہتا تھا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ کی ناک مبارک نمایاں طور پر بلند اور طویل نظر آتی تھی۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں:

اقنی العِرنین، له نور یعلوه، یحسبه من لم یتامله اشم ولیس بأشم۔ (622)

اونچی بینی والے، اس بینی پر نور چھایا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے بظاہر آپ کی بینی خاصی اونچی اور لمبی دکھائی دیتی تھی مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ (بلکہ رفعت وطوالت میں ایک خاص توازن وتناسب تھا۔)

رُخسار مبارک:

اگرچہ حسن کا دارومدار چہرے کے مجموعی توازن واعتدال پر ہے۔ تاہم اس میں زیادہ حصہ رخساروں کا ہے۔ بہت ابھرے ہوئے یا اندر دھنسے ہوئے گال، ظاہر ہے کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کرتے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخساروں کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی متناسب وموزوں بنایا تھا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ وَاضِعُ الخَدَّین تھے۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سَھلُ الخَدَّین تھے۔ (623)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اَبیَضُ الخَدَّین تھے۔ (624)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ اَسیَلُ الخَدَّین تھے۔ (625)

مفہوم ان چاروں صفات کا یہ ہے کہ آپ کے رخسار پچکے ہوئے نہیں تھے، بلکہ نمایاں تھے۔ ابھرے ہوئے نہیں تھے، بلکہ ہموار تھے۔ رخساروں کا رنگ سفید تھا اور جلد انتہائی نرم اور ملائم۔

لب مبارک:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ انتہائی دلکش اور دیدہ زیب تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ کَانَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أَلطف عبادِ اللہ شفتین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ اللہ کے سارے بندوں سے زیادہ لطیف اور نازک

تھے۔)(626)

بوسہ لینا:

انہی لبھائے نازک کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض خوش نصیبوں کا بوسہ لیا کرتے تھے۔سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اس شرف سے خاص طور پر بہرہ ور ہوئیں۔ان کی آمد پر عموماً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چوم لیا کرتے تھے۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بھی اکثر گود میں بٹھا کر چوما کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چوما تو اقرع ابن حابس تمیمی نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں مگر میں نے ان کو کبھی نہیں چوما۔یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (جو رحم نہیں کرتا، خود اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔)(627)

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک شخص نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے بچوں کو چومتے رہتے ہیں، حالانکہ ہم ایسا ہرگز نہیں کرتے۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خشمگیں لہجے میں فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔(628)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جب بیمار تھے اور زندگی کے آخری لمحوں میں تھے تو آپ انہیں اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر چومتے رہے۔(629)

اگر آپ کا کوئی محبوب شخص کافی مدت بعد باہر سے واپس آتا تو آپ اسے بھی پیار بھرے بوسے سے نوازتے تھے۔آپ کے تایازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب طویل عرصے بعد حبشہ سے واپس آئے تو آپ بے حد مسرور ہوئے اور اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔(630)

زندوں کے علاوہ وفات یافتہ پیاروں کو بھی آپ چوما کرتے تھے۔آپ کے رضاعی بھائی حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو آپ نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور دیر تک روتے رہے۔(631)

غرضیکہ آپ کی شفقت ورحمت کے ایسے بیسیوں واقعات احادیث وسیرت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔علاوہ ازیں ازدواجی محبت کے تحت بھی آپ اپنی تمام ازواج مطہرات کو چوما کرتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يُقَبِّل وهو صائم ۔(632)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے کی حالت میں بھی بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

بہر حال ان لبوں کے بوسے ایک شرف ہے، ایک اعزاز ہے، ایک وقار ہے، ایک افتخار ہے۔ کتنے خوش قسمت تھے وہ لوگ، جو گلِ قدس کی ان پتلی پتلی پتیوں کے لمس سے فیضیاب ہوتے رہے اور پیار کے خزانے سمیٹتے رہے۔ رضی اللہ عنہم

مسکرانا اور ہنسنا:

انہی مبارک لبوں سے رحمت عالم ﷺ مسکرایا کرتے تھے تو دکھیوں کو قرار آجایا کرتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ ہنستے کم تھے، زیادہ تر مسکرانے پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے، بلکہ حضرت عائشہ تو فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَاحِكًا قَطُّ حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔ (633)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے داڑھ نظر آتے، آپ ﷺ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔

یہی بات دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور عام حالات میں ایسا ہی ہوتا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ خوب کھل کر بھی ہنستے تھے۔ احادیث میں بعض مواقع پر یہ الفاظ مذکور ہیں: فضحك رسول الله ﷺ حتى بدت نواجذه (رسول اللہ ﷺ اتنے ہنسے کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔) (634) تاہم اس میں شک نہیں کہ ایسا کبھی کبھار ہی ہوا کرتا تھا۔ رحمت عالم ﷺ کے ہنسنے میں بھی ایک انوکھا اور نرالا حسن پایا جاتا تھا اور اس حسن کی وجہ آپ کے دانتوں کا غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار و آبدار ہونا تھا۔ تو آیئے، آپ کے دندان مبارک کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔

دندان مبارک:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كان رسول الله ﷺ براق الثنايا۔ (635) (رسول اللہ ﷺ چمکدار ثنایا والے تھے۔) ثنایا سامنے کے بالائی اور زیریں دانتوں کو کہا جاتا ہے۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہما نے سفیدی اور آبداری واضح کرنے کے لیے بہت خوبصورت تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں: مثل حب الغمام ۔ (636) (جیسے بادلوں سے برسنے والے اولے ہوتے ہیں۔) سامنے کے درمیان والے دو دانتوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا جو بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كان رسول الله ﷺ افلج الثنيين (رسول اللہ ﷺ کے سامنے والے دو دانت ملے ہوئے نہیں تھے، بلکہ ان میں معمولی سا فاصلہ تھا۔)

جب آپ گفتگو کرتے تھے تو دانتوں سے نور کی شعائیں پھوٹتی محسوس ہوتی تھیں۔ آپ کے جملہ وصاف اس بات پر متفق

ہیں کہ اذا تکلم رُؤی کالنور یخرج من بین ثنایاہ۔ (جب آپ گفتگو کرتے تھے تو ایسے لگتا تھا جیسے آپ کے مبارک دانتوں سے نور نکل رہا ہو۔)(637)

ہنستے وقت اس نور میں اضافہ ہوجاتا تھا اور اردگرد دیواریں دمک اٹھتی تھیں۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ ﷺ اذا ضحك كاديتلا لا فی الجدر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہنستے تھے تو دیواریں چمک اٹھتی تھیں۔)(638)

دھن مبارک:

اہل عرب، مردوں کے لیے بڑا اور وسیع دہانہ پسند کرتے تھے۔ ان کے خیال میں کشادہ دہن شخص خوش بیان وخوش آہنگ ہوتا تھا، جبکہ تنگ دہن آدمی کے اندر ان صفات کی کمی پائی جاتی تھی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے عربوں کے اس مرغوب وصف سے بھی نمایاں حصہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ضلیع الفم تھے۔ یعنی بڑے اور کشادہ منہ والے۔(639)

دونوں اطراف میں جہاں منہ کا اختتام ہوتا ہے، وہ کنارے بہت پتلے اور لطیف تھے۔ ایک صحابی نے اس کی تعبیر یوں کی ہے "الطفه ختم فم" یعنی آپ کے منہ کا اختتام سب سے لطیف تر تھا۔(640)

یہ تو اس دہن کی ظاہری صورت اور ساخت کا بیان تھا، جہاں تک اس کے معنوی اوصاف کا تعلق ہے تو ان کی تفصیلات کی کوئی حد نہیں ہے۔ حق وصداقت کے سارے گلزار اسی دہن سے مہکتے ہیں اور علم وحکمت کی تمام لہلہاتی کھیتیاں اسی چشمے کے آبشار سے سیراب وشاداب ہوتی ہیں۔

بلاشبہ اس منہ سے نکلنے والی ہر بات وحی ہے اور اس سے صادر ہونے والا ہر ارشاد حق کا ترجمان ہے۔ آیت "وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى" (نجم:3) میں اسی حقیقت کا بیان ہے اور حدیث "إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا" میں اسی صداقت کا اعلان ہے۔(641)

لعاب مبارک:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن میں چار نمایاں خصوصیات پائی جاتی تھیں۔

1۔ خوشبودار تھا، بلکہ دوسری چیزوں کو خوشبودار بنانے والا تھا۔

2۔ میٹھا تھا، بلکہ دیگر اشیاء کو شیریں بنانے والا تھا۔

3۔ بھوک پیاس مٹانے والا اور سیراب وشاداب کرنے والا تھا۔

4۔ ظاہری و باطنی بیماریوں کو دور کر دینے والا اور شفا بخش تھا۔

ان چاروں خصوصیات کی جھلکیاں ذیل کے واقعات میں ملاحظہ فرمائیے!

1...... حضرت عتبہ ابن فرقد رضی اللہ عنہ کے پیٹ اور پیٹھ پر چھوٹے چھوٹے دانے نکل آئے جن میں سخت جلن ہوتی تھی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا ''قمیص اوپر اٹھاؤ!''

انہوں نے قمیص اٹھایا تو آپ نے اپنے دست مبارک پر تھوڑا سا لعاب لگایا اور حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے متاثرہ حصے پر ہاتھ پھیر دیا۔ بیماری تو فی الفور زائل ہوگئی۔ البتہ یہ اضافی فائدہ بھی حاصل ہوگیا کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کا جسم خوشبودار ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ پورے مدینہ میں عتبہ جیسی خوشبو والا کوئی نہیں تھا۔ **(642)**

2...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مدینہ کے گرد) خندق کھودی گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوکا پایا۔ میں اپنی بیوی کے پاس لوٹا اور کہا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت بھوکا پایا ہے۔ اس نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع جو تھے اور ہمارے پاس بکری کا پلا ہوا بچہ تھا، میں نے اس کو ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیسا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی فارغ ہوئی میں نے اس کا گوشت کاٹ کر ہانڈی میں ڈالا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پلٹنے لگا تو بیوی بولی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا (کیونکہ کھانا تھوڑا ہے کہیں بہت سے آدمیوں کی دعوت نہ کر دینا)۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور چپکے سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جو کا آٹا جو ہمارے پاس تھا، تیار کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر تشریف لائیے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا اور فرمایا کہ اے خندق والو! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے تو چلو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ہانڈی کو مت اتارنا اور آٹے کی روٹی مت پکانا، جب تک میں نہ آجاؤں۔ پھر میں گھر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے آگے تھے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے۔ میں اپنی بیوی کے پاس آیا، وہ بولی کہ تو ہی پریشان ہوگا اور لوگ تجھے ہی برا کہیں گے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو وہی کیا جو تو نے کہا تھا (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کر دیا اور سب کو دعوت سنا دی) میں نے وہ آٹا نکالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر ہماری ہانڈی کی طرف چلے اور اس میں بھی لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد (میری بیوی سے) فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا لے جو تیرے ساتھ مل کر نکالتی جا، اس کو اتارنا مت۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے، پس میں قسم کھاتا ہوں کہ سب نے کھایا، یہاں تک کہ چھوڑ دیا اور لوٹ گئے اور ہانڈی کا وہی حال تھا، ابل رہی تھی اور آٹا بھی ویسا ہی تھا، اس کی روٹیاں بن رہی تھیں۔ **(643)**

3......جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں محرم کے روزے کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے؛ یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کے منہ میں ذرا سا تھتکار دیتے تھے اور ان کی ماؤں سے کہہ دیتے تھے کہ انہیں شام تک کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دینا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ آپ کے لعاب کی برکت سے وہ بچے سارا دن سیراب رہتے تھے اور انہیں کوئی چیز کھلانے پلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ **(644)**

4......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار چار سو کی تعداد میں تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ ایک کنویں پر پڑاؤ ہوا لشکر نے اس کا (سارا) پانی کھینچ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے پاس تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ ایک ڈول میں اسی کنویں کا پانی لاؤ۔ پانی لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں کلی کی اور دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ کنویں کو یوں ہی تھوڑی دیر کے لیے رہنے دو۔ اس کے بعد سارا لشکر خود بھی سیراب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہاں سے انہوں نے کوچ کیا۔ **(645)**

5......غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بہت زیادہ دکھ رہی تھیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اپنا لعاب لگایا تو اسی وقت ٹھیک ہوگئیں اور پھر ساری زندگی ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ **(646)**

6......مدینہ کی ایک خاتون فحش گو اور بدزبان تھی۔ ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ خشک گوشت تناول فرما رہے تھے۔ گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر آپ نے اس کو دینا چاہا تو اس نے عرض کی ”مجھے وہ گوشت دیجئے جو آپ کے منہ میں ہے“ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چبایا ہوا گوشت نکال کر اسے دے دیا اور اس نے کھالیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی فحش گوئی اور بدزبانی یکسر ختم ہوگئی اور پھر عمر بھر کسی نے اس سے کوئی ناگوار بات نہیں سنی۔ **(647)**

زبان، دُرفشاں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کی کوئی حد نہیں تھی، کوئی انتہا نہیں تھی اور کوئی کنارا نہیں تھا۔ بڑے سے بڑا ادیب آپ کی فصاحت کے آگے دنگ اور حیران رہ جاتا تھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ خطیب آپ کی بلاغت کے سامنے گنگ اور بے زبان ہوجاتا تھا۔

علمائے معانی و بیان کہتے ہیں کہ جو کلام فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اتنا بڑھ جائے کہ انسانی طاقت سے باہر نکل جائے اس کو ”کلام مُعجز“ کہا جاتا ہے، یعنی ایسا کلام جس کی مثال لانے سے دوسرا عاجز و قاصر ہو، خواہ کتنا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم سارے کا سارا کلامِ معجز ہے۔ اس لیے چیلنج کے باوجود نہ اس دور میں کوئی اس کی نظیر لا سکا، نہ بعد میں۔ اس طرح صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کا کچھ حصہ بھی معجزانہ شان کا حامل ہے، جسے سن کر اس زمانے کے وہ لوگ جو مختلف

اسالیب کلام سے آگاہی رکھتے تھے، مسحور ہو جایا کرتے تھے اور بے دھڑک اس کے بے مثال ہونے کا اعتراف کر لیتے تھے۔

ضماد ابن ثعلبہ ازدی ایک دفعہ مکہ مکرمہ آیا ان دنوں مکہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت عروج پر تھی اور کوئی آپ کو ساحر کہتا تھا، کوئی مجنون۔ ضماد نے بھی کچھ لوگوں سے سنا کہ یہاں ایک شخص کو، جس کا نام محمد ہے، جنون کا عارضہ ہو گیا ہے۔ (معاذ اللہ) ضماد ایسے مریضوں کا دم اور منتر وغیرہ کے ذریعے علاج کیا کرتا تھا۔ اس نے سوچا کہ محمد کو بھی دم کرنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ ٹھیک ہو جائے، چنانچہ وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا...... ''یا محمد! تمہیں جو بیماری ہے، اس کا علاج جانتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو تمہارا ابھی علاج کر دوں۔''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا، کہ جن باتوں کی وجہ سے اہل مکہ آپ کو مجنون سمجھتے تھے، ان کا کچھ حصہ ضماد کو بھی سنا دیا جائے۔ چنانچہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے آپ نے وہی معروف کلمات کسی قدر اختصار کے ساتھ پڑھے جو عموماً خطبے کی ابتداء میں پڑھا کرتے تھے:

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَمَّا بَعْدُ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے خواہاں ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے، اسکو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ بھٹکا دے، اس کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ امابعد............

''امابعد'' کہہ کر آپ اصل موضوع کی طرف آنا چاہتے تھے مگر ضماد تو یہ تمہیدی کلمات سن کر ششدر رہ گیا۔ کہنے لگا...... ''یہ کلمات مجھے دوبارہ سنا دیجئے!''۔

آپ نے دوبارہ سنائے ضماد کو مزید لطف آیا اور کہا کہ ایک بار اور سنا دیجئے! جب آپ نے تیسری مرتبہ سنائے تو ضماد کے دل کی دنیا ہی بدل گئی اور پکار اٹھا کہ میں نے بڑے بڑے ساحروں، کاہنوں اور شاعروں کا کلام سنا ہے مگر ایسے کلمات آج تک نہیں سنے۔ **وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ**، بلاشبہ یہ کلمات فصاحت و بلاغت کے سمندر کی آخری گہرائی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ لائیے اپنا ہاتھ میں اسلام پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک آگے کیا اور اس کو بیعت سے مشرف کر لیا(648)

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں ضماد کے قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فَاشَارَ بِقَوْلِهٖ هٰذَا اِلَى الْاِعْجَازِ. اَيْ جَاوَزَ كَلَامُكَ حَدَّ الْفَصَاحَةِ۔" (649)

ضماد نے اپنے اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ کا یہ کلام فصاحت وبلاغت کی تمام حدوں کو عبور کر کے اعجاز تک جا پہنچا ہے۔) یعنی کلام معجز بن گیا ہے۔

حضرت برّہ ایک تابعیہ خاتون تھیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے؟ ''ہاں، حج کے موقع پر ہم سب نے آپ کا دیدار کیا تھا۔'' بھائیوں نے جواب دیا۔ ''آپ کی گفتگو بھی سنی تھی؟'' ''ہاں سنی تھی۔'' ''کیسی گفتگو فرماتے تھے آپ؟'' بھائیوں نے جواب دیا...... ''عربوں میں ایسا فصیح آج تک پیدا ہوا ہے، نہ آئندہ ہوگا۔ جب آپ گفتگو فرماتے تھے تو ہر ادیب آپ کے کلام کے سامنے بے بس ہوجاتا تھا اور جب آپ خطاب فرماتے تھے تو ہر خطیب آپ کی خطابت کے آگے گونگا لگتا تھا۔''

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خوش کلامی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی...... ''یارسول اللہ! آپ زندگی بھر ہمارے پاس رہے ہیں مگر آپ کی فصاحت ہم سب سے بہت زیادہ ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ''اصل بات یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان انتہائی فصیح وبلیغ تھی مگر امتدادِ زمانہ سے اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہی تھی، بلکہ دیگر زبانوں کے ساتھ مخلوط اور گڈمڈ ہوگئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اصلی عربی مجھے پوری طرح از بر کرادی۔ اس وجہ سے میں تم سب سے زیادہ فصیح ہوں۔'' **(650)**

جس قطعہ زمین کو عرب یا ملکِ عرب کہا جاتا تھا، وہ ایک وسیع وعریض خطہ تھا جس میں کئی طرح کی بولیاں بولی جاتی تھیں۔ ہوتی تو وہ سب عربی زبان کی شاخیں تھیں مگر تلفظ ولہجہ ہی نہیں، بعض مقامات پر الفاظ بھی اتنے مختلف ہوتے تھے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی زبان کو پوری طرح نہیں سمجھ پاتا تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا بیشتر حصہ مکہ مکرمہ میں گزرا تھا مگر انتہائی حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ کو عرب کے ہر قبیلے کی زبان آتی تھی اور ہر علاقے کا لہجہ مستحضر رہتا تھا۔ دورونزدیک سے آنے والے قبائل کے ساتھ آپ ہمیشہ ان کے ہاں مروج لب ولہجے میں گفتگو فرماتے تھے اور اتنی روانی اور بے ساختگی سے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے جہاندیدہ انسان حیرت میں ڈوب جاتے تھے۔ حالانکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے تاجر تھے اور تجارت کے سلسلے میں سارا عرب گھومے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ہر علاقے کی زبان اور لہجے سے آشنا تھے مگر اس کے باوجود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے اور وہ آپ کی ہمہ گیر زباندانی پر دنگ رہ جاتے تھے۔

ایک شخص نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

یارسول اللہ! أَيُدَالِكُ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَه؟

یارسول اللہ! کیا آدمی اپنی بیوی سے ''مدالکت'' کرسکتا ہے؟

آپ نے جواب دیا..... ''نَعَمۡ إِذَا كَانَ مُفۡلِجاً۔'' (ہاں اگر ''مفلج'' ہوتو کرسکتا ہے۔)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے مگران کو نہ ''مدالکت'' کے معنی آتے تھے اور نہ ''مفلج'' کے۔اس لیے ازراہِ تعجب پوچھا۔

''یارسول اللہ! اس نے کیا کہا تھا اور آپ نے کیا جواب دیا ہے؟''

آپ نے فرمایا..... ''اس نے پوچھا کہ آدمی اپنی بیوی کی فرمائشیں پوری کرنے میں ٹال مٹول کرسکتا ہے؟ اور میں نے جواب دیا تھا کہ ہاں، اگر گنجائش نہ رکھتا ہو تو کرسکتا ہے۔

یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی..... ''یارسول اللہ! میں پورے عرب میں گھوما پھرا ہوں اور ہر علاقے کے فصحاء کی گفتگو سنی ہے مگر آپ سے بڑھ کر فصیح میں نے کسی کو نہیں پایا۔ آخر آپ کو اتنی بولیاں کیسے آگئی ہیں.....!؟'' فی البدیہہ فرمایا..... ''میرے رب نے سکھا دی ہیں.....اور میری پرورش بنی سعد میں ہوئی ہے۔''

یعنی بنی سعد کی بولی تو ان کے ہاں رہنے کی وجہ سے آگئی ہے اور باقی تمام بولیاں اللہ تعالیٰ نے سکھا دی ہیں۔**(651)**

ایک دفعہ یمن سے قبیلہ بنی نہد کے کچھ افراد حاضرِ خدمت ہوئے اور ان کے نمائندے حضرت طہفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی علاقائی زبان میں انتہائی مُسجع و مقفیٰ گفتگو کی۔ رحمت عالم ﷺ نے بھی اسی لہجے میں، سجع کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، ان کو جواب دیا۔ اس دوطرفہ بات چیت میں ایسے ایسے الفاظ استعمال ہوئے تھے کہ جنہیں باب مدینۃ العلم اور انتہائی قادر الکلام شاعر وخطیب حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہ سمجھ سکے اور نہایت تعجب سے عرض گزار ہوئے۔

''یارسول اللہ! ہم دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں اور ایک ہی شہر میں پلے بڑھے ہیں مگر بعض دفعہ آپ ایسی گفتگو فرماتے ہیں کہ اس کے اکثر الفاظ میرے علم میں نہیں ہوتے.....!''

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا..... ''ہاں، مجھے میرے رب نے سکھایا ہے اور خوب سکھایا ہے۔''**(652)**

جس محیر العقول فصاحت و بلاغت کے روبرو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ضماد رضی اللہ عنہ جیسی ہستیاں دم بخود اور انگشت بدنداں ہوں۔ اس کی ہمہ گیری اور وسعت کا کون احاطہ کرسکتا ہے اور اس کی روانی وسلاست کا کون اندازہ کرسکتا ہے...........!!!

رحمت عالم ﷺ کی گفتگو کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ آپ بہت ٹھہر کر اور تھم کر بات کرتے تھے تاکہ سننے والے کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا:

> رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح تیز تیز باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ تو اتنی صاف گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی آپ کے الفاظ گننا چاہے تو گن سکتا تھا۔**(653)**

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مخاطب فصیح اللسان اہل زبان ہی تھے مگر جس کے کانوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاف، واضح اور نکھرا ہوا تکلم سن رکھا ہو، اسے ہر آدمی کج مج زبان ہی لگتا تھا۔

خوش الحانی:

کلام فصیح ہو، کلمات واضح ہوں، مگر آواز کرخت ہو تو الفاظ کی فصاحت اور وضاحت بے اثر ہو جاتی ہے۔ انبیاء کرام چونکہ داعی اور مبلغ ہوتے ہیں اور تبلیغ مؤثر تب ہی ہو سکتی ہے جب الفاظ و حروف کے ساتھ ساتھ لہجہ و آواز بھی دلکش ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو عمدہ گلا اور خوبصورت آواز عطا فرمائی تھی۔ پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو داعی اعظم ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز کو بھی دیگر انبیاء کی آوازوں سے بدرجہا زیادہ حسین و شیریں بنایا تھا۔

یہ بات ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتائی ہے فرماتے ہیں۔

ما بَعَثَ اللهُ نبياً إلّا حَسَنَ الْوَجْهِ ، حَسَنَ الصَّوْتِ ، وَكَانَ نَبِيُّكُمْ أَحْسَنَهُمْ وَجْهاً وَأَحْسَنَهُمْ صَوْتاً۔(654)

اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا، اس کو خوبصورت چہرے اور عمدہ آواز سے نوازا، مگر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ سب سے زیادہ حسین تھا اور آواز سب سے بڑھ کر دلنواز تھی۔

مردانہ آواز میں کشش و جاذبیت تین چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ آواز کا بھاری اور بلند ہونا، میٹھا اور شیریں ہونا اور اس میں نغمگی اور ترنم کا پایا جانا، یہ تینوں صفات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

(الف) ام معبد کہتی ہیں "فِي صَوْتِهِ صَحَلٌ"، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں بھاری پن تھا۔)(655)

آواز کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ آپ مسجد نبوی میں اونچی آواز سے خطبہ دیا کرتے تھے تو مدینہ کے تمام گھروں میں آپ کی آواز سنائی دیتی تھی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، جسے گھروں میں پردوں کے اندر بیٹھی ہوئی عورتوں نے بھی سن لیا۔ (656)

ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطاب کے لیے منبر پر چڑھے تو حاضرین سے فرمایا...... "اِجْلِسُوْا!" (بیٹھ جاؤ) حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما نے یہ فرمان محلہ بنی غنم میں سن لیا، حالانکہ وہ جگہ مسجد سے ہٹی ہوئی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو صرف حاضرین کو بیٹھنے کے لیے کہا تھا مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کا فرمان سن کر جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ (657)

حجۃ الوداع کے موقع پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن کے خیمے منیٰ میں دور دور

تک پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمن ابن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ منٰی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ کی آواز اتنی بلند تھی کہ ہم نے اپنے خیموں میں آپ کا خطاب پوری طرح سن لیا۔(658)

(ب) آواز میں شیرینی اور مٹھاس اس قدر تھی کہ سننے والا اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ام معبد کہتی ہیں:

"اذا تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلَاهُ الْبَهَآءُ، حُلْوُ الْمَنْطِقِ"(659)

جب آپ بولتے تھے تو سامعین پر چھا جاتے تھے اور چہرے پر رونق آجاتی تھی میٹھی باتیں کرنے والے تھے۔

(ج) آپ کی آواز میں ترنم بھی رچا بسا تھا۔ حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں "حَسَنُ النَّغْمَةِ" وہ نغمگی والے تھے۔ کیا عجیب منظر ہوتا ہوگا، جب آپ اپنی نغمہ بار اور ترنم ریز آواز میں دنیا کا سب سے فصیح کلام قرآن مجید پڑھتے ہوں گے!

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"قرأ رسول الله ﷺ في العشآء "بالتين وَالزيتُونِ" فَمَا سَمِعتُ احدا أَحسَن صوتاًمِنه۔"(660)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عشاء کی نماز میں سورۃ التین پڑھا اور ایسے خوبصورت لہجے میں پڑھا کہ میں نے اس سے زیادہ حسین آواز کبھی نہیں سنی۔

منظر کشی:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انداز بیان کا ایک وصف کمال درجے کی منظر کشی ہے۔ جنت کے انعامات، دوزخ کی مہلکات، قبض روح کی کیفیات، برزخ کے حالات اور حشر ونشر کی مشکلات، سب ''غیب'' کے زمرے میں داخل ہیں۔ اس لیے ان پر ایمان کو ''ایمان بالغیب'' کہا جاتا ہے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنے مخصوص انداز میں ان مراحل کی تفصیلات بیان کرتے تھے تو سامعین کے سامنے ایک نقشہ سا کھنچ جاتا تھا اور انھیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہم یہ چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اس کیفیت کو یوں واضح کیا:

نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ۔(661)

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور دوزخ کے بارے میں بتاتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ تمام مناظر ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھائی دے رہے ہوں۔

اثر انگیزی:

رحمت عالم ﷺ کے جو خطبات حدیث وسیرت کی کتابوں میں منقول ہیں وہ سب فصاحت وبلاغت کے شہ پارے ہیں اور نہایت ہی موثر ہیں مگر وہی الفاظ جب آپ کی زبان خوش بیان اور آواز دلنواز میں ادا ہوتے تھے تو ایک سماں بندھ جاتا تھا اور سامعین پر رقت قلب، سوز وگداز اور خشیت الٰہیہ کی ایسی کیفیت طاری ہوجاتی تھی کہ وہ بے اختیار اشکبار ہوجاتے تھے اور کبھی کبھی چپکے چپکے آنسو بہانے لگتے تھے کبھی نالہ وفغاں ضبط کرنے کے لیے منہ چھپا لیتے تھے اور کبھی بیساختہ چیخ پڑتے تھے۔

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ہم سے خطاب فرمایا، جس سے دلوں پر خشیت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔(662)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بے مثال خطبہ دیا اور جب یہ کہا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو تمہارا ہنسنا کم ہوجائے اور رونا زیادہ ہوجائے تو لوگوں نے اپنے چہرے ڈھانپ کر رونا شروع کر دیا۔(663/1)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے موت کے بعد پیش آنے والے حالات بتائے تو لوگ بے ساختہ چیخ اٹھے۔(663/2)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل گدازی کا تو یہ عالم ہوگیا تھا کہ ابھی رحمت عالم ﷺ گفتگو کا آغاز ہی کرتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت روتے روتے دگرگوں ہوجاتی تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے اور جب بہت زیادہ کیے تو نبی کریم ﷺ کو ناگواری ہوئی، پھر آپ ﷺ ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ آج تم مجھ سے جو بات پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ راوی کہتے ہیں اس وقت میں نے دائیں بائیں دیکھا تو تمام صحابہ سر اپنے کپڑوں میں لپیٹے ہوئے رو رہے تھے۔(663/3)

ٹھوڑی مبارک:

رحمت عالم ﷺ کی ٹھوڑی کی ساخت اور بناوٹ کی تفصیل مجھے تلاش وبسیار کے باوجود نہیں مل سکی۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ریش مبارک کے نیچے چھپ جانے کی وجہ سے، آپ کا حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کا مفصل تذکرہ ضروری نہ سمجھا ہو، تاہم آپ کے چہرے کی مجموعی ساخت سے ٹھوڑی کے حسن واعتدال کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے، کیونکہ لمبی اور نیچے کو نکلی ہوئی ٹھوڑی سے چہرہ لمبوترہ اور مخروطی سا ہوجاتا ہے اور بہت چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی ٹھوڑی سے چہرہ بالکل گول نظر آنے لگتا ہے جب کہ پیارے آقا ﷺ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

"لَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِي وَجْهِهِ تَدْوِيْرٌ۔"(664)

رسول اللہ ﷺ کا نہ تو رنگ کالا تھا، نہ چہرہ گول مٹول، البتہ چہرے میں کسی قدر گولائی ضرور تھی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ٹھوڑی نہایت ہی متوازن، متناسب اور معتدل تھی، نہ بہت لمبی کہ چہرہ مستطیل دکھائی دینے لگے، نہ بہت چھوٹی کہ چہرہ بالکل مدور نظر آنے لگے۔

کان مبارک:

جہاں تک آپ کے کانوں کی ظاہری شکل وصورت کا تعلق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ "تام الاذنین" تھے۔ یعنی آپ کے کان مکمل اور تام تھے۔ (665)

چونکہ چہرہ انور کا رنگ سرخی مائل سفید تھا، اس لیے کان بھی ویسی ہی رنگت رکھتے تھے، جب کہ بال بھرپور سیاہ تھے۔ داڑھی اور سر کے مکمل طور پر کالے بالوں میں سفید رنگ کے ابھرے ہوئے کان عجیب دلآویز نظارہ پیش کرتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کالی زلفوں میں آپ کے سفید کان یوں دکھائی دیتے تھے، جیسے تاریکی میں روشن ستارے چمک رہے ہوں...... كَأَنَّمَا تُوْقَدُ الْكَوَاكِبُ الدُّرِّيَّةُ بَيْنَ ذٰلِكَ السَّوَادِ۔ (666)

ظاہری جمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کانوں کو غیر معمولی سماعت کا کمال بھی عطا کر رکھا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

"أَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ۔" (جو کچھ میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سنتے۔)(667)

واقعی ہم کیا اور ہمارا سننا کیا......!!

ہم صرف وہی سن سکتے ہیں جو سنتے وقت پیدا ہو رہی ہو، جدید آلات کے ذریعے ماضی میں بھری گئی کیسٹوں کی آواز بھی سنی جا سکتی ہے مگر مستقبل میں پیدا ہونے والی آواز ہم قطعاً نہیں سن سکتے، خواہ وہ صرف ایک سیکنڈ بعد پیدا ہونے والی ہو...... نہ اپنے کانوں سے نہ کسی آلے کی مدد سے، جبکہ رحمت عالم ﷺ بغیر کسی آواز کے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والی آواز سن لیتے تھے۔

ایک دن فجر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: "بلال! مجھے بتاؤ کہ اسلام لانے کے بعد تم نے کون سا ایسا عمل کیا ہے، جس پر تمہیں بہت زیادہ ثواب کی امید ہے، کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی...... "یا رسول اللہ! اور تو کوئی ایسا عمل نہیں ہے؛ البتہ یہ ہے کہ دن ہو یا رات، میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو چند رکعت نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں۔ (668)

جس وقت رحمت عالم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہی تھی۔ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ زندہ موجود تھے اور

ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ نہ جانے کب قیامت برپا ہوگی اور کب حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے خادمانہ انداز میں چلتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے مگر آپ کی بے انتہا غیر معمولی سماعت کا اندازہ کیجئے کہ آپ نے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی آہٹ کو اس وقت سن لیا تھا، جب کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابھی مدینہ منورہ میں بقید حیات تھے۔

جس طرح بُعدِ زمانہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سماعت میں حائل نہیں ہوتا تھا، اسی طرح بُعدِ مکان بھی آپ کے سننے میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ فرماتے ہیں: "إِنِّي أَسْمَعُ أَطِيطَ السَّمَاءِ" (میں آسمان کی چر چراہٹ سنتا ہوں۔)(669)

آسمان کی دوری کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.......... **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ** ...(ملك:5)

(بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کیا ہے۔)

آسمان دنیا سے مراد پہلا آسمان ہے اور اس کے چراغ، چمکتے دمکتے ستارے ہیں، گویا قرآن کے مطابق تمام ستارے پہلے آسمان کی تزئین و آرائش کے لیے بنائے گئے ہیں اور ہمارے علم افلاک کی کم مائیگی کا یہ حال ہے کہ آسمان تو کجا، ابھی تک ستاروں کے بارے میں بھی پوری طرح پتہ نہیں چل سکا جو آسمان کی زینت ہیں کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور ان کی محیر العقول مسافتوں کی مقدار کیا ہے......!

اب تک جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کے مطابق بعض چمکدار سیارے زمین سے کئی لاکھ نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ یعنی اگر زمین سے کوئی چیز ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے روانہ ہو تو ان سیاروں تک پہنچنے میں اسے لاکھوں سال لگ جائیں گے۔ پھر آپ خود ہی سوچئے کہ جس چرخ نیلی فام کی زیبائش کے لیے یہ ستارے اور فاصلے سیارے بنائے گئے ہیں، وہ خود کتنے لاکھ یا کروڑ یا ارب نوری سال کے فاصلے پر ہوگا......!!

داڑھی مبارک:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی گھنی اور بڑی تھی جس سے آپ کا سینہ ڈھک جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ كَثُّ اللِّحْيَةِ، تَمْلَأُ صَدْرَهُ۔(670)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھنی داڑھی والے تھے، جو آپ کے سینے کو بھر دیتی تھی، یعنی ڈھانپ لیتی تھی۔

مگر واضح رہے کہ آپ کی داڑھی بے ڈھب انداز میں بڑھی ہوئی نہیں تھی، بلکہ آپ مناسب حد تک اس کو تراش دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر ابن شعیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ، مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا بِالسَّوِيَّةِ۔(671)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی کو طول و عرض سے برابر برابر کاٹ دیا کرتے تھے۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مکمل سیاہ تھی، بعد میں چند بال سفید ہو گئے تھے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا كَانَ الْبَيَاضُ فِيْ عَنْفَقَتِهِ وَفِي الصُّدْغَيْنِ۔ (672)
یعنی سفیدی صرف آپ کے زیریں ہونٹ کے نیچے اور کانوں کے پاس تھی۔

مگر یہ سفیدی انتہائی قلیل مقدار میں تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سر اور داڑھی مبارک میں مجموعی طور پر بیس کے لگ بھگ بال سفید تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کی تعداد سترہ یا اٹھارہ بتاتے ہیں۔ (673)

حضرت انس رضی اللہ عنہ چونکہ خادم خاص تھے اور انہیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریب سے دیکھنے کے مواقع زیادہ میسر تھے، اس لیے ان کی بیان کردہ تعداد زیادہ مستند ہے۔

اس قدر کم سفیدی چونکہ داڑھی کی مجموعی سیاہی پر کوئی اثر نہیں ڈالتی، اس لیے اکثر وصّاف آپ کو "أسود اللحية" اور "شديد سواد اللحية" ہی کہتے ہیں۔ یعنی داڑھی مبارک نہایت ہی سیاہ تھی۔

بہر حال سفید بال خواہ تھوڑے ہی ہوں، بڑھاپے کی علامت ہیں اور اگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجموعی صحت اور اعتدال طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے آدمی سوچے تو آپ کے بال آخر تک سیاہ رہنے چاہیے تھے، مگر خشیت الٰہیہ کی وجہ سے آپ پر قبل از وقت بڑھاپے کے آثار طاری ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اسی لیے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے پہل آپ کے سفید بال دیکھ کر افسوس بھرے لہجے میں عرض کی تھی "یا رسول الله ! قَدْ شِبْتَ !" (یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔) تو آپ نے چند سورتوں کے نام لے کر فرمایا کہ مجھے ان سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (674)

تراشیدہ مونچھیں:

بڑی بڑی مونچھیں نہ صرف یہ کہ بھدی لگتی ہیں، بلکہ طبی طور پر بھی انتہائی مضر ثابت ہوتی ہیں کیونکہ ان پر ناک کے ذریعے خارج ہونے والی غیر مصفیٰ گیسوں کی تہہ جم جاتی ہے۔ اور جب پانی وغیرہ پیتے وقت مونچھیں اس میں ڈوبتی ہیں تو انہی گیسوں کا کچھ حصہ دوبارہ اندر چلا جاتا ہے اور ضرر رسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مونچھیں ترشوا دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... كان رسول الله ﷺ يَقُصُّ شَارِبَه، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مونچھوں کو کاٹ دیا کرتے تھے۔) (675)

دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوا...... خالِفوا المشركين، وَفروا اللُّحیٰ واحفُوا الشَّوارِبَ (مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹوا دو۔) (676)

اس سلسلے میں یہاں تک شدت فرمائی کہ اعلان کر دیا...... من لم یأخُذ مِنْ شَارِبِہٖ فَلَیْسَ مِنا۔ (جو شخص اپنی مونچھوں کو نہ تراشے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)(677)

ایک شخص کی بہت بڑھی ہوئی مونچھیں دیکھیں تو لوگوں سے فرمایا کہ مجھے قینچی اور مسواک لا کر دو۔ دونوں چیزیں پیش کی گئیں تو اپنے دستِ مبارک سے اس شخص کے ہونٹوں پر مسواک رکھ کر زائد بال کاٹ دیئے۔(678)

اللہ اکبر! کتنا خیال رہتا تھا غمخوارِ امت کو اپنے متعلقین کی اصلاح کا......! آپ اس کو حکم بھی دے سکتے تھے کہ جاؤ اور مونچھیں کٹوا کر آؤ مگر اپنے ہاتھ سے اس کی مونچھیں تراشنے میں شفقت و محبت اور پیار و الفت کی جو دنیا آباد ہے، اس کا مظاہرہ صرف حکم دینے سے کہاں ہو سکتا تھا......

زلفیں مبارک:

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ شدید سَوَادِ الرَّاسِ واللِحیۃِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اور داڑھی انتہائی سیاہ تھی۔

داڑھی ہی کی طرح سر کے بھی چند بال آخر عمر میں سفید ہو گئے تھے مگر ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ صرف اس وقت دکھائی دیتے جب بال خشک ہوں۔ تیل وغیرہ لگانے سے سفیدی اوجھل ہو جاتی تھی۔

حضرت جابر ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: هل کان فی شَعْرِ رسول اللہ ﷺ شَیْبٌ؟" (کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں سفیدی پائی جاتی تھی؟) انہوں نے جواب دیا: لم یکن فی رأسہ ﷺ شَیْبٌ، الا شعرات فی مَفْرَقِ رأسِہٖ، اذا ادَّھَنَ وَارَاھُنَّ الدُھْنُ۔"(679) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگ میں تھوڑے سے سفید بال تھے، وہ بھی جب آپ تیل لگاتے تو چھپ جاتے تھے۔)

ویسے آپ تیل کا استعمال بہت کثرت سے کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کان رسول اللہ ﷺ یکثر دَھْنَ رَأسِہٖ"۔(680)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت تیل لگایا کرتے تھے

تکیے وغیرہ کو تیل سے بچانے کے لیے سر پر کپڑا باندھ لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں...... کان رسول اللہ ﷺ یُکثر القناع کان ثوبہ، ثَوبُ زَیَّاتٍ۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر کپڑا لپیٹ لیتے تھے اور (کثرت سے تیل استعمال کرنے کی وجہ سے) وہ اس طرح چکنا ہو جاتا تھا جیسے تیل کا کام کرنے والوں کا کپڑا ہوتا ہے۔)(681)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال ساخت کے اعتبار سے نہ تو بہت گھنگریالے تھے، نہ بہت سیدھے، بلکہ ہلکے سے خمدار تھے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... لا بالجعد القطط ولا بالبسط، (نہ بالکل سیدھے، نہ زیادہ خم والے۔) (682)
جب آپ کنگھی کرتے تو کنڈل کھل جاتے اور زلفیں پہلے سے لمبی دکھائی دینے لگتیں بعد میں سکڑ جاتیں۔ اسی وجہ سے احادیث میں آپ کے بالوں کی لمبائی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے بالوں کو "وَفرۃ" قرار دیا ہے، بعض نے "لِمَّة" اور بعض نے "جُمَّه"۔ وَفرہ، ان بالوں کو کہا جاتا ہے جو کانوں کی لو تک ہوں۔ لِمَّہ وہ جو لو سے تھوڑے سے نیچے ہوں اور جمہ کندھوں تک پہنچ جانے والے بالوں کو کہا جاتا ہے۔
اس اختلاف کی تطبیق بعض علماء نے یوں کی ہے کہ جب آپ بال چھوٹے کراتے تھے تو وفرہ ہو جاتے تھے، جب تھوڑا سا بڑھ جاتے تھے تو لمہ بن جاتے تھے اور مزید دراز ہوتے تھے تو جمہ کہلاتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ کنگھی کرتے تھے تو لمبے ہو جاتے تھے، پھر سکڑتے رہتے تھے اور پہلے لمہ بنتے تھے اور پھر وفرہ ہو جاتے تھے۔

کنگھی کرنا:

بالوں میں کنگھی کرنا بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رسول الله ﷺ يُكْثِرُ تَسْرِيحَ لِحْيَتِهٖ۔ (683)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر کنگھی کیا کرتے تھے۔

دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ حضرت عطاء ابن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے تو آپ نے اس کو بلا کر فرمایا بالوں کو سنوار کر رکھا کرو! وہ شخص واپس چلا گیا اور آپ کے فرمان کے مطابق بالوں میں کنگھی کر کے آیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا:

اليس هٰذا خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ! ، (684)

کیا یہ بہتر نہیں ہے، بہ نسبت اس کے کہ کوئی پراگندہ بالوں کے ساتھ آئے؟

مانگ نکالنا:

جس چیز کے بارے میں کوئی صریح حکم نہ ہو، اس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کی بنسبت اہل کتاب کی موافقت زیادہ پسند کرتے تھے اور مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے، جب کہ اہل کتاب نہیں نکالتے تھے، اس لیے ابتداء میں آپ بھی اہل کتاب کی طرح مانگ نکالنے سے گریز کیا کرتے تھے، بعد میں (شاید اس وقت مشرکین کا زور ٹوٹ چکا تھا اور ان کی موافقت کا اشتباہ نہیں رہا تھا۔) آپ نے مانگ نکالنا شروع کر دیا۔ بہر حال یہ دونوں عمل سنت ہیں؛ البتہ آخری عمل ہونے کی وجہ سے مانگ نکالنا افضل ہے۔

آئینہ دیکھنا:

کنگھی کرتے وقت آئینہ دیکھنا بھی آپ کا معمول تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **کان ینظر فی المرأۃ إذا سَرَّحَ لِحْیَتَہ۔** (جب آپ ریش مبارک میں کنگھی کرتے تھے تو شیشہ دیکھا کرتے تھے۔)**(685)**

خوشبو لگانا:

بالوں میں خوشبو بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ میں آپ کو اتنی خوشبو لگایا کرتی تھی کہ آپ کی مانگ میں خوشبو کا نشان صاف دکھائی دیتا تھا۔**(686)**

گردن مبارک:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک ساخت کے اعتبار سے لمبی اور صراحی دار تھی اور رنگت کے لحاظ سے انتہائی سفید تھی۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں:

کان عنق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جِیْدِ دُمْیَۃٍ فِی صَفَآءِ فِضَّۃٍ(687)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن (کی ساخت) ایسی تھی جیسی مورتی کی گردن ہوتی ہے اور اس کی سفیدی وصفائی ایسی تھی جیسی چاندی کی ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کانما عنق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إبْرِیقُ فِضَّۃٍ۔"(688)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن چاندی کی صراحی جیسی تھی۔

نازک اور شفاف اتنی تھی کہ اگر کوئی زور سے آپ کی چادر کھینچتا، جس سے گردن پر دباؤ پڑتا تو گردن مبارک کی جلد پر نشان پڑ جاتا تھا۔ عرب کے بدو اسلامی تعلیمات سے پہلے کسی بھی قسم کے آداب اور تہذیب سے نا آشنا تھے۔ اسلام لانے کے بعد بھی ان کے مزاج کی خشونت خاصی دیر بعد بدلی۔ ایک دفعہ اسی طرح کے ایک بدو نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کو پیچھے سے زور سے کھینچا اور کہا:

مُرْلِیْ مِنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْ عِنْدَكَ۔

اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں مجھے بھی کچھ دینے کا حکم دیجئے!

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس زور سے کھینچنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردنِ اقدس پر چادر کے کناروں کے نشان پڑ گئے مگر آپ غصہ ہونے کے بجائے بدو کی جانب دیکھ کر ہنس پڑے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم صادر فرما دیا۔**(689)**

سبحان اللہ! کیا حسنِ خلق اور عالی ظرفی ہے۔

کندھے مبارک:

مردانہ وجاہت میں کندھوں اور سینے کا چوڑا ہونا خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے نمایاں طور پر چوڑے اور ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كان رسول الله ﷺ بَعِيْدَ مَا بين الْمَنْكَبَيْنِ۔ (690)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے ایک دوسرے سے دور تھے۔

باقی جسم کی طرح کندھے بھی سفید تھے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "كَأَنَّه سَبِيْكَة فضَّةٍ۔" (جیسے چاندی سے ڈھالے گئے ہوں۔) (691)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ "شِقَّةُ الْقَمَرِ" کہتے ہیں۔ یعنی چاند کے ٹکڑے۔ (692)

ان شانوں کی شوکت وعظمت کا کیا کہنا کہ ان پر رب العلمین نے خود اپنا دست مبارک رکھا تھا۔

حضرت عبدالرحمن ابن عائش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب کو بہت خوبصورت شکل میں دیکھا۔ رب کریم نے مجھ سے پوچھا: یا محمد! فیم یختصم الملا الاعلیٰ۔ (اے محمد! ملاء اعلیٰ کس موضوع پر بحث مباحثہ کررہے ہیں؟) میں نے کہا ...... لَا أَدْرِيْ۔ (میں نہیں جانتا۔) فَوَضَعَ يدہ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ۔ (تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک میرے پستانوں تک سرایت کرگئی۔) فَتَجَلّٰى لِيْ كُل شيئٍ وَعَرَفْتُ۔ (پس ظاہر ہوگئی میرے لیے ہر شئے اور میں نے پہچان لیا۔) (693)

بہرحال آپ کا سینہ تو بے شمار علوم ومعارف کا گنجینہ تھا ہی، آپ کی توجہ سے دوسروں کے سینے بھی علم کے خزینے بن جاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ منقول ہے۔ اس قدر حدیثوں کا یاد رکھنا بلاشبہ حیرت انگیز تھا، چنانچہ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے اپنے غیر معمولی حافظے کا راز بتاتے ہوئے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے جو کوئی میرے سامنے اپنا کوئی کپڑا بچھادے اور میں جو کچھ کہنے لگا ہوں اس کے اختتام پر اس کپڑے کو اٹھا کر سینے سے لگالے تو اس کو میری گفتگو کا کوئی حصہ کبھی نہیں بھولے گا۔

یہ سنتے ہی میں نے اپنی دھاری دار چادر اتاری اور آپ کے روبرو بچھادی۔ آپ کا بیان ختم ہونے پر میں نے وہ چادر اٹھا کر اپنے سینے سے لگالی اور اس ذات کی قسم، جس نے ان کو سچا رسول بنا کر بھیجا تھا، میں ان کی اس گفتگو سے آج تک کوئی حصہ بھی نہیں بھولا۔ (694/1)

مہرِ نبوت:

روایات میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت کی جانب بائیں کندھے پر ''مہر نبوت'' تھی جو کستوری کی طرح مہکتی تھی اور منور تھی لیکن مہر نبوت کی تعیین میں روایات اس قدر متعارض ہیں کہ ان میں تطبیق از بس دشوار ہے۔

1......مقدار میں اختلاف ہے کہ مسہری کی گھنڈی جتنی تھی، کبوتری کے انڈے جتنی تھی یا بند مٹھی جتنی تھی، جس کے گرد مسوں کی طرح ابھرے ہوئے تل تھے۔

2......ابھری ہوئی تھی یا اندر کو دھنسی ہوئی؟

3......اگر ابھری ہوئی تھی تو کس چیز کی بنی ہوئی تھی......؟ گوشت کی یا بالوں کی؟

4......اس کا رنگ کیا تھا......؟ گوشت کی ہم رنگ تھی، سیاہ تھی، سبز تھی یا سیاہی مائل زرد تھی؟

5......کب سے تھی......؟ ولادت کے ساتھ ہی موجود تھی، شق صدر کے دوران لگائی گئی تھی، اعلان نبوت کے وقت لگائی گئی تھی، معراج کی رات لگائی گئی تھی، تینوں مواقع پر لگائی گئی تھی؟

6......کب تک رہی......؟ وصال کے ساتھ ہی ختم ہوگئی تھی، یا بعد میں بھی باقی رہی تھی؟

7......اس میں کچھ لکھا تھا یا نہیں؟ اگر لکھا تھا تو کیا......؟ **محمد رسول اللہ، توجہ حیث شئت فانک منصور، یا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔؟**

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہہ کی ہے کہ مہر نبوت کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جب چھوٹی ہوتی تھی تو مسہری کی گھنڈی جتنی ہوجاتی تھی اور جب بڑھنے لگتی تھی تو پہلے کبوتری کے انڈے جتنی ہوتی تھی، پھر بند مٹھی جتنی ہوجاتی تھی۔

شیخ عبداللہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوتی تھی، بلکہ دیکھنے والوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق تشبیہات دی ہیں۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں: ان روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لیے کہ مختلف اوقات میں اس کا رنگ بدلتا رہتا تھا کبھی تو اس کا رنگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کے رنگ کی طرح ہوجاتا اور کبھی وہ سرخ ہوجاتا اسی طرح کبھی دوسرے رنگ میں تبدیل ہوجاتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریاؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے اپنے ذہن کے مطابق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے۔(694/2)

سینہ مبارک

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک کشادہ اور فراخ تھا۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَرِيْضَ الصَّدْرِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوڑے سینے والے تھے) (695)

سینہ آگے کو نکلا ہوا نہ تھا، نہ پیٹ بڑھا ہوا تھا۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَوَاءَ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ۔ (696)

رسول اللہ کا سینہ مبارک اور شکم مبارک برابر تھے۔

سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بکثرت بال تھے۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَشْعَرَ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمُنْكَبَيْنِ وَأَعَالِيَ الصَّدْرِ (697)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازوؤں پر، شانوں پر اور سینے کے اوپر والے حصے پر بہت بال تھے۔

بچپن میں جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے تو آپ کا سینہ مبارک فرشتوں نے چاک کیا تھا، اس چاک کرنے کا اثر آخر تک برقرار رہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے سینہ اقدس پر سلنے کا نشان دیکھا کرتا تھا۔

یہ تو اس سرچشمہ علوم سینہ کی ظاہری صورت کی بات تھی، جہاں تک اس کی باطنی وسعت وفراخی کا تعلق ہے تو اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔!

ذرا دیکھیے تو۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بے پایاں انعام کا احسان جتلاتے ہوئے کتنے پیار بھرے انداز میں پوچھتا ہے۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ (کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کھول نہیں دیا؟) (انشراح: 1)

بلا شبہ کھول دیا تھا اور ایسا کھولا تھا کہ ارض وسماء کی ہر چیز کا علم اس سینے کی وسعت میں سما گیا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے شانوں پر اپنا ہاتھ رکھا تو اس کی ٹھنڈک اور برودت آپ کے سینہ اقدس میں اتر آئی اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ (698)

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب مجھے معلوم ہوگیا۔

قلب مبارک

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کی قوت برداشت اور طاقت وتوانائی کا یہ عالم تھا کہ اس نے قَوْلِ ثَقِيْل یعنی قرآن کریم کے نزول کو برداشت کرلیا: حالانکہ قرآن کے ثقل وجلال کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

اللّٰہِ۔ (حشر:21)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

گویا قرآن کریم اگر کوہ ہمالیہ پر نازل ہوتا تو اس کے پرخچے اڑ جاتے اور یہ قرآن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر نازل ہوا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ۔ (شعراء:193)

اس کو روح الامین نے تیرے دل پر نازل کیا ہے۔

پھر اس دل کی استطاعت و برداشت کا خود ہی اندازہ کیجیے جس نے وہ چیز برداشت کر لی جو ہمالیہ جیسے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیتی!

قرآن کریم نے اس مقدس دل کا متعدد مقام پر تذکرہ کیا ہے۔ کہیں فرمایا کہ اے محبوب ہم نے قرآن کو بتدریج اس لیے نازل کیا ہے کہ تیرا دل اس کے ذریعہ مضبوط ہو جائے۔

كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا۔ (فرقان:32)

کہیں ارشاد ہوا کہ شب معراج جو کچھ میرے حبیب کی آنکھوں نے دیکھا، دل نے اس کی تصدیق کی۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ۔ (نجم:11)

کسی جگہ فرمایا کہ اے نبی! تیرے گرد پروانوں کا یہ ہجوم اس لیے تو اکٹھا ہوا ہے کہ اللہ کی رحمت سے تو نرم خو ہے، اگر تو سخت دل ہوتا تو یہ لوگ اِدھر اُدھر ہو جاتے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران:159)

انبیائے کرام علیہم السلام کے دلوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ ہمہ وقت بیدار رہتے ہیں، حتیٰ کہ نیند سے بھی ان کی بیداری قلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی لیے ان کے خواب یقینی وحی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی تو دیکھا تھا، مگر چونکہ وہ وحی تھی اس لیے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے چل پڑے تھے۔

یہ خصوصیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر عموماً تہجد کے وقت ادا کیا کرتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے پوچھا:

أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ (کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟)

پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ بعض دفعہ آدمی کو جاگ نہیں آتی، اس صورت میں وتر قضا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ (میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا) **(699)**

ظاہر ہے کہ جس ہستی کا دل عالم خواب راحت میں بھی بیدار رہتا ہو، اس کے وتر قضا ہونے کا کیا امکان ہے!

اسی وجہ سے آپ کو نیند کے بعد وضو کی ضرورت نہیں ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گہری نیند سوئے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ کے سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسی دوران بلال آئے اور نماز کے بارے عرض کی۔ چنانچہ آپ نے اٹھ کر نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا۔

وضو نہ کرنے کی محدثین یہ وجہ بیان کرتے ہیں:

لِاَنَّ مِنْ خَصَائِصِهٖ ﷺ اَنَّ وُضُوْءَهٗ لَا يَنْقَضُ بِالنَّوْمِ مُطْلَقًا لِبَقَآءِ يَقْظَةِ قَلْبِهٖ۔

آپ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا، کیونکہ آپ کا دل بیدار رہتا ہے۔

شکم مبارک

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ سینے کے ساتھ برابر تھا اور بڑھا ہوا نہیں تھا۔ باقی جسم کی طرح اس کا رنگ بھی انتہائی نورانی تھا۔

حلق سے ناف تک بالوں کی ایک خوبصورت لکیر تھی۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک بہت منور تھا اور حلق سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔

یہ لکیر خاصی لمبی تھی۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ نے آپ کو طَوِيلُ المَسرَبَةِ کہا ہے، یعنی بالوں کی لمبی لکیر والے۔ **(700)**

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہوں نے آپ کے شکم مبارک کو چوما جن میں حضرت سودا بن غزیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ غزوۂ بدر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین کی صفیں سیدھی کر رہے تھے حضرت سودا رضی اللہ عنہ صف سے کچھ آگے کھڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیٹ پر چھڑی رکھ کر دبائی اور کہا کہ پیچھے ہو جاؤ!

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے تو مجھے دکھا دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدلہ لے لو اور اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا دیا۔ حضرت سودا رضی اللہ عنہ لپک کر آپ کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے شکم پر بوسوں کی بارش کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: سودا! یہ کیا کر رہے ہو تم!؟

عرض کی: یارسول اللہ! جنگ کا مرحلہ درپیش ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ آخری ملاقات ہو اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا آخری عمل یہ ہو کہ آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ میرا جسم مس ہو جائے۔

شکم مبارک کے اطراف یعنی پہلو بھی سفید تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَبْيَضَ الْكَشْحَيْنِ۔ (701)

رسول اللہ ﷺ کے دونوں پہلو سفید تھے

ایک صحابی نے آپ کے پہلو مبارک کا بھی بوسہ لینے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان کا نام اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ نہایت ظریف الطبع اور ہنسنے ہنسانے والے آدمی تھے۔ ایک دن اپنی پُر لطف گفتگو سے لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ رحمت عالم ﷺ نے زور سے ان کے پہلو پر ہاتھ مارا۔

مقصد یہ تھا کہ اب بس بھی کرو۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے تو آپ نے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: بدلہ لے لو!

عرض کی: میرا پہلو ننگا تھا، جب کہ آپ نے قمیص پہن رکھا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنا قمیص اٹھا دیا تو وہ آپ سے چمٹ گئے اور آپ کے پہلو پر بوسے دینے لگے۔ پھر عرض کی

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللهِ! اِنَّمَا اَرَدْتُّ هٰذَا۔ (702)

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ! میری مراد یہی تھی۔ (یعنی آپ کے پہلو کو چومنا)

پُشت مبارک

آپ ﷺ کی پشت مقدس کا قرآن کریم میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ (انشراح:2-3)

اور ہم نے اتار دیا تم سے وہ بوجھ جو تمہاری پیٹھ کو توڑے ڈالتا تھا۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو **وَاسِعُ الظَّهْرِ** اور **طَوِيْلُ مَسْرَبَةِ الظَّهْرِ** کہا ہے۔ **(703)**

یعنی آپ کی پشت مبارک کشادہ تھی اور ریڑھ کی ہڈی لمبی تھی، بالفاظ دیگر لمبی چوڑی پشت تھی جو غیر معمولی قوت و طاقت اور صحت کی علامت ہے۔

پشت انور کا رنگ نہایت سفید تھا۔ حضرت محرش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنے کے لیے قمیص اتارا۔

فَنَظَرْتُ إِلٰى ظَهْرِهٖ كَأَنَّهٗ سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ۔ (704)

تو میں نے آپ کی پشتِ انور کو دیکھا جو ڈھلی ہوئی چاندی جیسے تھی۔

عام لوگوں کو پشت کے پیچھے کچھ نظر نہیں آتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔فرماتے ہیں:

إِنِّيْ لَأَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ كَمَا أَرَاكُمْ أَمَامِيْ (705)

میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے سامنے دیکھتا ہوں

بازو مُبارک

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو لمبے اور بڑے تھے۔کلائیاں بھی کشادہ اور مضبوط تھیں۔مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو عَظِيْمُ السَّاعِدَيْنِ، شَبِيْعُ السَّاعِدَيْنِ اور طَوِيْلُ الزَّنْدَيْنِ کہا ہے۔(706) مفہوم سب کا یہی ہے کہ بازو مکمل مردانہ شان کے حامل تھے۔یعنی بڑے، لمبے اور مضبوط تھے۔ یہ تمام صفات قوت وتوانائی کی علامت ہیں۔

دستِ مبارک

جتنے لوگوں کو بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصافحے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ سب متفق ہیں کہ آپ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم اور ملائم چیز کوئی نہیں دیکھی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی مبارک ریشم سے زیادہ نرم تھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ زیادہ تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَا مَسِسْتُ حَرِيْرًا وَّلَا دِيْبَاجًا قَطُّ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم (707)

میں نے نہ کبھی کسی ایسے ریشم کو چھوا ہے نہ دیباج کو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔

ساخت کے اعتبار سے ہتھیلیاں بھری بھری اور بڑی بڑی تھیں۔مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو شَثْنُ الْكَفَّيْنِ (708) بَسْطُ الْكَفَّيْنِ (709) اور رَحْبُ الرَّاحَةِ (710) قرار دیا ہے۔یعنی آپ کی ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں، پھیلی ہوئی تھیں اور وسیع تھیں۔

ہتھیلی کی مناسبت سے خوش نما انگلیاں بھی لمبی لمبی تھیں۔حضرت ہند ابن ابی ہالۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہیں کہ آپ سَائِلُ الْأَطْرَافِ تھے۔(711) یعنی آپ کی انگلیاں بہتے پانی کی طرح تھیں۔نہ گانٹھ دار، نہ مڑی ہوئی اور کوتاہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حسن ادب ملاحظہ فرمایئے کہ ایک صحابی نے ایک سوال کے جواب میں چند چیزیں انگلیوں پر گن کر بتائیں اور کہا کہ یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کیا گیا تھا اور آپ نے اسی طرح انگلیوں پر شمار کر کے جواب

دیا تھا۔ پھر فرمایا:

لیکن خیال رہے کہ میری انگلیاں رسول اللہ ﷺ کی انگشتانِ مبارک جیسی نہیں ہیں۔ ان کی انگلیاں بہت خوبصورت اور لمبی تھیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ بھرپور توانائی اور قوت وطاقت والے ہاتھ عام طور پر نسبتاً گرم رہتے ہیں مگر رحمت عالم ﷺ کے ہاتھ مبارک ہمیشہ ٹھنڈے رہتے تھے اور ان سے کستوری جیسی دلآویز خوشبو پھوٹتی رہتی تھی۔

جن لوگوں نے آپ کے دست مبارک کو چھونے کی سعادت حاصل کی، ان میں سے چند کے بیانات ملاحظہ فرمایئے!

(1) حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ ریشم سے ملائم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ (712)

(2) حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تو آپ نے میرے لیے دعا فرمائی پھر میرے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا۔ اس کی برودت اور ٹھنڈک مجھے کبھی نہیں بھولتی۔

(3) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار تھا رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو میری پیشانی اور سینے پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد اب تک میں ان کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور خنکی کو اپنے جگر میں محسوس کرتا ہوں۔ (713)

(4) حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بطحاء کی طرف تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ نے وضو کیا اور نمازِ ظہر ادا کی۔ اس کے بعد لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے چہرے پر پھیرا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (714)

(5) حضرت یزید ابن اسود رضی اللہ عنہ مقامِ منیٰ کا ایک دلکش نظارہ یوں بیان کرتے ہیں لوگ تیزی سے آپ کی طرف بڑھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ ان دنوں میں نوجوان اور توانا تھا۔ اس لیے لوگوں کو اِدھر اُدھر کرتے ہوئے جلد ہی آپ تک پہنچ گیا اور آپ کا دست اقدس ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے اور سینے پر پھیرا۔ میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے بڑھ کر خوشبودار اور ٹھنڈی ہو۔ (715)

(6) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھی اور جب آپ مسجد سے باہر تشریف لائے تو میں بھی ساتھ تھا۔ مدینے کے بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے ان کے رخساروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ بچوں کے ساتھ مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہوگئی اور میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک کو اپنے رخسار پر محسوس کیا۔ آپ کا ہاتھ یوں مہک رہا تھا جیسے ابھی ابھی عطار کی ڈبیہ سے باہر نکلا ہو۔ (716)

(7) خوشبو اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا اس کے ہاتھ بھی مہک اٹھتے تھے۔حضرت وائل ابنِ حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کے بعد میرے ہاتھ مشک سے زیادہ معطر ہو جایا کرتے تھے۔

(8) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے، آپ کے ہاتھ عطار کے ہاتھ جیسے خوشبودار رہتے تھے۔آپ سے مصافحہ کرنے والا شخص دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو محسوس کرتا تھا اور اگر آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے تو وہ خوشبوں کی وجہ سے بچوں میں صاف پہچانا جاتا تھا۔(717)

(9) حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کی بیوی اُمِّ عاصم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم عتبہ رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ عطر استعمال کر کے اپنے شوہر کو خوش کرنا چاہتی تھیں مگر عجیب بات یہ تھی کہ ہمارے شوہر باوجودیکہ خوشبو بالکل نہیں لگاتے تھے، لیکن ان کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو کے سامنے ہماری تمام خوشبوئیں ماند پڑھ جاتی تھیں۔ایک دن ہم سب نے مل کر ان سے پوچھا کہ ہم ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خشبوئیں لگاتی ہیں مگر اس کے باوجود آپ کی خوشبو ہماری خوشبوؤں پر غالب آجاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ میرے جسم پر پھنسیاں نکل آئی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تکلیف بیان کی تو آپ نے مجھے کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔ میں نے ستر ڈھانپ کر باقی کپڑے اتار دیئے تو آپ نے اپنے ہاتھ پر دم کر کے میرے پیٹ اور پیٹھ پر پھیرا۔ بس اس دن سے میرا جسم مہک اٹھا اور اب تک مہک رہا ہے۔(718)

یہ نزاکتیں، لطافتیں اور عطر بیزیاں تو آپ کے ہاتھوں کی ظاہری خصوصیات تھیں۔ جہاں تک ان کی برکات کا تعلق ہے تو وہ حدود حساب سے باہر تھیں۔

بطور تبرک چند واقعات پیش خدمت ہیں:

(1) کسی کے سینے پر ہاتھ مارتے تو اس کے سینے میں علوم کے سمندر موجزن ہو جاتے: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! مجھے تو لوگوں کے نجی معاملات میں فیصلہ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں، پھر میں کس طرح وہاں کے حالات سنبھال سکوں گا؟

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا۔اور فرمایا: اے اللہ! اس کے دل کی رہنمائی فرما اور اس کی زبان کو سچائی پر ثابت رکھ!

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَوَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ مَاشَکَکْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَیْنَ اِثْنَیْنِ۔(719)

پس قسم ہے اس ذات کی جو بیج کو پھاڑتی ہے اس کے بعد مجھے دو آدمیوں کے تنازع میں فیصلہ کرتے ہوئے کبھی کوئی تردد نہیں ہوا۔

(2) کسی کے سینے پر ہاتھ رکھتے تو اس میں ایمان اور عشقِ نبی ﷺ کی شمع فروزاں ہو جاتی: فضالہ ابن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلے مجھے رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت تھی اور میں آپ کو (معاذ اللہ) قتل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے دن جب آپ طواف کر رہے تھے تو میں بھی اس خیال سے ساتھ شامل ہو گیا کہ موقع پا کر آپ کو مار ڈالوں گا۔ دوران طواف اسی خیال سے جب میں آپ کے نزدیک پہنچا تو آپ نے اچانک میری طرف دیکھا اور کہا: تو فضالہ ہے؟ میں حیران ہوا کہ آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں، بہر حال میں نے کہا: جی ہاں، میں فضالہ ہی ہوں۔ فرمایا: کیا سوچ رہے تھے؟ میں نے کہا: کچھ نہیں، بس اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ فرمایا: اس جھوٹ پر اللہ سے مغفرت طلب کر! یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا اور ابھی آپ نے ہاتھ اٹھایا نہیں تھا کہ میرے دل کی دنیا بدل چکی تھی اور مجھے آپ تمام کائنات سے زیادہ پیارے ہو چکے تھے۔ **(720)**

(3) سینے پر ہاتھ رکھتے تو مریض نسیان کا نسیان دور ہو جاتا: حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے قرآن یاد نہیں رہتا۔ فرمایا: یہ خنزب نامی شیطان کی کارستانی ہے۔ ذرا میرے قریب آ! میں قریب ہوا تو آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دونوں کندھوں تک محسوس کی۔ اس کے بعد میں جو کچھ بھی سنتا، مجھے یاد ہو جاتا۔ **(721)**

حضرت ابو ہریرۃ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ سے بہت باتیں سنتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، میں نے اپنی چادر پھیلائی، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی چلو بنائی اور (میری چادر میں ڈال دی) فرمایا کہ (چادر کو) لپیٹ لو۔ میں نے چادر کو (اپنے بدن پر) لپیٹ لیا، پھر (اس کے بعد) میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ **(722)**

(4) کسی کے سینے پر ہاتھ پھیرتے تو اس کے نفاق کا خاتمہ ہو جاتا: ابو محذورہ یوں تو مسلمانوں کے ساتھ شامل تھا مگر دل میں منافقت تھی اور رحمت عالم ﷺ سے نفرت کا زہر سینے میں بھرا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک مؤذن کی نقل اتارنا شروع کر دی۔ اتفاق سے سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی آواز سن لی اور اسے بلا کر اذان دینے کا حکم دیا۔ پھر اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا اور دو دفعہ اس کے منہ پر پھیرا، پھر ہاتھ نیچے لائے اور سینے سے گذارتے ہوئے اس کی ناف تک پہنچے۔ پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ! ابو محذورہ کو بابرکت بنا دے۔ ابو محذورہ کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ ہی میرے دل سے رسول اللہ ﷺ کی نفرت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ والہانہ محبت نے لے لی۔ **(723)**

(5) کسی کے جسم پر ہاتھ رکھا تو اس کو زنا سے نفرت ہوگئی: حضرت ابوب امامہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ مجھے زنا کرنے کی اجازت دید یجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا میرے قریب آ جاؤ، وہ نبی کریم ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر رکھا اور اس کے لیے دعا فرمائی، اس کے بعد وہ نوجوان کسی چیز کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔**(724)**

(6) اگر کسی کے چہرے پر ہاتھ پھر دیتے تو وہ آخر تک شاداب اور تروتازہ رہتا: حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر آپ نے بیعت لیتے وقت ہاتھ پھیرا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ مؤرخین کہتے ہیں:

فَمَازَالَ وَجْهُهٗ جَدِيْدًا حَتّٰى مَاتَ۔**(725)**

مرتے دم تک ان کا چہرہ تروتازہ رہا

(7) بعض دفعہ آپ کے ہاتھ پھیرنے سے چہرہ آئینے کی مانند شفاف اور عکاس ہو جاتا تھا: ایک دفعہ آپ نے حضرت قتادہ ابن ملحان رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو وہ اتنا شفاف ہو گیا کہ اس میں ہر چیز کا عکس دکھائی دینے لگا۔

حضرت علاء ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی خاصے فاصلے سے گزرا۔ میں نے اس کا عکس قتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرے میں دیکھ لیا۔**(726)**

(8) کسی کا چہرہ روشن اور چمکدار ہو جاتا: حضرت اسید ابن ابی ایاس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر آپ نے ہاتھ پھیرا تو وہ اتنا تابناک ہو گیا کہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ اگر اندھیرے کمرے میں داخل ہوتے تو وہاں روشنی پھیل جاتی۔**(727)**

(9) کسی کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو پوری زندگی سر کے بال سفید نہیں ہوئے: حضرت مدلوک رضی اللہ عنہ کا باقی سر سفید ہو گیا مگر ایک حصہ سیاہ رہا۔**(728)**

اسی طرح حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی داڑھی سفید ہوگئی مگر سر کے بال آخر تک سیاہ رہے۔ دونوں کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوتا اور ان سے اس کی وجہ پوچھتے تو وہ جواب دیتے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیرا تھا اس لیے یہ بال سیاہ رہے گئے ہیں؛ جبکہ باقی بال عمر کے تقاضے کے مطابق سفید ہو گئے ہیں۔**(729)**

(10) کسی کے پاؤں پر ہاتھ پھیرا تو پاؤں بہتر ہوا: حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے بعد جب میں واپسی میں ایک زینے پر پہنچا۔ میں یہ سمجھا کہ زمین تک میں پہنچ چکا ہوں (لیکن ابھی میں پہنچا نہ تھا) اس لیے میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا اور نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی۔ اس طرح گر پڑنے سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ لیا اور آ کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کی اطلاع دی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ میں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اس پر اپنا

دست مبارک پھیرا اور پاؤں اتنا اچھا ہو گیا جیسے کبھی اس میں مجھ کو کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔(730)

(11) کھجور کے تنے پر ہاتھ رکھا تو خاموش ہو گیا: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر بنائی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ کے لیے تشریف لاتے تو آپ ان میں سے ایک تنے کے پاس کھڑے ہو جاتے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تشریف لائے۔ پھر ہم نے اس تنے سے اس طرح کی رونے کی آواز سنی جیسے بوقت ولادت اونٹنی کی آواز ہوتی ہے۔ آخر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قریب آ کر اس پر ہاتھ رکھا تو وہ چپ ہوا۔(731)

(12) مشکیزے پر ہاتھ رکھا تو پانی جاری ہو گیا: حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور اُن سے فرمایا کہ جاؤ پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں نکلے۔ راستہ میں ایک عورت ملی جو پانی کی دو پکھالیں اپنے اونٹ پر لٹکائے ہوئے بیچ میں سوار ہو کر جا رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ملتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ کل اسی وقت میں پانی پر موجود تھی (یعنی پانی کی جگہ اتنی دور ہے کہ کل میں اسی وقت وہاں سے پانی لے کر چلی تھی آج یہاں پہنچی ہوں) یہ دونوں حضرات اس عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں لائے۔ اور سارا واقعہ بیان کیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن طلب فرمایا۔ اور دونوں پکھالوں یا مشکیزوں کے منہ اس برتن میں کھول دیے۔ پھر ان کا اوپر کا منہ بند کر دیا۔ اس کے بعد نیچے کا منہ کھول دیا اور تمام لشکریوں میں منادی کر دی گئی کہ خود بھی سیر ہو کر پانی پییں اور اپنے تمام جانوروں وغیرہ کو بھی پلا لیں۔ پس جس نے چاہا پانی پیا اور پلایا۔ اور سب سیر ہو گئے۔ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی سے کیا کیا کام لیے جا رہے ہیں اور اللہ کی قسم! جب پانی لے جانا ان سے بند ہوا، تو ہم دیکھ رہے تھے کہ اب مشکیزوں میں پانی پہلے سے بھی زیادہ موجود تھا۔(732)

(13) چشمے پر ہاتھ رکھا تو پانی بہہ پڑا: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ہم ایک چشمہ پر پہنچے اور چشمے کے پانی کا یہ حال تھا کہ جوتی کے تسمہ کے برابر ہو گا، وہ بھی آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی ایک برتن میں جمع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اور منہ اس میں دھویا، پھر وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا تو وہ چشمہ جوش مار کر بہنے لگا اور لوگوں نے (اپنے جانوروں اور آدمیوں کو) پانی پلانا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ! اگر تیری زندگی رہی تو تو دیکھے گا کہ یہاں جو جگہ ہے وہ گھنے باغات سے لہلہا اٹھے گی۔(733)

الغرض آپ کے دست مبارک کی برکات نوع بنوع اور بے شمار تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچے اور خادم انہی برکات کو

حاصل کرنے کے لیے پانی کے کٹورے ہاتھوں میں لیے مسجد کے باہر کھڑے ہوجاتے اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لاتے تو اپنے اپنے برتن آگے کر دیتے اور آپ ﷺ ان میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو کر ان کے پانی کو متبرک بنا دیتے۔ بچوں کے جذباتِ محبت کا آپ کو اس قدر پاس ہوتا تھا کہ آپ شدید سردی میں بھی ٹھنڈے پانی میں اپنا دست مبارک رکھ دیتے تھے کہ کہیں بچوں کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ کیسے خوش نصیب بچے تھے، جنہوں نے عشق و محبت کی علیحدہ دنیا آباد کر رکھی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

علاوہ ازیں سرکار دو عالم ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکلنا مشہور و معروف ہے۔

ساقِ مقدس

سرکار دو عالم ﷺ کی مبارک پنڈلیوں پر گوشت نہیں تھیں: بلکہ نسبتاً پتلی تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حُمُوْشَةٌ۔ (734)

رسول اللہ ﷺ کی پنڈلویں میں حموشت تھی

یعنی موٹی نہیں تھیں۔ پنڈلیوں کی رنگت سفید اور اس قدر دل کش تھی کہ دیکھنے والے کو عمر بھر یاد رہتی تھی۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مقام ابطح میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ خیمے کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر آئے اور اذان دی، پھر دوبارہ خیمے میں چلے گئے۔ چند لمحوں بعد پھر باہر نکلے تو ان کے ہاتھ میں آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی تھا۔ یہ دیکھ کر لوگ ان کے گرد کھڑے ہوگئے اور بطور تبرک اس پانی سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ پھر اندر چلے گئے اور ہاتھ میں نیزے لیے ہوئے برآمد ہوئے۔ ان کے پیچھے رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے اور مجھے یوں لگتا ہے کہ میں آج بھی آپ کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (735)

اہل محبت کو جب بھی موقع ملتا، ان مقدس پنڈلیوں پر حصول برکت کے لیے ہاتھ پھیر لیتے تھے یا چوم لیتے تھے۔

حضرت عمر ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد مقام منیٰ پر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اس وقت آپ سواری پر تھے۔ میرے والد نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو میں نے نزدیک ہو کر آپ کی پنڈلی پکڑی اور بطور تبرک اس پر اپنا ہاتھ پھیرا۔

حضرت عبد اللہ ابن سبقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ سواری پر تھے، میں فرطِ محبت سے آپ کی ٹانگ سے چمٹ گیا اور آپ کی پنڈلی اور پاؤں کا بوسہ لیا۔

پاؤں مبارک

سرورِ دوعالم ﷺ کے مقدس پاؤں کا حسن و جمال اور کمالات و برکات شہکارِ ربوبیت کے گرامی قدر مصنف نے بہت عمدہ طریقے سے بیان کی ہیں۔ اس لیے ہم اس کی تلخیص پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

قدمین شریفین

حضور سرورِ عالم ﷺ کے دونوں پاؤں مبارک نرم اور پُر گوشت تھے۔ تلوے قدرے گہرے تھے۔ انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھیں۔

قدم مبارک بڑے تھے

آپ کے مبارک قدم میں چھوٹا پن نہ تھا؛ بلکہ دونوں پاؤں مبارک بڑے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَخْمَ الْقَدَمَيْنِ (736)

آپ کے مبارک قدم نسبتاً بڑے تھے۔

دوسری روایت میں ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ۔ (737)

آپ کے دونوں پاؤں پُر گوشت تھے۔

موقعِ حُسنِ بے مثال

حضرت عبداللہ بن بریدۃ رضی اللہ عنہ قدمین کی خوبصورتی بیان کرتے ہیں؛

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ الْبَشَرِ قَدَمًا (738)

نبی اکرم ﷺ کے پائے مبارک تمام انسانوں سے خوبصورت تھے۔

حضرت ابن ہلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے مبارک قدم پُر گوشت اور تناسب کے ساتھ بھاری تھے۔

لَمْ اَرَ بَعْدَهٗ شَبِيْهًا بِهٖ۔ (739)

میں نے اتنے خوبصورت پاؤں آپ کے بعد کسی کے نہیں دیکھے

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

انگلیاں لمبی تھیں

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ پاؤں کی انگلیوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ سَآئِلَ الْاَطْرَافِ۔ (740)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں پُر گوشت تھے اور ان کی انگلیاں لمبی تھیں

آپ کے پاؤں مبارک کی انگشت سباب (جو انگوٹھے کے ساتھ ہوتی ہے) باقی انگلیوں کی بنسبت لمبی تھی۔ حضرت میمونہ بنتِ کروم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والدِ گرامی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا۔ اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کے ہاتھ میں اس طرح کی چھڑی تھی جیسے اساتذہ کے پاس ہوتی ہے۔

فَدَنَا اَبِیْ فَاَخَذَ بِقَدَمِهٖ فَاَقَرَّ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ (741)

میرے والد نے قریب ہو کر آپ کا مبارک قدم پکڑ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت کا اعتراف کیا

اس موقع پر میں نے آپ کے مبارک پاؤں کی انگلیوں کی زیارت کی۔

فَمَا نَسِيْتُ طُوْلَ اِصْبَعِ قَدَمِهِ السَّبَابَةِ عَلٰى سَآئِرِ اَصَابِعِهٖ (742)

سبابہ کا پاؤں کی دوسری انگلیوں پر حسنِ طول میں آج تک نہیں بھولی

پاؤں کے تلوے

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے تلوے گہرے تھے

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ خَمْصَانَ الْاَخْمَصَيْنِ۔ (743)

آپ کے دونوں قدم پُر گوشت تھے اور ان کے تلوے قدرے گہرے

ابن الاعرابیؒ سے آپ کے تلووں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تلوے قدرے گہرے تھے۔ اتنے گہرے نہ تھے کہ زمین سے زیادہ بلند ہوں اور نہ اتنے برابر تھے کہ بالکل سیدھے ہوں۔ یعنی ان کی گہرائی میں اعتدال تھا۔

پاؤں کی ٹھنڈک

آپ کے مبارک قدموں کو مس کرنے والا ہر شخص ان کی ٹھنڈک محسوس کرتا۔ حضرت میمونہ بنتِ کروم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والد گرامی نے آپ کے مبارک قدموں کو مس کرنے کے بعد بتایا:

فَقَبَضْتُ عَلٰى رِجْلِهٖ فَمَا رَاَيْتُ شَيْئًا اَبْرَدَ مِنْهَا (744)

میں نے آپ کے مبارک پاؤں کو مس کیا تو اس سے بڑھ کر میں نے کسی شے کو ٹھنڈا نہیں پایا

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

حضرت عمرو ابن ابی عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میری عمر پانچ چھ سال تھی۔ یوم نحر کو میرے والد مجھے پکڑ کر منیٰ میں اس مقام تک لے گئے جہاں آپ ﷺ اپنی سواری پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے والد سے پوچھا کہ یہ شخصیت کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں یہ سن کر آگے بڑھا اور آپ کے قریب ہوا۔

حَتّٰی اَخَذْتُ بِسَاقِهٖ ثُمَّ مَسَحْتُهَا حَتّٰی اَدْخَلْتُ كَفِّيْ فِيْمَا بَيْنَ اَخْمَصِ قَدَمِهٖ وَالنَّعْلِ فَكَاَنِّيْ اَجِدُ بَرْدَهَا عَلٰى كَفِّيْ۔ (745)

یہاں تک کہ میں نے آپ کی مبارک پنڈلی کو پکڑ لیا، پھر میں نے اسے تبرکا چھوا۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ آپ کے مبارک قدموں کے تلووں اور نعلین مقدس کے درمیان رکھا۔ پس اب بھی میں اپنے ہاتھ میں ان کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔

ایڑیاں مبارک

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ آپ کی مقدس ایڑیوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْهُوْسَ الْعَقِبَيْنِ۔ (746)

آپ ﷺ کی مبارک ایڑیوں پر بہت کم گوشت تھا۔

برکاتِ قدمین شریفین

یہ ساری کائنات آپ کے مبارک قدموں کی برکت ہی ہے۔ یہاں ہم بعض واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ واضح ہو کہ جن مقامات نے آپ کے مبارک قدموں کو مس کیا، انہیں وہ درجہ ملا جس کی مثال دو نیا و آخرت میں نہیں ملتی۔

قدمین شریفین اور ریاض الجنۃ

مسجد حرام کے بعد مسجد نبوی کو تمام مساجد پر فضیلت حاصل ہے مگر اس کا وہ حصہ جسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے، مسجد نبوی کے باقی حصوں سے بھی افضل ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ نماز پڑھانے کے لیے حجرۂ مبارکہ سے نکل کر محراب تک تشریف لاتے تھے۔ چونکہ وہاں آپ کا آنا جانا کثرت کے ساتھ تھا، اس لیے وہ جگہ جہاں آپ کے مبارک قدم کثرت کے ساتھ لگے، ریاض الجنۃ کہلایا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ۔ (747)

میرے گھر اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے، یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ کا جاری ہونا

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دفعہ آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ مقام ذی المجاز میں تھے۔ یہ مقام عرفات سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت ابو طالب کو سخت پیاس لگی۔ کوشش بسیار کے باوجود پانی نہ ملا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیاس کی شدت کو محسوس فرمایا:

فَضَرَبَ بِقَدَمِهٖ الْاَرْضَ فَخَرَجَ الْمَآءُ فَقَالَ اِشْرَبْ۔ (748)

آپ نے زمین کو قدم سے ایک ضرب لگائی تو اس سے پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ آپ نے فرمایا خوب سیر ہو کر پی لو۔ جب انہوں نے پانی پی لیا تو آپ نے اسی جگہ قدم رکھا، پانی بند ہو گیا۔

قرآن اور خاکِ پا کی قسم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے، گفتگو، چہرہ و زلف اور زندگی کی قسم کھائی ہے، وہاں اس نے آپ کی خاکِ گزر کی بھی قسم کھائی ہے۔ ارشادِ رب العزت ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (بلد:1-2)

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں، جس میں آپ جلوہ افروز ہیں۔

کسی شہر کی قسم کھانے سے خاکِ پا ہی مراد ہوتی ہے کیونکہ شہر سے مراد وہی سرزمین ہے جو اس شخصیت کے قدموں سے مس کر رہی ہوتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جو قول منقول ہے، وہ نہایت ہی قابلِ توجہ ہے اور اہل ایمان و محبت کے دل کی ٹھنڈک ہے۔ آپ اپنے پیارے آقا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَدْ بَلَغْتَ مِنَ الْفَضِیْلَةِ عِنْدَهٗ اَنْ اَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَیْكَ فَقَالَ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا کتنا عظیم مرتبہ ہے کہ اس نے آپ کے قدموں کی خاک کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ

پہاڑوں کا خوشی سے جھومنا

بعض اوقات جب آپ اپنے غلاموں کے ساتھ کسی پہاڑ پر تشریف فرما ہوتے تو وہ اس خوشی میں جھومنے لگ جاتا کہ آج مجھے آپ کے مبارک قدموں کا بوسہ نصیب ہوا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اُحد پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ احد نے خوشی ومسرت میں جھومتے ہوئے حرکت کی۔

فَضَرَبَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: اُثْبُتْ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ۔ (749)

تو آپ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا، ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

اس طرح کا واقعہ (جبل نور) حرا اور جبل ثبیر کے بارے میں بھی ہے۔

ٹھوکر سے سواریوں کا تیز رفتار ہونا

دوران سفر اگر کوئی سواری لاغر و کمزور ہونے یا کسی اور وجہ سے سست رفتار ہو جاتی تو آپ اسے پاؤں کی ٹھوکہ لگاتے جس کی برکت سے وہ تمام دیگر سواریوں سے آگے گزر جاتی۔ اس پر احادیث میں متعدد واقعات موجود ہیں۔ ان میں سے چند کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر سفر کر رہا تھا۔

میرا اونٹ کمزور اور لاغر تھا جس کی وجہ سے وہ تھک کر بیٹھ گیا۔ حبیب خدا تشریف لائے۔ فرمایا، کیا ہوا؟ سارا ماجرا عرض کیا۔

فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَدَعَا لَهُ فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ۔ (750)

تو آپ نے دعا فرماتے ہوئے اسے پاؤں کی ٹھوکر لگائی۔ اب وہ اتنا تیز رفتار ہوا کہ پہلے کبھی نہ تھا۔

بخاری شریف میں ہے کہ پھر مجھے میرے آقا نے پوچھا: اب تیرے اونٹ کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا:

يَا رسول الله! بِخَيْرٍ۔ قَدْ اَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ (یارسول اللہ! اب ٹھیک ہے۔ اسے آپ سے برکت پہنچ گئی ہے۔) (751)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یارسول اللہ! یہ میری اونٹنی ہے جو نہایت سست رفتار ہے۔ اس پر کرم کیجیے۔

فَأَتَاهَا فَضَرَبَهَا بِرِجْلِهِ۔ (آپ اس کے پاس آئے اور اسے پاؤں مبارک سے ٹھوکر لگائی)

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر کہتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُهَا تَسْبِقُ الْقَائِدَ (752)

میں نے اسے دیکھا کہ وہ اس کے بعد کسی سواری کو اپنے سے آگے نہ بڑھنے دیتی تھی۔

قدمین شریفین کا بوسہ

تمام انسانیت کی ہمیشہ یہ آرزو رہتی ہے کہ کاش ہمیں آپ کے نقشِ پا کی زیارت و دیدار نصیب ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کچھ ایسے خوش قسمت ہیں جن کو آپ کے مبارک قدموں کا بوسہ اور ان کے ساتھ چمٹنا نصیب ہوا۔

حضرت زارع بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم وفد کی صورت میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب کی صورت مبارکہ سے نا آشنا تھے۔ ہمارے پوچھنے پر کسی نے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ ہیں اللہ کے رسول۔

فَأَخَذْنَا بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ نُقَبِّلُهُمَا۔ (753)

تو ہم نے آپ کے دستِ اقدس اور مبارک قدموں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور انہیں چومنے لگے۔

امام بغوی، طبرانی نے حصن بن دحوح انصاری سے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے ملاقات کرتے ہوئے:

يَلْصَقُ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَيُقَبِّلُ قَدَمَيْهِ۔ (754)

آپ کے جسمِ اطہر کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے مبارک قدموں کو چومنا شروع کر دیا

الغرض سرکارِ دو عالم ﷺ از سر تا قدم حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کا ایک ایسا شاہکار ہیں کہ جس کی مثال نہ پہلے کبھی پائی گئی، نہ آئندہ کبھی پائی جائے گی۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل 3: وجوہاتِ محبت

(3) احسانات

سوال: حضور ﷺ کے نوالات/احسانات کی وضاحت کریں۔

جواب:

❑ ساری انسانیت حضور ﷺ کی احسان مند ہے

قرآن کریم میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۔(آل عمران:164)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۔(آل عمران:103)

اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۔(انبیاء:107)

اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد سے لیکر اب تک اور اب سے لیکر قیامت تک ساری انسانیت حضور ﷺ کی احسان مند ہے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام کوئی فلسفہ کوئی داستان فکر حضور ﷺ کے احسان سے سبکدوش نہیں، سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں حضور ﷺ ہی کی رہین منت ہے۔

رحمت ہماری روزمرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے، اس کے انواع واقسام اور اس کے مراتب و درجات کا کوئی ٹھکانہ نہیں، اگر کوئی کسی کو پانی پلا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی رحمت ہے اگر گرمی میں کوئی کسی کو پنکھا جھل دیتا ہے تو وہ بھی ایک

طرح کی رحمت ہے، ماں اپنے بچہ کو پیار کرتی ہے باپ اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے اور اس کے لیے زندگی کا ضروری سامان مہیا کرتا ہے وہ اس سے بھی بڑی رحمت ہے، استاذ طالب علم کو پڑھاتا ہے اس کو علم کی نعمت بخشتا ہے یہ بھی ایک بڑی قابل قدر رحمت ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا سب رحمت کے مظاہر ہیں، اور سب کا اعتراف ضروری اور شکر یہ واجب ہے۔

لیکن رحمت کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جاں بلب مریض کی جان بچائی جائے ایک بچہ دم توڑ رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آخری ہچکی لے گا، ماں رو رہی ہے کہ میرا لال دنیا سے رخصت ہو رہا ہے کہ اس سے کچھ نہیں ہوسکتا، باپ مارا مارا پھر رہا ہے اور سر تھوڑ رہا ہے، سب بے بس معلوم ہوتے ہیں کہ اچانک ایک طبیب حاذق فرشتہ بن کر پہنچتا ہے اور کہتا ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں، وہ دوا کا ایک قطرہ بچہ کے حلق میں ٹپکاتا ہے وہ آنکھیں کھول دیتا ہے سب اس کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کہیں گے اور وہ ساری رحمتیں جن کا میں نے نام لیا، اس رحمت کے سامنے مات ہو جائیں گی، اس لیے کہ یہ اس مریض ہی پر نہیں بلکہ اس کے چھوٹے سے کنبہ اور اس سے محبت کرنے والوں پر بھی احسان عظیم ہے کہ اس کی جان بچالی گئی، نابینا چلا جارہا ہے، راستہ میں کوئی خندق یا کوئی کنواں پڑ گیا، قریب ہے کہ اس کا اگلا قدم اسی خندق یا کنویں میں ہو، اللہ کا ایک بندہ عین وقت پر پہونچتا ہے اور وہ اس کی کمر پکڑ لیتا ہے، اور اس کو اس خندق میں گرنے سے بچالیتا ہے تو وہ اس کے حق میں فرشتہ رحمت کہلائے گا، ایک نوجوان اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تارا اور اپنے کنبہ کا سہارا ہے، دریا میں ڈوبنے لگا، وہ غوطے کھا رہا ہے کوئی گھڑی ہے کہ وہ تہہ نشین ہو جائے، ایسے میں اللہ کا بندہ اپنی جان پر کھیل کر کود پڑتا ہے، اور اس کی جان بچالیتا ہے، اس کے ماں باپ اور بھائی فرط مسرت اور احسان مندی کے جذبہ سے اس سے لپٹ جاتے ہیں اور ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتے۔

لیکن رحمت کا آخری مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا جائے۔ **(755)** اور اس رحمت عامہ تامہ کے مظہر، انسانیت کے محسن اعظم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں کہ جنہوں نے پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا۔

دور جاہلیت جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اس وقت کسی ایک ملک یا قوم کے انحطاط یا اخلاقی بگاڑ کا مسئلہ نہیں تھا، اور نہ خالی بت پرستی اور اخلاقی جرائم شراب نوشی، جوا بازی، عیش پرستی ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جابر و ظالم حکومتوں کے ظالمانہ اور غیر مصفانہ نظام اور قوانین کا مسئلہ تھا۔

اور نہ یہ مسئلہ تھا کہ عرب کے کچھ سنگدل اور قسی القلب لوگ اپنی معصوم بچیوں کو جھوٹی شرم اور خیالی ننگ و عار سے بچنے کے لیے ایک خود ساختہ نظریہ اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ مسئلہ پوری انسانیت کی قسمت اور پوری نوع انسانی کے مستقبل کا تھا۔ **(756)**

مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا اور پوری نسل انسانی کو زندہ دفن کرنا چاہتا تھا، انسان نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر چکا تھا، انسان نے اخلاقیات کو بالکل فراموش کر دیا تھا، انسان اپنی سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو بھول چکا تھا، اس وقت انسانوں کے دل میں بھیڑیئے اور چیتے کے دل فٹ ہو چکے تھے، ان کے جسم میں ایک فرضی معدہ اور ایک لامحدود نفس امارہ نے جنم لیا تھا۔

ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہو جائے تو پورے محلہ کی نیند حرام کر دیتا ہے سارا محلہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ اس وقت کا تصور کریں جب پوری دنیا پر جنون کا دورہ پڑا ہوا تھا پوری نوع انسانی پاگل ہو چکی تھی۔

اس دور میں تمدن بگڑا ہی نہیں تھا بلکہ متعفن ہو چکا تھا، اس میں کیڑے پڑ چکے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی کیفیت بعینہ ایک ایسے مکان کی سی تھی جس کی بنیادیں ایک سخت زلزلے نے ہلا دی ہو، اس کی ہر چیز بے محل اور بے قرینہ ہو اس عمارت کا ساز و سامان زیر و زبر ہو گیا ہو جو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ گیا ہو اس کی شکل بگڑ گئی ہو، کہیں کی چیز کہیں پڑی ہو، کہیں سامان کا ڈھیر لگ گیا ہو، کہیں بالکل جھاڑ و پھر گئی ہو۔ **(757)**

اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمائندگی ایک انسان کر رہا ہے، ایک حسین و جمیل دکھایا پیکر، ایک فربہ و توانا جسم، جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے جو مسجودِ ملائکہ ہے، اور مقصودِ آفرینش جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے اور جس کی وجہ سے یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد اور گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت مہیب خندق ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں، وہ انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لیے تیار کھڑا ہے، اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آ رہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیریوں غائب ہو جائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی تو کسی حد تک اس صورت حال کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ **(758)**

قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کی:

وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۔(ال عمران:103)

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تمثیل اس طرح بیان کی:

> میری اس دعوت و ہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گرد و پیش پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں۔ **(759)**

تو انسانیت کی جان کنی کا یہی وقت تھا جب محسن اعظم ﷺ نسخہ شفا لیکر تشریف لائے، آپ ﷺ کے مسلسل علاج سے جاں بلب نوع انسانی کو نئی زندگی ملی، نیا حوصلہ ملا، نئی طاقت ملی، نئی عزت ملی، نیا شعور ملا اور نئی منزل ملی۔

یوں تو نوع انسانی پر محسن اعظم ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں مگر یہاں صرف چھ بڑے بڑے احسانات کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

❑ حضور ﷺ کے 6 بڑے احسانات

پہلا احسان: وحدتِ ربّ

حضور ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعہ دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت ملی، اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے۔

وہ عظیم سورت جسے قرآن کا دیباچہ کہا گیا ہے اور جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے، اس کی پہلی آیت ہی یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سب تعریفیں اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

چینی کا رب بھی وہی، ہندی کا رب بھی وہی، ایرانی کا رب بھی وہی، رومی کا رب بھی وہی، عربی کا رب بھی وہی، عجمی کا رب بھی وہی، کالے کا رب بھی وہی، گورے کا رب بھی وہی، طاقتور کا رب بھی وہی، کمزور کا رب بھی وہی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مردہ کو زندہ کرتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے، کمزور کو طاقتور بناتا ہے، غلاموں کو شاہوں سے بات کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے، کمزوروں کو جابروں کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کی جرأت عطا کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ساری امیدیں ایک ذات سے وابستہ کر دیتا ہے، اس عقیدہ کا حامل انسان اس ایک ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، اس کے سوا کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا، اس کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا، اس کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ انسان جسے اپنی ذہانت اور طاقت پر بڑا ناز ہے، جس نے شاعری میں فلسفہ میں، ادب میں اور سیاست میں بڑا نام پیدا کیا، جس نے قوموں اور ملکوں کو بارہا اپنا غلام بنالیا، جس نے پہاڑوں کے جگر کاٹ کر دریا بہائے، جس نے دریاؤں اور فضاؤں کو مسخر کیا، جس نے آگ پانی کو بھی اپنا تابع بنالیا، جس نے کبھی کبھی خدائی دعوے بھی کیے، وہ انسان جب انسانیت کے مقام سے گرا تو اپنے سے کہیں زیادہ مجبور اور کمزور بلکہ بے جان چیزوں کے سامنے جھکنے لگا، وہ ان سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، وہ دریاؤں، پہاڑ اور چاند ستاروں ہی سے نہیں بلکہ کیڑوں مکوڑوں کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوتا تھا، وہ جنوں اور شیطانوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا تھا۔

کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ، اسے بتایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔(بقرۃ:255) وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے۔(شعراء:26) نہ اس کی اولاد ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مددگار ہے۔(اسرائیل:111) زمین و آسمان کو اس نے پیدا کیا۔(انعام:73) آسمان میں برج اور چاند ستارے بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔(فرقان:61) زمین کو قرارگاہ، آسمان کو چھت اور صورتوں کو پرکشش اُسی نے بنایا(مؤمن:64) رات اور دن، سورج اور چاند ایک اللہ نے پیدا کیے ہیں لہٰذا سورج اور چاند کو نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو۔(حم سجدہ:37) دانے سے کونپل، گٹھلی سے پودا، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ صرف وہی پیدا کرتا ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔(انعام:95) وہی ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کے حالات جانتا ہے۔(شعراء:220) غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں وہ بحر و بر کی ساری مخلوق کو جانتا ہے، درخت سے پتا گرتا ہے اس کا اسے علم ہوتا ہے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور ہر خشک اور تر چیز کا علم اسی اللہ کو ہے۔(انعام:59) ساری مخلوق کو رزق وہی دیتا ہے۔(ھود:6) عزت و ذلت صرف اسی کے قبضے میں ہے۔(ال عمران:26) ساری کائنات پر صرف اسی کی حکومت ہے۔(یوسف:40) مشرق و مغرب کا مالک صرف وہی ہے۔(بقرۃ:115) وہ جس کا رزق چاہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔(رعد:13) ہنساتا وہی ہے، رلاتا وہی ہے، زندہ وہی کرتا ہے، مارتا وہی ہے۔(نجم:44-43) وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور وہ جسے ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔(زمر:37-36) وہ اگر کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔(یونس:107) اس کائنات کا ایک ایک ذرّہ اس کے حکم کے تابع ہے۔(توبۃ:28)

یہ وہ عقیدہ تھا جو آپ نے شرک کے بیماروں کو انداز بدل بدل کر سمجھایا اور اسی عقیدے نے انسان کو بدل کر رکھ دیا۔ وہ انسان جو مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا ان پر حکومت کرنے لگا۔

اس عقیدے نے انسان کی دنیا ہی بدل دی، دلوں کی کشتِ ویراں پھر سے آباد ہونے لگی، مردہ جذبات انگڑائیاں لینے لگے۔ انسان کو صدیوں کے بعد جا کر خبر ہوئی کہ میں انسان ہوں، وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو گیا، اسے خوف اور دہشت سے نجات مل گئی ، وہ اپنے آپ کو ساری مخلوق سے افضل اور ساری دنیا کا منتظم سمجھنے لگا، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنے واشگاف اور ٹھوس انداز میں اس عقیدے کو دنیا کے سامنے پیش کیا کہ مشرکوں کو اپنے شرک پر شرم آنے لگی، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کو تاویل پر مجبور ہو گئے، جس معاشرے میں موحد ہونا بڑی عجیب بات تھی اب اسی معاشرے میں مشرک ہونا بہت بڑا جرم تصور ہونے لگا۔ قرآن نے دوٹوک انداز میں کہد یا کہ مشرک کا وجود غلاظت اور نجاست ہے، اسے مسجد کے قریب بھی نہ آنے دو۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۔(توبۃ:28)

بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں

آج جو سائنسدان چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں تو انہیں محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ممنون ہونا چاہیے جنہوں نے انسان کے لیے ان کے مسخر ہونے کا اعلان کیا۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ۔(زمر:5)

اور اس نے چاند سورج کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے۔

ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو انسان انہیں اپنا معبود سمجھتا تھا، وہ انہیں مسخر کرنے اور ان پر قدم رکھنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نوعِ انسانی پر سب سے بڑا اور سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔

دوسرا احسان: وحدتِ اَب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا بڑا احسان نوعِ انسانی پر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحدتِ انسانی کا تصور دیا۔ انسان قوموں اور برادریوں میں بٹا ہوا تھا، کوئی اعلیٰ تھا کوئی ادنیٰ تھا، کوئی مستقل محکوم تھا اور کوئی مستقل حاکم تھا، یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ سارے انسانوں میں سے ہم اللہ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۔(مائدۃ:18)

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔

مصر کے فرعون کہتے تھے کہ ہم سورج دیوتا کے اوتار ہیں ہندوستان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑتے تھے اور اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہتے تھے۔ ایران کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے، یہ صرف بادشاہوں کا دعویٰ نہ تھا بلکہ ایران کے عوام بھی یہ سمجھتے تھے کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، چینی اپنے شہنشاہوں کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین اس کا مادہ ہے، اور ان دونوں کی اتصال سے کائنات پیدا ہوتی ہے اور ہمارا شہنشاہ اس جوڑے کا پلوٹھا بیٹا ہے۔ عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا (عجم) کہتے تھے اور ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش تو اپنے آپ کو عام عربوں سے بھی اعلیٰ اور برتر سمجھتا تھا۔

یہ وہ ناموافق فضا تھی جس میں انسانیت کے سب سے بڑے محسن نے رب العالمین کا یہ پیغام سنایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ۔ (حجرات:13)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

یعنی اے ساری دنیا کے انسانوں تم سب ایک باپ آدم وحوا کی اولاد ہو۔ چینی ہو یا ہندی، ایرانی ہو یا رومی، عربی ہو یا عجمی، کالے ہو یا گورے، طاقتور ہو یا کمزور سب ایک باپ کی اولاد ہو۔

لہٰذا انسانوں میں قبیلوں، ذاتوں اور خاندانوں کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اگر فرق ہے تو تقویٰ اور اخلاق کے اعتبار سے ہے، علم اور عمل کے اعتبار سے۔ فضیلت نہ تو حسب ونسب سے ہو سکتی ہے، نہ رنگ وزبان سے بلکہ اللہ کے ہاں فضیلت صرف دین اور اعلیٰ اخلاق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر اس وقت کو یاد کیجیے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج کے لیے میدانِ عرفات میں تشریف لے گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد جمع تھے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تاریخی اور انقلاب انگیز اعلان فرمایا:

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر۔ **(760)**

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نے تردید کر دی ان لوگوں کی جو اپنے آپ کو خدا کی لاڈلی اولاد کہتے تھے۔ تردید کر دی ان لوگوں کی جو صرف نسب کی بناء پر بھگوان بنے بیٹھے تھے، تردید کر دی ان لوگوں کی جو بے عمل بلکہ بدعمل ہونے کے باوجود انسان سیادت وقیادت پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے۔ تردید کر دی اس نظریہ کی کہ شاہ کا بیٹا بھی پیدائشی شاہ ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے، تمہارا اب بھی ایک ہے۔ الرب واحد والاب واحد تو پھر یہ تفریق اور تقسیم کیسے ہوگئی کہ ہر عربی اعلیٰ ہے اور ہر عجمی ادنیٰ ہے۔ ہر قریش افضل ہے اور ہر اموی مفضول ہے۔

یہ وہ اعلان تھا جس نے رنگ ونسل کے فرق کے باوجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ فارسی تھے، بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، صہیب رضی اللہ عنہ رومی تھے، عداس رضی اللہ عنہ نینوائی تھے، ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری تھے، طفیل رضی اللہ عنہ دوسی تھے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اموی تھے، عدی رضی اللہ عنہ طائی تھے، ضماد رضی اللہ عنہ ازدی تھے، سراقہ رضی اللہ عنہ جعشمی تھے مگر جو بھی تھے، بھائی بھائی تھے اور بھائی بھی ایسے کہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کی تفسیر، ان کے عمل کو دیکھ کر خود بخود سمجھ آجاتی تھی، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلاتے تھے، محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو

جاتے تھے، وہ ایک ہی فرش پر بیٹھ جاتے تھے، ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے اور ایک ہی برتن میں پانی پی لیتے تھے۔ تو نوعِ انسانی پر آپ کا یہ دوسرا احسان ہے کہ آپ نے انسانوں کے درمیان وحدت اور مساوات کا درس دیا۔

تیسرا احسان: احترام انسانیت

نوعِ انسان پر محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کے احترام اور انسان کی قدر و قیمت کا سبق دیا۔ جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس زمانہ میں انسان سے ذلیل کوئی نہیں تھا۔ بعض حیوانات مقدس شمار ہوتے تھے، بعض درختوں کی تکریم فرض سمجھی جاتی تھی، مٹی اور پتھروں سے بنائے ہوئے بتوں کی تعظیم کی جاتی تھی لیکن انسان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ ان مقدس حیوانوں، درختوں اور بتوں پر انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، انسان کا خون بے دریغ بہایا جاتا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ میں یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ قابلِ احترام ہستی ہے۔

انسان مسجود ملائک ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ (بقرة:34)

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان

انسان اشرف المخلوقات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے کرم و شرف عطا کیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۔(اسراء:70)

اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہے ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

جو کچھ زمین میں ہے سب انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرة:29)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

انسان خلیفۃ اللہ ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۔(بقرة:30)

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب

انسان اللہ کا کنبہ ہے، فرمایا:

انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔(761)

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم نے فرمایا تھا:

تمہارا خون، تمہارے مال، تمہاری عزت اور تمہاری کھال تم پر اسی طرح حرمت والے ہیں جس طرح اس دن (قربانی کا دن) کی حرمت اس مہینے (ذی الحجہ) اور اس شہر (مکہ مکرمہ) میں ہے۔(762)

ایک حدیث قدسی میں انسانیت کی جو بلندی بیان کی گئی ہے اس سے زیادہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور سارے مذاہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں، فرمایا گیا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا: اے آدم کی اولاد! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ کہے گا: پروردگار! میں تیری عیادت کیا کرسکتا ہوں، تُو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا: کیا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی عیادت کو نہیں گیا تھا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا پروردگار! میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا: کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے نہیں کھلایا کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو مجھے اس کی پاس پاتا۔ پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے! ارشاد ہوگا تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔(763)

ایک ایسا مذہب جس میں توحید پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور شرک کی سخت تردید کی گئی ہے اس میں یہ اندازِ تکلم انسانیت کی بلندی کا سب سے بڑا اعتراف ہے۔

انسانیت کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر اللہ رحم کرے تو تم اس کی مخلوق پر رحم کرو۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو مسلسل بالاوّلیۃ کے نام سے مشہور ہے۔

مسلسل احادیث اس کو کہا جاتا ہے جن میں راوی حدیث کے الفاظ ہی کو محفوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کیفیت کو بھی محفوظ رکھتا ہے جس کیفیت میں اس نے اپنے استاد کو حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا ہوتا ہے۔ میں آپ کو جو حدیث سنا رہا ہوں اس حدیث کے بارے میں متقدمین کا یہ معمول تھا اور عرب ممالک میں اب بھی ایسا ہی ہے کہ حدیث کے اساتذہ اپنے شاگرد کو حدیث کا درس شروع کراتے وقت سب سے پہلے یہی حدیث پڑھاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رحم کرنے والوں پر رحمان کی رحمت ہوتی ہے اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔ **(764)**

مولانا الطاف حسین حالی نے ایک شعر میں اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اس شعر کو ہمارے بھیک مانگنے والے خوب استعمال کرتے ہیں اور اپنی بھیک پر مشتمل معروضات کا آغاز بطور خطبہ اس حدیث سے کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں یہ حدیث اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھیک مانگتے وقت لوگوں کا دل نرم کرنے کے لیے اسے پڑھیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کریں اور اللہ کی مخلوق پر اتنا رحم کریں کہ اللہ ہم پر مہربان ہو جائے۔

جس معاشرے میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم کو نظر انداز کیا جائے گا اور انسانیت کا احترام نہیں کیا جائے گا اُس معاشرے میں دولت، کرسی، اقتدار ہر چیز کی قدر ہوگی انسان کی قدر نہ ہوگی آپ تاریخ اٹھا کر کافر اور ظالم بادشاہوں کے حالات پڑھیں کیا ہوتا تھا؟ بادشاہ اٹھتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے۔ سکندر اٹھا تو کشتوں کے پشتے لگاتا ہوا ہندوستان تک چلا آیا، کتنی ہی قوموں اور تہذیبوں کے چراغ اس نے گل کر دیے۔ سیزر اٹھا اور اس نے انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

ہمارا یہ دور جو بڑا ترقی یافتہ اور مہذّب دور کہا جاتا ہے اس دور کی دو عالمی جنگوں کا حال پڑھیے تو سر شرم کے مارے جھک جائے گا مگر وہ سر ہمارا ہی ہوگا، یورپ کے ان درندوں کا تو سر کبھی نہیں جھکے گا جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ خونخوار ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو انسانیت کا غم خوار اور ہمدرد باور کرانا چاہتے یں حالانکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ستائیس غزوات اور ساٹھ سریے پیش آئے ان غزوات اور سرایا میں جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں مسلمان اور کافر دونوں شامل ہیں لیکن ان غزوات کے نتیجہ میں جزیرۃ العرب میں ایسا امن قائم ہوا کہ ایک مسافر خاتون قاسیہ سے اپنے اونٹ پر چلتی اور بیت اللہ کی زیارت کرتی مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا لیکن یورپ والوں نے جو دو جنگیں لڑیں ان کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے عالمگیر جنگ میں چونسٹھ لاکھ افراد قتل ہوئے اور دوسری عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ ان دونوں جنگوں سے انسانی سوسائٹی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوا، نہ ظالموں کی سرکوبی

ہوئی نہ مظلوموں کو سکون ملا، نہ شہروں میں امن وسکون پیدا ہوا۔

الغرض محسنِ اعظم ﷺ کا انسانی سوسائٹی پر تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کی قدر و قیمت بتائی اور انسانیت کا احترام سکھایا۔

- **اسلام اور غلامی**

مغرب کا اسلام پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں انسان کو غلام نہیں بنا جا سکتا، انسان کو غلام بنانے کا جو قدیم تصور تھا ہم نے اس غلامی کا مکمل خاتمہ کر دیا، اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی دفعہ 4 میں ہے:

> کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو ممنوع قرار دی جائے گی۔

جب کہ مسلمانوں کے یہاں قرآن وحدیث میں آج بھی غلامی کو پڑھا پڑھایا جا رہا ہے۔ یہ احترام انسانیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اس زمانے میں کسی شخص کو غلام بنانے کے تین طریقے رائج تھے:

ایک طریقہ وہ تھا جسے آج کل بردہ فروشی کہتے ہیں۔ کوئی طاقتور آدمی کسی کمزور آدمی کو پکڑتا تھا اور غلام بنا کر بیچ دیتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے زید بن ثابت اور سلمان فارسی ایسے ہی غلام بنے تھے، کچھ طاقتور لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے جنہوں نے غلام بنا کر انہیں بیچ دیا۔

دوسرا طریقہ غلام بننے اور بنانے کا یہ تھا جس کا بائبل میں بھی ذکر ہے اور پرانی قوموں میں بھی یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ کسی آدمی نے کوئی جرم کیا ہے یا اس کے کے ذمے کوئی تاوان ہے تو عدالت نے، پنچایت نے، تحکیم نے، قضا نے اس شخص کو سزا کے طور پر غلام بنا دیا، بلکہ بعض اوقات مجبور آدمی خود اپنے کو کسی کی غلامی میں دے دیتا تھا مثلاً کسی پر کسی کا کوئی قرض ہے جسے وہ چکا نہیں سکتا تو وہ آخر ہار مان کر کہہ دیتا تھا کہ ٹھیک ہے میں تمہارا غلام ہوں مجھے بیچ کر اپنا قرضہ پورا کر لو یا مجھ سے کام لے لو۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ جنگی قیدی جو ہاتھ میں آتے تھے انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا، جنگ کے دوران جو لوگ قید میں آجاتے تھے ان کے بارے میں مختلف آپشنز ہوتے تھے، مثلاً یہ کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا کبھی کبھار حکمت کے تحت ویسے ہی چھوڑ دیا جائے یا قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جائے، اور ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ انہیں قید کر لیا جائے۔ اب جب قید کر لیا جاتا تو پھر دو صورتیں ہوتیں: یا تو انہیں قید خانے میں ڈال دیا جائے اور یا انہیں غلام بنا کر مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یعنی جیل کا قیدی یا پھر گھر کا قیدی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں عرب میں اجتماعی قید خانے نہیں ہوا کرتے تھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو قید میں رکھنا

مشکل تھا چنانچہ یہ قیدی خادم کے طور پر مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔

یہ تین طریقے اس وقت غلام بنانے کے رائج تھے ،ان میں سے دو صورتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے تقریبا ساڑھے چودہ سو سال پہلے مکمل طور پر منع فرما دیں۔آپ نے بردہ فروشی کو حرام قرار دے دیا اور جرمانے یا تاوان میں بھی کسی کو غلام بنانے کو حرام قرار دے دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

> تین آدمیوں کے خلاف میں قیامت کے دن خود مدعی بنوں گا۔ان میں سے ایک وہ شخص جو کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھا جائے۔**(765)**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے غلام بنانے کی صرف تیسری صورت (قیدی) باقی رکھی گئی ، اور اس کی حیثیت بھی اسلام میں فرائض، واجبات یا مستحبات میں سے نہیں، بلکہ مباحات میں سے ہے۔

اور ایسا کوئی بین الاقوامی معاہدہ قبول کرنا جس سے کسی مباح پر اثر پڑے تو اس کے لیے اس مباح کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہم نے ایسا ہی کیا ہے، ہم نے غلامی کی ایک صورت کو اس زمانے کے عرف کے حوالے سے قبول کیا تھا اور آج کے عرف کے حوالے سے اس ایک صورت سے بھی ہم نے دستبرداری اختیار کر لی ہے۔

البتہ ایک بات سمجھنے کی ہے ایسا ہم نے اصولاً نہیں کیا بلکہ عملاً کیا ہے۔خدانخواستہ غلامی کے ایسے حالات دنیا میں پھر پیدا ہو جائیں تو ہم ان حالات سے نمٹنے کا راستہ کیوں بند کریں؟ اصولاً ہم اپنے موقف پر قائم ہیں قرآن وسنت کی تعلیمات اصولاً اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ہم احکام سے دستبردار نہیں ہوئے بلکہ تطبیق سے دستبردار ہوئے ہیں۔

فرض کریں ہم پتھر کے دور میں چلے گئے ہیں اور کسی جنگ میں کچھ قیدی ہمارے ہاتھ آ گئے ہیں، ان قیدیوں کو ہم اپنی سیاسی اور جنگی حکمت عملی کے تحت نہ آزاد کر سکتے ہیں نہ کسی قسم کے تبادلے میں چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہم انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں، اب ہمارے پاس دو صورتیں ہیں ۔ یا تو انہیں اجتماعی طور پر کسی قید خانے میں ڈال دیا جائے اور یا پھر انہیں مختلف خاندانوں کے حوالے کر دیا جائے۔

یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس قیدی کے لیے ان میں سے بہتر صورت کون سی ہے؟ قید کی کوئی مدت بھی معین نہیں ہے۔آپ اس قیدی سے پوچھیں کہ وہ جیل میں رہنا چاہتا ہے یا کسی کے ساتھ گھر میں؟ مکمل غلامی چاہتا ہے یا نیم آزادی؟ قیدی سے پوچھیے کہ حقوق کے تعیّن کے ساتھ کسی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا پھر جیل میں پڑا گلنا سڑنا چاہتا ہے؟ آپ اس قیدی سے پوچھیے کہ اس کے لیے وہ جیل کی چار دیواری بہتر ہے یا نیم آزادی کے ساتھ خدمت بہتر ہے؟ ایک عورت کے لیے جیل میں سڑنا بہتر ہے یا حقوق کے تعین کے ساتھ کسی کے ساتھ رہنا بہتر ہے؟**(766)**

چوتھا احسان: انسان کو مایوسی اور احساس کمتری سے نکالنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر چوتھا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا جس سے انسان کا اپنے اوپر اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو مختلف مذہبی رہنماؤں نے متزلزل کر دیا تھا ہندوستان میں تناسخ اور آواگون کا عقیدہ پایا جاتا تھا، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگتے، حالانکہ یہ گناہ اس نے نہیں کیے۔ اس عقیدے نے انسان کو مجبور محض بنا دیا تھا۔

عیسائیت کی تعلیم یہ تھی کہ ہر انسان پیدائشی گناہ گار رہتا ہے اور اس کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ بنتے ہیں۔

کئی ایسے لوگ تھے جو مذہب کے نام پر گنہگاروں سے نفرت کرتے تھے اور انہیں یہ باور کراتے تھے کہ تمہاری مغفرت کی کوئی صورت نہیں اور تم سے خدا ہمیشہ کے لیے ناراض ہو چکا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واشگاف اعلان کیا کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ معصوم ہوتا ہے اس پر گناہ کا کوئی ایک دھبہ بھی نہیں ہوتا وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ البتہ جو کچھ اچھا یا بُرا عمل وہ خود کرے گا اس کا بدلہ اسے مل کر رہے گا۔ فرمایا گیا:

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ، وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ۔ (نجم: 41-38)

کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھلائی کی ضرور ہے پھر اس کو بدلہ ملنا ہے اس کا پورا بدلہ۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ اگر کسی انسان سے بڑے سے بڑا گناہ بھی ہو جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ موت سے پہلے توبہ کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اس زور شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شعبہ کا زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں ایک نام نبی التوبہ بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ کے اتنے فضائل بیان فرمائے کہ بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو سچے دل سے توبہ کرنے والے گنہگاروں پر رشک آنے لگا۔

قرآن کے اندازِ بیان کو دیکھیں تو گنہگاروں سے نفرت کا اظہار نہیں بلکہ محبت اور اپنائیت کا اقرار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ (زمر: 53)

کہہ دو کہ: "اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

سورہ آل عمران میں توبہ کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے انہیں مغفرت اور جنت کی طرف لپکنے اور جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ، الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ،وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَافَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ، أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۔(آل عمران:136-138)

اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔ وہ ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لیے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں کہ اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں انہیں دائمی زندگی حاصل ہوگی، کتنا بہترین بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے۔

قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہی سورہ توبہ ہے اس سورۃ کی آیت 112 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مخصوص بندوں کا ذکر کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اس فہرست میں عابد بھی شامل ہیں رکوع کرنے والے بھی شامل، سجدے کرنے والے بھی شامل ہیں لیکن اس نورانی فہرست میں سب سے پہلے جن کا ذکر فرمایا ہے وہ تائبون ہیں یعنی توبہ کرنے والے۔ فرمایا:

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ۔

(توبہ:112)

(جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اس کی حمد کرنے والے! روزے رکھنے والے! رکوع میں جھکنے والے! سجدے گزرنے والے! نیکی کی تلقین کرنے

والے، اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے، (اے پیغمبر) ایسے مومنوں کو خوشخبری دے دو۔

آج ہم میں سے کئی کم ظرف ایسے ہیں جو گناہوں سے تائب ہوجانے والوں پر بھی انگلیاں اٹھاتے رہتے ہیں، وہ انہیں طعنہ دیتے ہیں کہ آج بڑے نیک بنتے ہو ہم جانتے ہیں کہ تم ماضی میں کیسے تھے۔لیکن میرا اللہ جو بڑا ارحم الراحمین ہے وہ گنہگاروں کی دل شکنی نہیں بلکہ ان کی دلداری کرتا ہے۔اس دلداری کی ایک مثال آپ ملاحظہ فرمائیں:

ہوا یوں کہ تین صحابی ایسے تھے جو مخلص ہونے کے باوجود بلا کسی عذر کے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔

اگرچہ شرکت سے محروم رہنے والے تو اور لوگ بھی تھے مگر وہ منافق تھے اور انہوں نے جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑا لی تھی مگر یہ تینوں مخلص صحابی تھے انہوں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا اور صاف اقرار کرلیا کہ ہمیں کوئی مجبوری در پیش نہ تھی، بس نفس کی حیلہ سازی اور کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے۔ نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ ان تینوں سے بائیکاٹ کا حکم دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم تو آقا کے حکم کے غلام تھے، سب نے ان تینوں سے بات چیت بند کردی۔کل کے مخلص دوست بالکل اجنبی بن کر رہ گئے، جب پچاس راتیں گزر گئیں تو غفور رحیم نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی توبہ کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ ان کی توبہ کی تمہید میں سید الانبیاء والمرسلین ﷺ اور ان مہاجرین وانصار کی توبہ کا ذکر بھی فرمادیا جو کہ غزوۂ تبوک میں پیش پیش تھے۔

علماء کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور مہاجرین وانصار کی توبہ کا اس لیے ذکر فرمایا تاکہ یہ تینوں احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں (اور ان کی) دل شکنی نہ ہو۔اس کا اصل مقصد ان کی عزت افزائی اور دلداری تھا۔ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ،وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔(توبہ:118-117)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، جبکہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لیے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کردیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی

پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اگر آپ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان کی تعلیمات ایسی ہیں کہ یا تو خطا کاروں کو بالکل چھٹی دے دی گئی ہے کہ انہیں خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں فلاں اور فلاں ان کے گناہوں کا کفارہ اور ان کے لیے سفارشی بن جائے گا یا پھر ان سے ایسی نفرت ظاہر کی گئی ہے کہ انہیں رحمت اور مغفرت سے بالکل مایوس کر دیا گیا ہے، اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ تمہاری نجات اور بخشش کی کوئی صورت نہیں، جس وقت دنیا میں اسلام کا ظہور ہوا اس وقت عمومی صورتحال یہی تھی کہ انسان اپنے آپ سے اپنے رب سے، اپنی نجات سے اور مغفرت سے مایوس ہو چکا تھا، اسلام نے آکر مایوسی کے بیماروں کو امید کا آبِ حیات پلایا پھر دنیا نے دیکھا کہ قاتلوں، رہزنوں، شرابیوں، زانیوں اور ظالموں نے اپنی گناہ آلود زندگی سے کیسے توبہ کی اور اس توبہ نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو زاہد و پارسا بنادیا، کتنے ہی ظالموں اور قاتلوں کو انسانیت کا محافظ اور غمخوار بنادیا، کتنے ہی کافروں اور مشرکوں کو مؤمن اور موحد بنادیا۔ قرآن نے مایوسی کی عالمگیر فضا میں یہ اعلان کر کے امید کے چراغ روشن کر دیے۔

وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ۔

(یوسف:87)

اور ناامید نہ ہو اللہ کے فیض سے بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ (اعراف:156) (میری رحمت ہر چیز پر حاوی و محیط ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی تو عرش کے اوپر اپنے پاس یہ لکھ دیا:

إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي۔ (767)

میری رحمت میرے غصہ سے بڑھ کر ہے۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ توبہ کرنا انبیاء کی سنت اور ان کا شیوہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہوئی تو انہوں نے یوں مغفرت طلب کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

(اعراف:23)

اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر، اور اگر تم ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا طلب مغفرت کا انداز یہ تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۔(نوح:28)

میرے پروردگار! میری بھی بخشش فرما دیجیے، میرے والدین کی بھی، ہر اس شخص کی بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا ہے۔ اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی بھی۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کو تباہی کے سوا کوئی اور چیز عطا نہ فرمایے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے تھے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۔(ابراهیم:41)

اس دن میری بھی مغفرت فرمایئے میرے والدین کی بھی، اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انداز یہ تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۔(اعراف:151)

میرے پروردگار! میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما دے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

تو محسنِ اعظم ﷺ کا یہ چوتھا احسان تھا کہ انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا اور اسے بخشنے والے، توبہ قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

پانچواں احسان: دین و دنیا کی وحدت کا تصور

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک کا نام دین تھا اور دوسرے کا نام دنیا، کلیسا میں دین تھا اور قصر شاہی میں دنیا تھی، گرجا میں دین تھا اور منڈی اور بازار میں دنیا تھی، گیان دھیان دین تھا اور مکان دکان دنیا تھی۔

دیندار بننے کے لیے دنیا کو خیرباد کہنا ضروری تھا اور دنیادار بننے کے لیے دین سے کنارہ کشی ضروری تھی، دین اور دنیا الگ الگ کشتیاں تھیں اور کوئی بھی شخص بیک وقت ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔

مذہب کے علمبرداروں نے یہ بات ذہنوں میں بٹھا دی تھی کہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے دنیا کی لذتوں اور دنیا کے کاروبار سے تعلق توڑنا ضروری ہے، چنانچہ چند باہمت تو ایسے تھے جنہوں نے شادی بیاہ، تجارت کاروبار، والدین کے حقوق اور تمام معاشرتی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی یوں وہ مذہبی رہنماؤں کے خیال میں دیندار بن گئے لیکن انسانوں کی اکثریت کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا انہوں نے دین کے بجائے دنیا کا انتخاب کر لیا اور وہ اسی پر مطمئن ہو گئے، انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم دنیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ دیندار نہیں بن سکتے اور دنیا کے

تقاضوں کو تو دبایا نہیں جاسکتا تھا لہٰذا انہوں نے دنیا دار بننا پسند کر لیا۔

دین و دنیا کی یہ تقسیم کوئی ماضی کا قصہ نہیں ہے بلکہ آج کے ترقی یافتہ یورپ میں بھی اس کا عملی مظاہرہ اب بھی دیکھا جاسکتا ہے اور اسی تقسیم نے بے شمار انسانوں کو مذہب سے بے گانہ اور ملحد اور بے دین بنا دیا ہے۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ناقابل فراموش احسان ہے کہ آپ نے دین اور دنیا کی اس تقسیم کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت اور ساری زمین کو عبادت گاہ بنا دیا۔

آپ نے سمجھایا کہ تمام اعمال اور اخلاق کا اصل مدار نیت پر ہے جتنے بھی جائز کام ہیں وہ اپنی ذات میں نہ دین ہیں نہ دنیا ہیں جس کام کے پیچھے رضاءِ الٰہی کے حصول کا جذبہ ہو وہ دین ہے اور جس کام کے پسِ پشت یہ جذبہ نہ ہو وہ دنیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص رضاءِ الٰہی کے جذبے کے ساتھ حکومت کرتا ہے تو دین ہے، سیاست کرتا ہے تو دین ہے، تجارت کرتا ہے تو دین ہے، کافروں اور ظالموں سے جنگ کرتا ہے تو دین ہے، ازدواجی حقوق ادا کرتا ہے تو دین ہے، معاشرتی ذمہ داریاں نبھاتا ہے تو دین ہے، محنت مزدوری کرتا ہے تو دین ہے۔

اور گر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو بلکہ ریاکاری اور نمود و نمائش کی نیت ہو تو پھر نماز روزہ صدقہ خیرات بھی دنیا ہے، ہجرت اور جہاد و قتال بھی دنیا ہے، ذکر و تسبیح اور عبادات و ریاضت بھی دنیا ہے، وعظ و تقریر اور درس و تدریس بھی دنیا ہے۔

عبادت گاہ صرف مسجد نہیں بلکہ ہر وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے حکموں کو اللہ کی رضا کے لیے پورا کیا جائے۔ یوں قصرِ شاہی بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے، دکان، بازار اور گھر بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے، منڈی، کارخانہ اور فیکٹری بھی عبادت گاہ بن سکتی ہے، غیر مسلموں کو عبادت گاہ میں جانا پڑتا ہے اور مخلص مسلمان جہاں چلتا پھرتا ہے، جہاں اُٹھتا بیٹھتا ہے، جہاں سوتا جاگتا ہے اور جہاں لین دین کرتا ہے وہ جگہ عبادت گاہ بن جاتی ہے۔

اس کی عبادت بھی اللہ کے لیے، اس کی سیاست بھی اللہ کی رضا کے لیے، اس کی دوستی بھی اللہ کی رضا کے لیے اور اس کی معیشت و تجارت بھی اللہ کی رضا کے لیے۔

سوچیے! یہ کتنا بڑا احسان ہے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نوعِ انسان پر کیسے یکجا کیا آپ نے مختلف خانوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو، کیسے ایک صف میں کھڑا کیا تاجر اور درویش کو، امیر و فقیر کو، شہ سوار اور شب زندہ دار کو۔ کیسی وحدت پیدا کی دین اور دنیا میں، عبادت اور سیاست میں، تسبیح اور تلوار میں۔

چھٹا احسان: حقیقی مقصدِ زندگی سے باخبر کرنا

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نوعِ انسانی پر چھٹا احسان یہ ہے کہ آپ نے منزلِ مقصود سے بے خبر انسان کو اس کی منزل سے آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانے کا انسان اپنی حقیقی منزل سے بے خبر ہو چکا تھا، اسے یاد نہیں رہا تھا کہ مجھے کہاں

جانا ہے اور میری کوششوں کا اصل ہدف کیا ہے؟

چھوٹی چھوٹی چیزوں کو انسان نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا، وہ انہی کے لیے مرتا تھا۔کسی کو کامیابی دولت کے انبار میں نظر آتی تھی، کسی کو کامیابی زیادہ سے زیادہ انسانوں پر حکمرانی میں دکھائی دیتی تھی ہزاروں لاکھوں انسان ایسے تھے جن کا پروازِ تخیل نقش ونگار لذت وذائقہ اور شہوت پرستی سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانے کے دولت مندوں اور بادشاہوں کی خوشامد میں استعمال ہوتی تھی، بے شمار لوگ ایسے تھے جن کی پوری زندگی چوری چکاری اور دھوکہ فریب میں بسر ہوجاتی تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لاکر کھڑی کردی۔آپ نے دلوں میں یہ بات بٹھادی کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ سے راضی ہونا اور اللہ کو راضی کرنا ہے، اس کی عبادت اور اس کی تجارت سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے، انسان کو صرف ظاہر کی نہیں بلکہ باطن کی بھی فکر کرنی چاہیے، اس کی نظر صرف دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر بھی ہونی چاہیے، انداز بدل بدل کر آخرت کی زندگی اور اس کی اہمیت وعظمت کو اس قدر تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا کہ دلوں میں آخرت کی محبت بیٹھ گئی، قرآن کریم کا بھی مطالعہ کیا جائے تو قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیات بعد الموت کی تلقین اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کرتے تھے اور جمعہ کے خطبوں میں خصوصیت کے ساتھ سورۂ ق تلاوت فرماتے تھے، جس میں قیامت کے حالات ہیں۔

پھر کتنی ہی ایسی سورتیں اور آیات ہیں کہ ان میں قسمیں اٹھا اٹھا کر قیامت کے وقوع کا یقین دلایا گیا ہے۔اور یہ سچ بات یہ ہے کہ ایمان بالآخرۃ مذہب اسلام کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے۔

اس تکرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوچوں کا رُخ بدل گیا جہد وکاوش کا ہدف بدل گیا، وہ لوگ جو صرف کھانے پینے، لذت وذائقہ اور شہوت پرستی کے لیے زندہ تھے ان کے دلوں میں نئی حرارت اور دماغوں میں نیا جذبہ پیدا ہوگیا اور کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل تک پہنچنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ان کی طلب کی شدت کو دیکھ کر عقل کے پرستار انہیں دیوانہ سمجھتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت صدیوں سے سوئی ہوئی تھی اور اب اچانک بیدار ہوکر مصروفِ عمل ہوگئی ہے، آپ تاریخ کی کتابیں پڑھیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے کی انسانی سوسائٹی اور بعد کی سوسائٹی کے درمیان فرق دیکھ کر حیران رہ جائیں گے، آپ کو تعجب ہوگا کہ کیا واقعی یہ وہی انسان ہے کہ کل تک جس کی سب سے بڑی منزل وزارت تھی، بادشاہت تھی ،حکومت تھی، کرسی تھی، تخت وتاج تھا، جس کا سب سے بڑا ہدف دولت پرستی تھی، شہوت پرستی تھی، جاہ پرستی تھی، اقتدار پرستی تھی، شخصیت پرستی تھی، حُسن پرستی تھی، اور پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام ہونے کے بعد ساری پرستیوں کے چراغ ماند پڑ گئے اور خدا پرستی کا چراغ کچھ اس طرح چمکا کہ ظاہر تو ظاہر باطن بھی چکا چوند ہوگئے۔ چہرے ہی روشن ہوئے دل بھی روشن

ہو گئے، شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں خدا طلبی اور خدا شناسی میں لگ گئیں، عرب ہو یا کہ عجم، مصر ہو یا کہ شام، ایران ہو یا کہ ترکستان، عراق ہو یا کہ خراسان، اسپین ہو یا کہ شمالی افریقہ، ہندوستان ہو یا کہ جزائرِ شرق الہند ہر جگہ اسی شراب معرفت کے متوالے نظر آنے لگے، وہ دل جن میں دولت کی حرص، شہوت کی ہوس، اقتدار کی خواہش اور مخالفین کے لیے بغض وحسد کے سوا کچھ نہ تھا، انہی دلوں میں عشقِ الٰہی کی روشنی، علم ومعرفت کی محبت، اخلاص ووفا کی چمک اور انسانیت کا درد ایسا سمایا، ایسا سمایا کہ دیکھنے والوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی انسان ہیں جو کل تک سر سے پاؤں تک مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور محسوسات سے ماورا کسی چیز کو ماننا ان کے لیے کسی عجوبہ سے کم نہ تھا، اہلِ عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا بلکہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ان کے نزدیک کس قدر مستبعد تھا۔

مگر دیکھو کہ 23 برس کی مسلسل تعلیم قرآن پاک کی تاثیر اور محمد رسول اللہ کے فیضِ ہدایت سے نہ صرف ان کا انکار اقرار سے بدل گیا بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر ان کے دل ودماغ کی تختی پر منقوش ہو گئے تھے۔ یاد ہو گا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا:

اموت ثم بعث ثم حشر حديث خرافة يا ام عمرو

کیا مرنا ہے، پھر جینا اور پھر اکٹھا ہونا اے عمرو کی ماں یہ خرافات کی باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز وانکار، یقین سے بدل گیا اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا:

وانا لنرجوا فوق ذلك مظهرا

ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے ہو جائیں گے۔(768)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے اس نے عرض کیا کہ جنت یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاء اللہ دیکھو کہ جن کی نظریں زمین سے اونچی نہیں جایا کرتی تھیں ان کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا جن کو مر کر جینا بعید (دور) از عقل معلوم ہوتا تھا جن کو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈر نہ تھا جن کو اپنے اعمال کی جواب دہی کی پروا نہ تھی جو سزا وجزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے جو جنت اور دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے۔ دوسری زندگی پر ان کو اسی طرح یقین آ گیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ (پکڑ) سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے، اعمال کی جواب دہی سے ترساں ولرزاں رہنے لگے، سزا وجزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے، جنت کا اشتیاق ان کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا، دوزخ کا ڈر ان کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیڑا کرتا تھا، ان کی آنکھوں کو اشک بار کرتا تھا، فرائض اور ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ ان کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے ان کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لے آتا تھا اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے ان کو ہمہ تن سرگرم اور سرتاپا مصروفِ جدوجہد بنا دیتا تھا، تنہائی اور تاریکی میں بھی ان کے دل اور بدن کی برائیوں اور

بداعمالیوں سے باز رکھتا تھا، ان کے ضمیر اور دل کے صفحوں کو ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا۔ **(769)**

آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پڑھیں، آپ تابعینؒ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، آپ تبع تابعینؒ کی سیرت اٹھا کر دیکھیں، آپ ان سے بعد کے لوگوں کی سوانح پر نظر ڈالیں، آپ کو ان میں ایسے خدامست، ولی کامل، داعی حق اور خادمِ خلق نظر آئیں گے جن پر فرشتے بھی رشک کریں، ان کی خلوتیں عبادت وتلاوت سے معطر ہوتی تھیں، ان کی جلوتوں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا، ان کا دل غمگین رہتا تھا اور آنکھیں روتی تھیں، یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ یقین فرمائیں یہ نتیجہ تھا ان کے حقیقی منزل سے باخبر ہونے کا، جب تک ان کی منزل یہ فانی دنیا اور اس کے عارضی منافع تھے، ان کے دل پتھروں کی طرح سخت اور ان کی آنکھیں خشک تھیں، وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کے لیے نہیں سوچتے تھے، لیکن جب وہ اپنی حقیقی منزل سے باخبر ہوئے تو سب کچھ بدل کر آ گیا، ایک نیا انسان وجود میں آ گیا جو پہلے انسان سے یکسر مختلف اور بالکل ممتاز تھا۔ **(770)**

نوٹ: یہ چند بڑے بڑے احسانات کا ذکر ہے ورنہ اگر تفصیل میں جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کو شمار ہی نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ آپ کے دل میں اپنی امت کے لیے جو شفقت اور خیر خواہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور آپ کو جو یہ فکر ہوتی تھی کہ ہر خیر امت کو ملے ہر شر سے ان کی حفاظت ہو۔ اس غم وفکر کی وجہ 24 گھنٹے امت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات بارش کی طرح برستے تھے:

قرآن کریم میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۔ (انبیاء: 107)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۔ (انفال: 33)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔

ایک اور آیت میں ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ (توبہ: 128، تفسیر ابن کثیر: 443/2)

(لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۔(کهف:6)

اب (اے پیغمبر) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے۔

ایک اور آیت میں ہے:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔(فاطر:8)

لہٰذا (اے پیغمبر) ایسا نہ ہو کہ ان (کافروں) پر افسوس کے مارے تمہاری جان ہی جاتی رہے۔ یقین رکھو کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔(الاحزاب:6،المحرر الوجیز:50/13)

ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۔(771)

کوئی مؤمن ایسا نہیں جس کے لیے میں دنیا و آخرت میں سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب نہ ہوں، اگر تمہارا دل چاہے تو اس کی تصدیق کے لیے قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: نبی مومنین کے ساتھ تو ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

فصل:4

مفہومِ محبت

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس محبت کا مطالبہ ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: محبت ایک معروف لفظ ہے، اور اس کے معنی بھی معروف و معلوم ہیں، اور وہی یہاں بھی مراد ہیں، البتہ اہل ایمان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو محبت مطلوب ہے وہ محبت طبعی نہیں بلکہ عقلی اور روحانی ہے، یعنی اللہ و رسول کے ساتھ اہل ایمان کو جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی (کیونکہ محبت طبعی اختیاری نہیں)، بلکہ وہ روحانی اور عقلی وجہ سے ہوتی ہے (اور یہ انسان کے اختیار میں ہے)۔ اور جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اس کے سوا دوسری وہ تمام محبتیں جو طبعی یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں اس سے مغلوب ہو جاتی ہیں، اور اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔

الغرض احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت مطلوب ہے اس محبت سے مراد محبت عقلی اختیاری ہے یعنی اس چیز کا اختیار کرنا جس کو عقل بہتر سمجھے اور اختیار کرنا پسند کرے اگرچہ طبیعت کے خلاف ہی ہو۔ جیسے مریض کڑوی دوا کو برا سمجھتا ہے اور اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہوتی ہے اس کے باوجود اس کی طرف اپنے اختیار سے مائل ہوتا ہے اور بمقتضائے عقل اسی کو کھانا چاہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری تندرستی اسی میں ہے، اسی طرح مومن جب یہ جان لیتا ہے کہ رسول کی تمام وہ باتیں جن کا وہ ہم کو حکم کرتے ہیں یا منع کرتے ہیں وہی ہیں جن میں ہماری دین و دنیا کی بھلائی ہے تو وہ تمام دنیا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دے کر ان کے حکموں کو بجالاتا ہے اور ان کی منع کی ہوئی باتوں سے بچتا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ (772)

فصل:5

علاماتِ محبت

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کی کیا کیا علامات ہیں؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کی درج ذیل علامات ہیں:

پہلی علامت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار اور ملاقات کی شدید خواہش ہونا۔(773)

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ فِي يَدِهِ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أَحَدِكُمْ يَوْمٌ وَلَا يَرَانِي، ثُمَّ لَأَنْ يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ مَعَهُمْ۔(774)

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے! تم لوگوں میں سے کسی پر وہ دن ضرور آئے گا۔ کہ وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گا اور میری زیارت کرنا اس کے لیے اپنے اس سارے اہل اور مال سے زیادہ محبوب ہوگا جو ان کے پاس ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبّاً نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ۔(775)

مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد ہوں گے ان میں سے ہر ایک کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش وہ اپنے اہل اور مال کے بدلے میں مجھے دیکھ لیتے۔

● **واقعات**

(1) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقتِ رحلت کو سوچ کے رونا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا میں اور جو کچھ اللہ کے پاس آخرت میں ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا تو اس بندے نے وہ اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ ہم کو ان کے رونے پر حیرت ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کسی بندے کے متعلق خبر دے رہے ہیں جسے اختیار دیا گیا تھا، لیکن بات یہ تھی کہ

خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ بندے تھے جنہیں اختیار دیا گیا تھا اور (واقعتاً) ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنی صحبت اور مال کے ذریعہ مجھ پر ابوبکر کا سب سے زیادہ احسان ہے اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو جانی دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور اسلام کی محبت ان سے کافی ہے۔ دیکھو مسجد کی طرف تمام دروازے (جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں کی طرف کھلتے تھے) سب بند کر دیئے جائیں۔ صرف ابوبکر کا دروازہ رہنے دو۔ **(776)**

(2) جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے لیے حضرت ربیعہ کی فرمائش

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں (خدمت کے لیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (صفہ میں آپ کے قریب) رات گزارا کرتا تھا، (جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو) میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ (ایک مرتبہ) آپ نے مجھے فرمایا: (کچھ) مانگو۔ تو میں نے عرض کی: میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں بھی آپ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: یا اس کے سوا کچھ اور؟ میں نے عرض کی: بس یہی۔ تو آپ نے فرمایا: تم اپنے معاملے میں سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔ **(777)**

(3) موت کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خوشی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جب موت کا وقت ہوا تو ان کی بیوی کی زبان سے پریشانی کی حالت میں یہ الفاظ نکلے واحرباہ ہائے میرا گھر ویران ہو گیا، تو اس کے جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واطرباً غداً ألقی الاحبۃ، محمداً و صحبہ، (اومیری خوشی! کل میں اپنے محبوبوں سے ملوں گا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے) **(778)**

- **مزید واقعات کے لیے دیکھیں حاشیہ نمبر 778**

دوسری علامت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی (سنت رسول) میں دنیا و آخرت کی کامیابی سمجھنا اور ان سے محبت کرنا، سر سے لیکر پیر تک اور زندگی کے ہر شعبہ میں، خوشی غمی کے ہر موقع پر اسی کو اپنانا اسی کو ترجیح دینا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے خلاف غیروں کے طریقوں میں دنیا و آخرت کی ناکامی سمجھنا ان سے نفرت کرنا ان سے سے بچنا۔ (779)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> یا بنی، إن قدرت أن تصبح وتمسی لیس فی قلبك غش لأحد فافعل ثم قال لی: یا بنی وذلك من سنتی، ومن أحیا سنتی فقد أحبنی، ومن أحبنی كان معی فی الجنة وفی الحدیث قصة طویلة. **(780)**

اے فرزند، اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صبح یا شام کسی وقت بھی تمہارے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ رہے تو کر گذرو

کیونکہ صاف سینہ رہنا یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ کو پسند کرتا ہے وہ ضرور میری محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

- تفصیل کے لیے دیکھیں ''چوتھا حق؛ حضور ﷺ کی اتباع کرنا''

- **واقعات**

(1) حضرات انصار کا رکوع ہی میں چہروں کو کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دینا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

نبی کریم ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں اور رسول ﷺ (دل سے) چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''ہم آپ کا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا دیکھتے ہیں۔ پھر آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا اور احمقوں نے جو یہودی تھے کہنا شروع کیا کہ انہیں اگلے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے مشرق اور مغرب، اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کر دیتا ہے۔'' (جب قبلہ بدلا تو) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر نماز کے بعد وہ چلا اور انصار کی ایک جماعت پر اس کا گزر ہوا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ وہ نماز پڑھی ہے جس میں آپ نے موجودہ قبلہ (کعبہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ پھر وہ جماعت (نماز کی حالت میں ہی) مڑ گئی اور کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔ **(781)**

(2) شراب کے اعلان حرمت پر اس کا مدینہ کی گلیوں میں بہا دینا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں ابوعبیدہ، ابوطلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو کچی اور پکی کھجور سے تیار کی ہوئی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے آ کر بتایا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس وقت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انس اٹھو اور شراب کو بہا دو چنانچہ میں نے اسے بہا دیا۔ **(782)**

(3) صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعمیل ارشاد کریم ﷺ میں گھریلو گدھوں کے ابلتے ہوئے گوشت سمیت ہانڈیوں کو انڈیل دینا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ خیبر میں داخل تھے۔ اور ہم کو گدھے مل گئے، اور ہم نے انہیں ذبح کر کے پکانا شروع کر دیا کہ نبی کریم ﷺ کے منادی نے یہ پکارا کہ اللہ اور اس کے رسول تمہیں گدھے کے گوشت سے منع کرتے ہیں۔ چنانچہ ہانڈیوں میں جو کچھ تھا سب الٹ دیا گیا۔ **(783)**

(4) حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں عورتوں کا دیواروں سے چمٹنا

حضرت عبداللہ بن مسلمہ سے روایت ہے: انہوں نے ﷺ کو اس وقت فرماتے ہوئے سنا جب آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے اور لوگ راستے میں عورتوں میں مل جل گئے تھے، تو رسول ﷺ نے عورتوں سے

فرمایا: تم پیچھے ہٹ جاؤ، تمہارے لیے راستے کے درمیان سے چلنا ٹھیک نہیں، تمہارے لیے راستے کے کنارے کنارے چلنا مناسب ہے پھر تو ایسا ہو گیا کہ عورتیں دیوار سے چپک کر چلنے لگیں، یہاں تک کہ ان کے کپڑے (دوپٹے وغیرہ) دیوار میں پھنس جاتے تھے۔(784)

- **مزید واقعات کے لیے دیکھیں حاشیہ نمبر 784**

سوال: کیا گناہ گار کو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہو سکتی ہے؟

جواب: جی گنہگار کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللهِ، وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا، وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللَّهُمَّ الْعَنْهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ۔(785)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا اس کا نام عبداللہ اور اس کا لقب حمار تھا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شراب پینے کے جرم میں ایک مرتبہ اس کے کوڑے لگانے کا حکم دے چکے تھے، ایک دن پھر اسی شکایت میں وہ دوبارہ گرفتار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوا پھر اس کے کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا گیا کوڑے لگا دیئے گئے اس پر ایک شخص بولا یہ شراب کے مقدمہ میں کتنا کثرت سے گرفتار کر کے لایا جاتا ہے (اور باز نہیں آتا) اے خدا تو اس پر لعنت فرما یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت مت برساؤ بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔

تیسری علامت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عزت و ناموس اور آپ کے دین کی حفاظت، نصرت اور دفاع کے لیے ہمہ وقت اپنی جان، مال، صلاحیتیں قربان کرنے کے لیے مستعد اور تیار رہنا۔

- **واقعات**

(1) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا معرکے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں جم کر لڑنے کا عزم:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے موقع پر مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: یا رسول اللہ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: فاذهب أنت وربك فقاتلا إنا هاهنا قاعدون ("آپ خود اور آپ کے خدا چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں۔ ہم تو یہاں سے ٹلنے کے نہیں) نہیں! آپ چلئے، ہم آپ کے ساتھ جان دینے کو حاضر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اس بات سے خوشی ہوئی۔(786)

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گیارہ انصاریوں اور طلحہ رضی اللہ عنہم کی فداکاری:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب احد کا دن تھا اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ انصاریوں کے حصار میں (میدان کے) ایک کنارے میں (ڈٹے ہوئے) تھے۔ ان میں (ایک مہاجر) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ مشرکوں نے انہیں گھیرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کون ان دشمنوں کا مقابلہ کرے گا؟'' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو جس جگہ ہے وہیں ٹھہرا رہ'' ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مقابلہ کرتا ہوں۔ فرمایا: ''ہاں' تو مقابلہ کر۔'' اس نے لڑائی کی حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا۔ آپ نے پھر توجہ فرمائی تو مشرک ابھی تک موجود تھے۔ آپ نے فرمایا: ''کون دشمنوں کا مقابلہ کرے گا؟'' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ آپ نے فرمایا: ''تو جہاں ہے وہیں رہ۔'' ایک اور انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں۔ فرمایا: ''ہاں' تو مقابلہ کر۔'' اس نے لڑائی لڑی حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گیا۔ آپ برابر یہی فرماتے رہے اور ایک ایک انصاری نکلتا رہا اور اپنے پیشرو کی طرح لڑائی کرتا رہا اور شہید ہوتا رہا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہی باقی رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: ''کون دشمنوں کا مقابلہ کرے گا؟'' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کروں گا۔ اور انہوں نے لڑائی شروع کر دی۔ اور وہ اپنے پیشرو گیارہ انصاریوں کی طرح لڑے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ پر تلوار لگی اور انگلیاں کٹ گئیں۔ **(787)**

(3) حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ کے لیے ڈھال بننا:

امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنا دیا، نیزے ان کی پشت میں پیوست ہوتے ہے لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برابر جھکے رہے یہاں تک کہ بہت سے نیزے ان کی پشت میں پیوست ہو گیے، انہوں کے (نیزوں کے لگنے کے اوجود) حرکت نہ کی۔ **(788)**

- **مزید واقعات کے لیے دیکھیں حاشیہ نمبر 788**

- **تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**

سوال: تحفظِ ناموسِ رسالت کی شرعی حیثیت اور اس کی حدود کیا ہیں؟

جواب: تحفظِ ناموسِ رسالت تمام مسلمانوں کا دینی اور شرعی فریضہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تو ہماری اپنی جانوں سے بھی بہت زیادہ ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

النبيُّ أَوْلَىٰ بالمؤمنين من أنفسهم۔ (احزاب:6)

نبی مومنین کے ساتھ تو ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

ما مؤمن، إلا وأنا أَوْلى به في الدنيا والآخرة، واقرؤوا إن شئتم {النبيُّ أَوْلى

بالمؤمنين من أنفسهم ۔ (789)

کوئی مؤمن ایسا نہیں جس کے لیے میں دنیا و آخرت میں سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب نہ ہوں، اگر تمہارا دل چاہے تو اس کی تصدیق کے لیے قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: نبی مومنین کے ساتھ تو ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں ہر مؤمن مسلمان پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق و مہربان ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہر مؤمن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ (790)

ایک اور حدیث میں ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۔ (791)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔

سوال: اگر کوئی شخص یا حکومت شان رسالت ﷺ میں گستاخی کرتی ہے تو شرعاً اس کی سزا کیا ہے؟

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ایک اندھے کی ام ولد (وہ باندی جس نے مالک کا بچہ جنا ہو) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ کی برائی میں (نَعُوذُ بِاللہ) مشغول رہتی تھی۔ وہ اندھا اسے اس سے منع کرتا تھا تو وہ باز نہ آتی تھی اور وہ اسے ڈانٹتا تھا لیکن وہ اس کی ڈانٹ نہیں سنتی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک رات جب وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجو میں پڑی تھی اور آپ کو برا بھلا کہہ رہی تھی تو اس کے اندھے مالک نے خنجر لیا اور اس کے پیٹ پر رکھ دیا اور اس پر تکیہ لگا لیا۔ اور اسے قتل کر دیا۔ اس عورت کی ٹانگوں کے درمیان بچہ پڑا ہوا تھا تو وہ وہاں پر خون سے لتھڑ گیا صبح کو جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں اس شخص کو جس نے اپنے اوپر میرا حق رکھتے ہوئے یہ فعل کیا ہے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو جائے تو وہ اندھا کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا لرزتا کانپتا ہوا آیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس عورت کا ساتھی ہوں وہ آپ کو برا بھلا کہتی تھی اور آپ کی برائی میں پڑی رہا کرتی تھی میں اسے منع بھی کرتا تھا تو وہ باز نہ آئی تھی اور اسے ڈانٹا ڈپٹا تو اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس سے میرے دو موتیوں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری بڑی اچھی ساتھی تھی گزشتہ رات وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگی اور آپ کے بارے میں ایسی ویسی بات کہنے لگی تو میں نے خنجر لے کر اس کے پیٹ پر رکھا اور اس پر تکیہ لگا دیا۔ (زور لگایا) یہاں تک کہ میں نے اسے قتل کر دیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ خبردار گواہ رہو اس کا خون ہدر (بیکار اور لغو ہے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (792)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ایک یہودیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتی اور برا بھلا کہتی تھی تو ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خون کو ناقابلِ سزا قرار دے دیا۔(793)

ابنِ خطل کی گانے والی دونوں باندیوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے موقع پر قتل کرنے کا حکم دیا تھا، ان دونوں کے قتل کرنے کا حکم بھی اس لیے دیا گیا کہ یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بدگوئی کی اشعار گایا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک قتل کی گئی اور دوسری بھاگ گئی جو بعد میں آ کر مسلمان ہوگئی۔(794)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے موقع پر حویرث ابن نقید کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا یہ بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچایا کرتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔(795)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دینے والا مُباح الدم ہوجاتا ہے یعنی اس کا خون بہانا جائز ہوجاتا ہے، اور حق کا علمبردار سزاؤں کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ ثواب کا حق دار ہوجاتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں صراحۃً یا اشارۃً، قولاً یا فعلاً بدگوئی اور گستاخی کرے تو شرعاً گستاخی کرنے والا شخص قتل کا مستحق ہے، اور قتل کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہے کہ وہ ہر طریقے سے ایسے مجرم کو پکڑ کر اس پر قتل کی سزا جاری کرے، عام آدمی کے لیے قانون کے نفاذ کو اپنے ہاتھ میں لینا مناسب نہیں، لیکن اس کے باوجود اگر کسی عام شخص نے ایسے گستاخ اور بدگوئی کرنے والے شخص کو قتل کردیا تو اس پر شرعاً نہ قصاص ہے اور نہ تاوان، کیونکہ ایسے شخص کا خون مباح ہوجاتا ہے اور اس کا قتل جائز ہوجاتا ہے، عام شخص کے لیے ایسا کرنا صرف خلافِ انتظام ہے۔

یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ گستاخی کرنے والا حربی کافر ہو یا مسلمان ہو لیکن اگر گستاخی کرنے والا ذمی کافر ہو (یعنی اسلامی ملک کا باشندہ ہو) تو بعض فقہاء کے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا، کیونکہ ایسے کافر کا ذمی ہونا ختم ہوجائے گا، لیکن بعض فقہاء جیسے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ ذمہ تو ختم نہ ہوگا لیکن انتظامی اور تعزیری طور پر حکومتِ وقت اس کو قتل کرسکتی ہے، جبکہ وہ علانیہ اور بار بار سب وشتم کرتا ہو۔(796)

سوال: موجودہ دور میں اگر شرعی سزا کا نفاذ ناممکن ہو تو مسلمانوں کے لیے اس سے برأت اور بچاؤ کے لیے کیا حکم ہے اور وہ کیا طریقہ اختیار کریں؟

جواب: ایسی صورت میں ہر مسلمان کے ذمہ ہے کہ اس میں جتنی قوت وطاقت ہو وہ جائز اور ممکن طریقوں کے ذریعہ ایسی گستاخانہ حرکتوں کو اور ایسی گستاخانہ حرکت کرنے والوں کو اور ان کے اسباب وذرائع کو روکیں، اور جس میں یہ قدرت نہ ہو ان پر زبان سے اس کی خرابی اور برائی بیان کرنا واجب ہے، اور جس کو زبان سے کہنے میں جان ومال کا خطرہ ہو اس

کے لیے دل میں برا جاننا واجب ہے۔

ایک حدیث میں اتا ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔ (797)

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنی طاقت سے اس کو روکے، اگر اس کی قوت نہ ہو تو زبان سے اس کو منع کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

سوال: کیا اس سلسلے میں احتجاج کرنا درست ہے؟

جواب: جی ہاں اس سلسلہ میں احتجاج کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ احتجاج پرامن طریقے سے ہو، اور اس میں حرام و ناجائز کاموں کا ارتکاب نہ ہو مثلاً لوگوں کی املاک اور اموال کو نقصان پہنچانا، جلاؤ، گھیراؤ اور پتھراؤ کرنا وغیرہ، کیونکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں جو حرام اور ناجائز ہیں ان سے بچنا ہر حال میں لازم ہے۔

سوال: ایسے لوگوں سے تجارتی تعلقات ختم کرلینا یا معاہدات ختم کرلینا شرعی رو سے جائز ہے نہیں؟

جواب: گستاخی کرنے والوں سے تجارتی تعلقات کا یا معاہدات کا ختم کرلینا شرعاً جائز ہے، ایمانی غیرت وحمیت کا یہی تقاضہ ہے۔ (798)

چنانچہ کتبِ احادیث میں ثمامہ ابن اُثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے سردار تھے، اور اسلام لانے کے بعد جب وہ مکہ مکرمہ گئے اور اہل مکہ نے ان کے اسلام لانے کو توہین آمیز الفاظ سے تعبیر کیا تو انہوں نے اہلِ مکہ کے ساتھ تجارتی تعلقات ختم کر دیئے، اس طور پر کہ اہل مکہ کے لیے یمامہ سے آنے والے غلہ کی درآمد پر پابندی لگائی اور یہ کہا کہ اُس وقت تک یہ پابندی برقرار رہے گی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی اجازت نہ دیدیں چنانچہ جب اہل مکہ غلہ کی درآمد پر پابندی لگنے کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ثمامہ ابن اُثال رضی اللہ عنہ کے نام والا نامہ تحریر فرمائیں کہ وہ اس پابندی کو ختم کردیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرماتے ہوئے ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ کی جانب ایک مکتوب مبارک تحریر فرما کر ارسال کیا، اس کے بعد یہ پابندی ختم کردی گئی، اور معاہدات ختم کرنے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک تحریری معاہدہ فرمایا اور اس معاہدہ میں یہود کو بھی شامل فرمایا، لیکن بعد میں یہودی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور گستاخیوں کی بناء پر معاہدہ ختم فرمایا، حتیٰ کہ بعض یہود کے خلاف جہاد فرمایا اور بعض یہود کو جلاوطن فرمایا۔ (799)

سوال: اگر کسی کمپنی یا شخص کا اس توہین والے عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، محض ایک علاقائی یا لسانی تعلق ہو، اس بناء پر

اس شخص یا کمیٹی کا بائیکاٹ کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا کیسا ہے؟

جواب: اگر کسی کمپنی یا شخص کا اس توہین والے عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، محض ایک علاقائی یا لسانی تعلق ہو تو اگر وہ ان کے اس بُرے عمل کے حامی ہوں تو ان کا وہی حکم ہے جو اوپر کے جواب میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اگر کمپنی یا شخص ان کے اس بُرے عمل سے بیزاری اور لاتعلقی اختیار کریں تو ایسی صورت میں اگر کمپنی کی آمدنی کا فائدہ گستاخوں کو پہنچ رہا ہو تو اس کمپنی کا بھی بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ البتہ اس شخص سے جو اس گستاخی سے بیزاری اور لاتعلق اختیار کرے اس سے تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (800)

- **گستاخانِ ناموس رسالت کا انجام**

(1) کعب بن اشرف یہودی کا قتل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ اور اس کے رسول کو بہت ستا رہا ہے۔" اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں اسے قتل کر آؤں؟ آپ نے فرمایا "ہاں مجھ کو یہ پسند ہے۔" انہوں نے عرض کیا، پھر آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا، یہ شخص (اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا مارا ہے۔ اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب نے کہا، ابھی آگے دیکھنا، خدا کی قسم! بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، چونکہ ہم نے بھی اب ان کی اتباع کر لی ہے۔ اس لیے جب تک یہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔ تم سے ایک وسق یا (راوی نے بیان کیا کہ) دو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔ اور ہم سے عمرو بن دینار نے یہ حدیث کئی دفعہ بیان کی لیکن ایک وسق یا دو وسق غلے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ حدیث میں ایک یا دو وسق کا ذکر ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا بھی خیال ہے کہ حدیث میں ایک یا دو وسق کا ذکر آیا ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا، ہاں، میرے پاس کچھ گروی رکھ دو۔ انہوں نے پوچھا، گروی میں تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، اپنی عورتوں کو رکھ دو۔ انہوں نے کہا کہ تم عرب کے بہت خوبصورت مرد ہو۔ ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں۔ اس نے کہا، پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا، ہم بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں۔ کل انہیں اسی پر گالیاں دی جائیں گی کہ ایک یا دو وسق غلے پر اسے رہن رکھ دیا گیا تھا، یہ تو بڑی بے غیرتی ہوگی۔ البتہ ہم تمہارے پاس اپنے ''اللأمة'' گروی رکھ سکتے ہیں۔ سفیان نے کہا کہ مراد اس سے ہتھیار تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کے وقت اس کے یہاں آئے۔ ان کے ساتھ ابو نائلہ بھی موجود تھے وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر اس

کے قلعہ کے پاس جا کر انہوں نے آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اس وقت (اتنی رات گئے) کہاں باہر جا رہے ہو؟ اس نے کہا، وہ تو محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابونائلہ ہے۔ عمرو کے سوا (دوسرے راوی) نے بیان کیا کہ اس کی بیوی نے اس سے کہا تھا کہ مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا کہ میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔ شریف کو اگر رات میں بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ جب محمد بن مسلمہ اندر گئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سفیان سے پوچھا گیا کہ کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو نے بیان کیا کہ وہ آئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے اور عمرو بن دینار کے سوا (راوی نے) ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر نام بتائے تھے۔ عمرو نے بیان کیا کہ وہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لائے تھے اور انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے تو میں اس کے (سر کے) بال ہاتھ میں لے لوں گا اور اسے سونگھنے لگوں گا۔ جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا۔ عمرو نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ پھر میں اس کا سر سونگھوں گا۔ آخر کعب چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے خوشبو پھوٹی پڑتی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آج سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ عمرو کے سوا (دوسرے راوی) نے بیان کیا کہ کعب اس پر بولا، میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ عمرو نے بیان کیا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، کیا تمہارے سر کو سونگھنے کی مجھے اجازت ہے؟ اس نے کہا، سونگھ سکتے ہو۔ راوی نے بیان کیا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سونگھا۔ پھر انہوں نے کہا، کیا دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟ اس نے اس مرتبہ بھی اجازت دے دی۔ پھر جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی۔

(2) ابورافع کا انجامِ بد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابورافع یہودی (کے قتل) کے لیے چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ یہ ابورافع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیا کرتا تھا اور آپ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا اور وہیں وہ رہا کرتا تھا۔ جب اس کے قلعہ کے قریب یہ پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور لوگ اپنے مویشی لے کر (اپنے گھروں کو) واپس ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو میں (اس قلعہ پر) جا رہا ہوں اور دربان پر کوئی تدبیر کروں گا۔ تاکہ میں اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ (قلعہ کے

پاس) آئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر انہوں نے خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا جیسے کوئی قضائے حاجت کر رہا ہو۔ قلعہ کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے آواز دی، اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلد آجا، میں اب دروازہ بند کر دوں گا۔ (عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے کہا) چنانچہ میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اس کی کارروائی دیکھنے لگا۔ جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کیا اور کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ اب میں ان کنجیوں کی طرف بڑھا اور میں نے انہیں لے لیا، پھر میں نے قلعہ کا دروازہ کھول لیا۔ ابو رافع کے پاس رات کے وقت داستانیں بیان کی جارہی تھیں اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب داستان گو اس کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کمرے کی طرف چڑھنے لگا۔ اس عرصہ میں، میں جتنے دروازے اس تک پہنچنے کے لیے کھولتا تھا انہیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر قلعہ والوں کو میرے متعلق علم بھی ہو جائے تو اس وقت تک یہ لوگ میرے پاس نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کرلوں۔ آخر میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے بال بچوں کے ساتھ (سو رہا) تھا مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اس لیے میں نے آواز دی، یا ابا رافع؟ وہ بولا کون ہے؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ اس وقت میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ میں اس کا کام تمام نہیں کر سکا۔ وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی ٹھہرا رہا۔ پھر دوبارہ اندر گیا اور میں نے آواز بدل کر پوچھا، ابو رافع! یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولا تیری ماں غارت ہو۔ ابھی ابھی مجھ پر کسی نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر (آواز کی طرف بڑھ کر) میں نے تلوار کی ایک ضرب اور لگائی۔ انہوں نے بیان کیا کہ اگرچہ میں اسے زخمی تو بہت کر چکا تھا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ مجھے اب یقین ہو گیا کہ میں اسے قتل کر چکا ہوں۔ چنانچہ میں نے دروازے ایک ایک کر کے کھولنے شروع کیے۔ آخر میں ایک زینے پر پہنچا۔ میں یہ سمجھا کہ زمین تک میں پہنچ چکا ہوں (لیکن ابھی میں پہنچا نہ تھا) اس لیے میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا اور نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی۔ اس طرح گر پڑنے سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ لیا اور آ کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ نہ معلوم کرلوں کہ آیا میں اسے قتل کر چکا ہوں یا نہیں؟ جب مرغ نے آواز دی تو اسی وقت قلعہ کی فصیل پر ایک پکارنے والے نے کھڑے ہو کر پکارا کہ میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ چلنے کی جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کی اطلاع دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ میں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا اور پاؤں اتنا اچھا ہو گیا جیسے کبھی اس میں مجھ کو کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

(3) یہودیہ عَصماء شاعرہ کا انجام

بنی خطمہ میں ایک یہودیہ عصماء نمای عورت شاعرہ تھی اس نے اپنی شاعری کا رُخ مسلمانوں کی ہجو کی طرف موڑ دیا تھا خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی شان میں بڑے گستاخانہ اشعار کہتی تھی اور لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی پر ابھارتی تھی اپنے ایام ماہواری کے گندے کپڑے مسجد میں ڈالا کرتی، حضور ﷺ ابھی غزوہ بدر سے واپس نہ ہوئے تھے کہ اس نے اپنے اشعار میں حضور ﷺ کی شان میں ہجو اور گستاخی شروع کردی، ایک نابینا صحابی حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے سنا تو دل میں عہد کرلیا کہ اگر حضور ﷺ غزوۂ بدر سے بسلامت واپس تشریف لائے تو میں اس شاعرہ کی زبان بند کروں گا۔ الحمدللہ حضور ﷺ بدر سے فاتحانہ تشریف لائے تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اپنی منت پوری کرنے کے لیے تلوار لے کر نکلے، رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے راستہ ٹٹولتے ٹٹولتے اس کے قریب پہنچے، بچہ اس کی چھاتی سے لگا ہوا تھا اسے ایک طرف کیا اور تلوار دل میں چبھودی وہ آواز تک نہ نکال سکی اور مرگئی۔

صبح نماز مسجد نبی میں ادا کی اور حضور ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے عرض کیا کیا مجھ سے کوئی مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ فرمایا: نہیں! حضور ﷺ کے پاس عمری رضی اللہ عنہ لوٹ رہے تھے تو عصماء کے لڑکے نے کہا یہ ہماری ماں کا قاتل ہے جواب میں کہا بیشک میں نے ہی اسے قتل کیا ہے اور اگر کسی نے پھر ایسی جرأت کی تو اسے بھی موت کا مزہ چکھاؤں گا۔

حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

اگر کوئی ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غائبانہ مدد کی ہو تو وہ عمیر کو دیکھے۔

یہ بھی ارشاد ہوا کہ ان کو نابینا نہ کہو یہ بینا اور بصیر ہیں وہ بیما ہوئے تو عیادت کے لیے جاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے بنی واقف کے بینا کی عیات کے لیے لے چلو۔

(4) یہودی شاعر کا قتل

قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں ابوعفک ایک شاعر تھا اس کی عمر 120 سال تھی ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور ہجو کرتا تھا، اپنی قوم کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا، بدر کی فتح سے بھی کوئی سبق نہ لیا بلکہ اس کی گستاخی کچھ اور ہی بڑھ گئی، حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے جو میری عزت وحرمت کے لیے ان کی زبان بند کردے؟ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے رات آئی تو اپنے کام پر روانہ ہوئے ابوعفک اپنے گھر کے صحن میں غفلت کی نیند سو رہا تھا تلوار اس کے سینے کے پار کردی اور اس کا کام تمام کردیا۔

(5) گستاخِ رسول ﷺ ابن خَطَل کا قتل

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا چار آدمی جہاں ملیں انہیں قتل کردیا جائے، اگرچہ کعبہ کے پردے کے

نیچے ہوں ان میں سے ایک عبداللہ ابن خطل اور دوسرا حویرث ابن نقید۔

عبداللہ ابن خطل کے قتل کا حکم اس لیے فرمایا کہ پہلے یہ شخص مسلمان تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے زکوۃ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا اس کے ساتھ ایک انصاری صحابی اور اُس کا ایک مسلمان غلام بھی تھا جو ابن خطل کی خدمت کیا کرتا تھا، رات کو کسی جگہ ٹھہرے تو ابن خطل نے اپنے خادم غلام کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا، جب جاگا تو دیکھا غلام نے کوئی چیز تیار کر کے نہیں رکھی تو غصہ میں اس نے غلام کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مشرکینِ مکہ سے جاملا اور وہاں پہنچ کر ابن خطل نے دو باندیاں خریدیں جو گانا گا کر نعوذ باللہ آپ کی ہجو کرتی تھیں اور یہ اس سے لطف اندوز ہوتا تھا، اس لیے حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا جبکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا اور اس کی ایک باندی بھی فتح مکہ کے موقع پر قتل کی گئی جبکہ دوسری باندی فرار ہوگئی جو بعد میں مسلمان ہوگئی۔

اور حویرث بن نقید مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید ایذاء پہنچایا کرتا تھا، اس لیے یہ بھی قتل کیا گیا، اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔(801)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرنے والوں کے یہ واقعات وہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کے جرم میں انہیں معاف نہیں کیا گیا بلکہ کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا۔

(6) راج پال ہندو کی توہینِ رسالت

1923ء کو لاہور میں راج پال ہندو نے رسوائے زمانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کی جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بڑی توہین کی گئی تھی جب یہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی مسلمان زعماء نے حکومت سے اس کتاب کی فوری ضبطی اور اس کے ناشر کو قرارِ واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا، جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا، لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا دی ،لیکن اس وقت شادی لال جیسا متعصب چیف جسٹس تھا اس کی ایماء پر راج پال ملزم کو سزا سے بری کر دیا گیا جس نے مسلمانوں کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔

غازی خدا بخش کا راج پال پر قاتلانہ حملہ: چنانچہ 24 ستمبر 1927ء کو جب ملعون راج پال اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا، ایک مردِ مجاہد خدا بخش جو اندرون یکی گیٹ الاہور کا رہنے والا تھا، اس خبیث پر تیز دھار دار چاقو سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا، لیکن اس بدبخت نے اس وقت بھاگ کر اپنی جان بچالی، غازی خدا بخش کو زیر دفعہ 307 الف تعزیرات ہند گرفتار کر لیا اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی ایم بی اور گلوی کی عدالت میں اس کے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی، غازی خدا بخش نے اپنی طرف سے وکیلِ صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا، راج پال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے

ہوئے کہا: مجھ پر یہ حملہ ''کتاب رنگیلا رسول'' کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش اب بھی مجھے جان سے ماردے گا کیونکہ حملہ کے وقت ملزم چلایا تھا۔کافر کے بچے! آج تو میرے ہاتھ آیا ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑونگا، عدالت کے استفسار پر اس مردِ غازی نے گرج دار آواز میں کہا: میں مسلمان ہوں، ناموسِ رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے میں اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔

پھر راج پال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس نے میرے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی، اس لیے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ کم بخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔اقرارِ جرم کے بعد غازی خدا بخش کو سات سال قیدِ سخت سنائی گئی۔

غازی عبدالعزیز: اس واقعہ کے چند دن بعد ایک اور مرد غازی عبدالعزیز نے جو افغانستان سے اپنے سینہ میں اس دشمنِ اسلام راج پال کے خلاف غصہ کی آگ لے کر لاہور پہنچا تھا، 19 اکتوبر 1927ء کی شام راج پال کی دکان پر آیا، اتفاقاً اس وقت راج پال کا ایک دوست سوامی ستیا نند بیٹھا تھا، جسے غازی عبدالعزیز نے شاتمِ رسول سمجھ کر چاقو سے حملہ کرکے زخمی کردیا، پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر غازی عبدالعزیز کو گرفتار کرلیا، عدالت نے اس مردِ مجاہد کو بھی وہی سزا دی جو غازی خدا بخش کو دی گئی تھی، جسے بھگت کر یہ دونوں غازی جیل سے سرخرو ہوکر نکلے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا راج پال پر حملہ: علم الدین ایک محنت کش نجار ''طالع مند'' کا بیٹا تھا، جب علم الدین پیدا ہوا تو اس کی ماں کی گود میں دیکھ کر ایک فقیر نے بشارت دی کہ تم لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہو کہ ایسا نیک بخت بچہ تمہارے گھر پیدا ہوا ہے۔علم الدین نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے محلہ کی مسجد میں حاصل کی جو اس زمانہ میں بازارِ سرفروشاں کے نام سے مشہور تھا، جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے جلدی اسے اپنے ساتھ کام پر لگایا، جس میں اس نے بڑی جلدی مہارت حاصل کرلی، علم الدین کا ایک بچپن کا ساتھی عبدالرشید تھا جسے سب پیار سے ''شیدا'' کے نام سے پکارتے تھے، شیدا کے والد کی دکان مسجد وزیر خان کے سامنے واقع تھی، ایک دن دونوں دوست گھر سے شام کے وقت جب مسجد وزیر خان پہنچے تو وہاں ایک جلسہ عام میں شیطان راج پال کے خلاف تقریریں ہورہی تھیں، جس میں یہ اعلان ہورہا تھا کہ مسلمان اپنی جانیں قربان کردیں گے لیکن اس مردود راج پال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، یہ تقریر سن کر دونوں دوست تڑپ اٹھے، گھر آکر علم الدین نے اپنے والد طالع مند سے پوچھا:

کیا کوئی شخص جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے زندہ رہ سکتا ہے؟

باپ نے جواب دیا: بیٹا مسلمان اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

بیٹا: کیا اسے مارنے والے کو سزا ملے گی؟

باپ: ہاں بیٹا! یہاں گوروں کے قانون کے مطابق اس کو پھانسی کی سزا ملے گی۔
اُسی رات علم الدین نے دیکھا کہ خواب میں ایک بزرگ نمودار ہوئے ہیں اور اس سے کہہ رہے ہیں: علم الدین دشمن نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے تم ابھی تک سو رہے ہو۔ اٹھو اور جلدی کرو۔
یہ خواب دیکھ کر وہ فدائی رسول فوراً اٹھ بیٹھا اور اپنے اوزار لے کر صبح سویرے اپنے دوست شیدا کے گھر پہنچا اور وہاں سے دونوں دوست بھائی دروازے کے سامنے والے کھلے میدان میں جا پہنچے، علم الدین نے وہاں رازدارانہ طریقہ سے اپنے دوست شیدا کو رات والا خواب سنایا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اس نے بھی گزشتہ رات یہی خواب دیکھا تھا، اب دونوں دوستوں میں تکرار ہونے لگی، دونوں کا اصرار تھا کہ اس موذی کو مارنے کے لیے بشارت ہوئی ہے آخر طے پایا کہ قرعہ ڈالا جائے، اس میں جس کا نام آئے وہی اس کام کو سرانجام دے، تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار قرعہ فال طالع مند خوش نصیب فرزند علم الدین کا نام نکلا، جس پر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، شیدا کو اپنے اس دوست کی خوش بختی پر رشک آیا، اس نے علم الدین کو اس کامیابی پر مبارک باد دی جس کے بعد دونوں دوست ایک دوسرے سے جدا ہو گئے وہاں سے علم الدین سیدھے گھر پہنچے وہ گھر آ کر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے تو ذرا دیر کے لیے ان کی آنکھ لگ گئی، کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ دوبارہ نمودار ہو کر ان سے کہہ رہے ہیں: علم الدین یہ وقت سونے کا نہیں بلکہ جس کام کے لیے تمہیں چن لیا گیا ہے، اس کی تکمیل کے لیے فوراً پہنچو ورنہ بازی کوئی اور لے جائے گا۔!
جس پر وہ ایک بار پھر اپنے دوست شیدا کے پاس الوداعی ملاقات کے لیے پہنچے، اسے اپنی کچھ چیزیں بطور یادگار دیں اور دوبارہ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنے منصوبے کی تکمیل کا پروگرام اپنے ذہن میں مرتب کر لیا اور گھر میں کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی، اس ڈر سے کہ کہیں خون اور قرابت کے رشتے اس راہ میں حائل نہ ہو جائیں اس دن انہوں نے غسل کیا سرخ دھاری دار قمیص اور سفید شلوار پہنی، سر پر پگڑی باندھی، صاف اور سجل لباس پر خوشبو لگائی اس سے قبل انہوں نے اپنی ماں سے میٹھے چاول کی فرمائش کی تھی جسے باپ بیٹے نے مل کر تناول کیا باپ کے کسی کام پر جانے کے بعد علم الدین نے اپنی معصوم بھتیجی کے ماتھے کو سوتے میں بڑے پیار سے چوما اور اپنی بھابھی سے کچھ پیسے لے کر اس سج دھج سے خوشی خوشی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ علم الدین نے آج کے دن یہ سارا اہتمام کیوں کیا ہے گھر سے گمٹی بازار پہنچ کر وہاں آتما رام کباڑیے کی دکان سے ایک روپیہ میں ایک لمبا چاقو خریدا اور اسے شلوار کے نیفہ میں رکھ لیا، پھر وہ سیدھے دوپہر کے وقت انارکلی ہسپتال روڈ، راج پال کی دکان کے سامنے والی ٹال پر پہنچے۔
راج پال جہنم رسید: جوں ہی ٹال والے جوان نے علم الدین کو بتلایا کہ وہ منحوس دکان کے اندر داخل ہوا ہے تو وہ اپنے شکار کے تعاقب میں دکان کے اندر پہنچ گئے اور اسے دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اس کے ساتھ ہی ان کے

اندر عقابی روح بیدار ہوئی اور انہیں اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی، چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ جھپٹ کر علم الدین نے راج پال خبیث کے سینے میں چاقو پیوست کر دیا، جو اس کے دل کو چیرتا ہوا نکل گیا، یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ وہ مردود زخموں کی تاب نہ لاکر اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور وہیں اس نے دم توڑ دیا، اس طرح اس بدبخت کو کیفر کردار پہنچانے کے بعد غازی علم الدین جب دکان سے باہر نکلے تو مقتول کے ملازمین نے ''مار دیا مار دیا'' کا شور مچانا شروع کر دیا، جس پر قریب کے ایک ہندو دکاندار سیتارام کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں نے آکر پیچھے اس نوجوان غازی کو پکڑ لیا، جس پر علم الدین نے کہا: آج میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدلہ لے لیا، آج میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدلہ لے لیا، اس عرصہ میں پولیس بھی جائے واردات پر پہنچ گئی جس نے غازی علم الدین کو گرفتار کر لیا اور 10 اپریل 1929ء کو مسٹر لوئیس ایڈیشنل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں علم الدین کے خلاف زیر دفعہ 302 تعزیرات ہند مقدمہ قتل کی کارروائی شروع ہوئی۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران علم الدین کے چہرے پر معصوم مسکراہٹ کھیلتی رہی، شہادت قلم بند ہونے کے بعد سرسری بحث کے بعد مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا، سیشن کورٹ نے 22 مئی 1929ء کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور مسل حسبِ ضابطہ توثیق کے لیے لاہور ہائی کورٹ بھجوائی گئی۔

والدین کے حکم کی تعمیل میں علم الدین کی جانب سے بھی اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی گئی جس کی پیروی اس وقت کے چوٹی کے قانون دان اسلامیانِ ہند کے رہنما قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی، قائداعظم کی بحث کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ راج پال نے رنگیلا رسول جیسی قابلِ اعتراض کتاب شائع کر کے پیغمبرِ اسلام کی توہین کی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، چونکہ یہ کتاب اشتعال انگیزی کا سبب بنی، اس لیے ملزم نے قتل عمد کا ارتکاب نہیں کیا لہٰذا اسے سزائے موت نہیں دی جاسکتی، اس کے جواب میں وکیلِ سرکار رام لال نے من جملہ دیگر دلائل کے یہ موقف اختیار کیا کہ پیغمبرِ اسلام کی اہانت واقعی افسوسناک بات ہے لیکن تعزیرات، ہند میں اس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں، اس لیے مقتول نے کوئی خلافِ قانون حرکت نہیں کی تھی چنانچہ ملزم کا یہ فعل اشتعال انگیزی کی تعریف میں نہیں آتا اور اس نے سیشن کورٹ کی سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا جب یہ فیصلہ غازی علم الدین کو سنایا گیا تو وہ مارے خوشی کے چیخ اٹھے اور کہا:

> اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے اور بارگارِ رسالت میں حاضری کی سعادت سے بھی مجھے سرفراز کیا جا رہا ہے۔

جب ان کا غمگسار دوست ''شیدا'' ان سے ملاقات کے لیے میانوالی جیل پہنچا تو اسے غمگین دیکھ کر علم الدین نے کہا:

> یار آج تجھے تو میری طرح خوش ہونا چاہیے! اپنے آقا کے نام پر کٹ مرنا ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی

آرزو ہے اور اللہ پاک کی یہ کتنی بڑی کرم نوازی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں سے اپنے اس حقیر بندے کے ہاتھوں اس ناپاک شیطان کو ختم کرایا اور دیکھو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کی میری دلی مراد بھی پوری ہو رہی ہے، اس لیے تمام مسلمان بھائیوں تک میری یہ بات پہنچادو کہ وہ میری موت پر غم نہ کریں بلکہ میرے لیے دعائے خیر کریں۔

والدین اور عزیز و اقارب سے آخری ملاقات کے موقع پر اپنی والدہ سے کہا کہ وہ دودھ بخش دے، ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگے: ماں دیکھ تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے بیٹے کو شہادت کی موت مل رہی ہے مجھے تو ہنسی وخوشی رخصت کرنا چاہیے، پھر علم الدین نے پیالہ سے پانی پیا اور اسی پیالہ سے اپنے عزیزوں اور والد طالع مند کو پانی پلا کر پوچھا کہ انہیں بھی اس سے ٹھنڈک پہنچی ہے! سب نے جب اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے: مجھے تو جگر تک ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے پھر ان سب سے کہا کہ کوئی ان کی موت پر آنسو نہ بہائے ورنہ انہیں اسے تکلیف ہوگی۔

جیل کے حکام کو وصیت نامہ میں اپنے عزیزوں کے لیے یہ بات بطورِ خاص لکھوائی کہ ان کے پھانسی پر چڑھنے سے وہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حقدار ہوگا اور انہیں تاکیدی کی وہ نماز نہ چھوڑیں اور اورزکوۃ برابر ادا کریں اور شرعِ محمدؐ پر قائم رہیں۔

انجام کار 31 اکتوبر 1929ء کو وہ دن آپہنچا جس کے لیے علم الدین کی جانِ بے تاب تڑپ رہی تھی رات اس جوان شب زندہ دار نے ذکرِ الٰہی اور تہجد میں گزاری اور طلوع سحر پر انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، اجل مجسٹریٹ، داروغۂ جیل اور مسلح سپاہیوں کے ہمراہ استقبال کے لیے کوٹھڑی کے دروازے پر موجود تھا مجسٹریٹ نے اس مردِ غازی سے پوچھا: کوئی آخری خواہش، تو کہا: صرف دو رکعت نمازِ شکرانہ کی مہلت، اجازت ملنے پر سجدہ شکر ادا کرنے کے بعد سرخوشی کے عالم میں وہ ان کے ساتھ سوئے دار چل پڑے اس وقت جیل کے قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں اور بارکوں سے اس فدائی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری جھلک دیکھنے کے لیے تعظیماً ایستادہ کھڑے تھے، رفیقانِ زنداں کو الوداع اور سلامِ آخر کہتے ہوئے مقتل میں پہنچ کر جب تختہ دار کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے، پھر ساعتِ سعید کو قریب دیکھ کر تیزی سے تختہ دار کی طرف بڑھے اور شوق میں چاہا کہ پھانسی کے پھندے کو جو وصالِ حبیب کا مژدۂ جاں فزا لے کر نمودار ہوا تھا خود اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈال لیں، لیکن اسے خلافِ شریعت جان کر فوراً رک گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: لوگو! گواہ رہنا! میں نے ہی راج پال کی حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر قتل کیا تھا اور آج اپنے نبی پاک کا کلمہ پڑھتے ہوئے ان کے خاطر اپنی جان نثار کر رہا ہوں، یہ کہتے ہوئے اس نوجوان پروانہ نبوت نے دار ورسن کو چوم کر اپنی جانِ عزیز ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کر دی۔

جیل کے حکام نے اپنے افسرانِ بالا کی ایماء پر علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نعش کو ان کے والد اور عزیز و اقارب اور سینکڑوں مسلمانوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا جو جیل سے باہر اسے لے جانے کے لیے منتظر کھڑے تھے اس بے تدبیری کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔

لیکن نقضِ امن کے اندیشہ کے پیش نظر جیل کے کارندوں نے حکومت کی خفیہ ہدایات پر شہیدِ نبوت کی لاش کو نہایت خاموشی کے ساتھ عجلت میں جیل کے احاطہ میں عام قیدیوں کے قبرستان کے اندر دفن کر دیا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا، لاہور اور دوسرے شہروں میں ہڑتالیں شروع ہوئیں کاروبار معطل ہو گیا، برہنہ پا اور برہنہ سر ماتمی جلوس نکلنے لگے اور مسلمانوں میں شدید ہیجان پیدا ہو گیا، اس پر اکابرینِ وقت، جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے، سر محمد شفیع، جناب محسن شاہ والد محترم جناب جسٹس ڈاکٹر نعیم حسن شاہ چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے قائدین کے ہمراہ گورنر سے ملے اور اپنے جواں سال شہید کی لاش کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا، جو اس یقین دہانی پر کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے، حکومت نعش ان کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو گئی چنانچہ تدفین کے تیرہویں دن مسلمان مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنروں کی موجودگی میں شہید کی میت قبر سے نکالی گئی عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ کئی دن گزر جانے کے باوجود لاش صحیح اور سالم حالت میں موجود تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہے۔

14 نومبر 1929ء کو سارے شہر اور اس کے گرد نواح سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا ایک سیل بے پناہ فدائی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے رواں دواں تھا مسجد وزیر خان کے خدا ترس خطیب مولانا شمس الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی، مولانا ظفر علی خان نے اس شہیدِ رسالت کی لحد میں تدفین سے قبل اتر کر کہا: کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی !! شہید کے جسم کو اشکبار آنکھوں سے علامہ اقبال جیسے شیدائی رسول نے قبر میں اتارا جس پر علامہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا۔

(7) غازی عبد القیوم شہید رحمۃ اللہ علیہ اور نتھو رام کا قتل

غازی عبد القیوم کا واقعہ شہادت بڑا ہی ایمان افروز واقعہ ہے، اس نوجوان مردِ مجاہد کا تعلق غازی آباد ضلع ہزارہ کے ایک غریب گھرانے سے تھا لیکن کسے خبر تھی کہ ایکدن تخت ہزارہ کی شہ نشینی سے بھی اونچا مرگ باشرف کا رتبۂ شہادت اسے نصیب ہوگا۔ اپنے گاؤں سے وہ تلاشِ روزگار میں کراچی آیا، جہاں اسے رزقِ حلال کے لیے گھوڑا گاڑی مل گئی، جس کی آمدن سے وہ اپنی بوڑھی ماں، بیوہ بہن اور ضعیف چچا اور نو بیاہتا بیوی کی کفالت کر رہا تھا، نمازِ فجر اور عشاء کی نماز وہ اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا ایک روز امام مسجد نے اہلِ مسجد کو اشکبار آنکھوں سے بتلایا کہ ایک خبیث ہندو نتھو رام نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، غازی عبد القیوم نے جب یہ بات سنی تو تڑپ اٹھا اور اس کے تن بدن

میں اِک آگ سی لگ گئی، اسی وقت اس نے صحنِ مسجد میں اپنے رب سے عہد کیا کہ وہ اس کافرکمینہ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔
یہ نتھورام آریہ سماجی ہندو تھا، جس نے 1933ء میں ''ہسٹری آف اسلام'' نامی ایک کتاب لکھی، جس میں اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات اقدس کو ہدفِ تنقید وملامت بنایا اور شانِ رسالت میں گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تھے، جس سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا اور سارے شہر میں غم وغصہ کی لہ دوڑ گئی، حکومت نے نقصِ امن کے اندیشہ سے ملزم کے خلاف فوجداری مقدمہ قائم کرکے اسے ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا دی، لیکن مارچ 1934ء میں اس فیصلہ کے خالف اپیل پر کراچی کے جوڈیشنل کمشنر نے اس عبوری ضمانت منظور کرلی، نتھورام کا مقدمہ سماعت کے لیے جس دن سندھ چیف کورٹ کے دو انگریز ججوں کی بینچ کے سامنے پیش ہونا تھا اس دن نتھورام اپنے وکلاء اور ساتھیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہوا کورٹ روم میں داخل ہوا عدالت کے باہر ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں فیصلہ سننے کے لیے کھڑے تھے مقدمہ کی سماعت سے کچھ دیر قبل شہ عرب وعجم کا یہ نوخیز غلامِ عبدالقیوم کمرۂ عدالت میں اس ہندو مصنف نتھورام کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، اور اپنے شکار پر نظریں جمائے بیٹھا تھا موقع پاتے ہی اپنے نیفہ میں سے چھپا ہوا تیز دھار خنجر نکال کر عقاب کی طرح وہ اس پر جھپٹا اور اس ملعون کے پیٹ میں خنجر جھونک کر اس کی آنتیں باہر نکال دیں نتھورام منہ کے بل زمین پر گر پڑا تو اس خیال سے کہ کہیں وہ زندہ بچ نہ جائے اس نے پوری قوت سے ایک اور وار اس کی گردن پر کیا اور اس کی شہ رگ کاٹ دی، اس طرح اس خبیث کا کام تمام کرنے کے بعد نہایت اطمینان اور سکون سے اس نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کردیا، عدالت میں اس واقعہ سے بھگدڑ مچ گئی اور جج بھی اس اچانک واردات سے خوفزدہ اور سراسیمہ ہوگئے، عبدالقیوم کے مقدمہ قتل کے دوران جب ملزم کا بیان قلم بند کرتے ہوئے ایک انگریز جج نے اس مردِ غازی سے دریافت کیا کہ اُسے اس بھری عدالت میں اس طرح واردات کی جراءت کیسے ہوئی؟ تو اس نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: تم اپنے بادشاہ کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔ ہم اپنے دین اور دنیا کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کیسے معاف کردیتے، اس موذی کو ہلاک کرنے کے بعد نہایت حقارت کے ساتھ اس کی لاش پر تھوکتے ہوئے اس نے کہا تھا: اس خنزیر کے بچے نے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی تھی، اس لیے میں نے اسے قتل کیا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے وکیل صفائی پیش کرنے سے انکار کردیا، اقبالِ جرم پر سیشن کورٹ سے غازی عبدالقیوم کو سزائے موت سنائی گئی تو وہ نوجوان مردمجاہد اپنی خوشی اور مسرت ضبط نہ کرسکا، اور بے اختیار اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی صدا بلند ہوئی، مسلمانوں نے جب اس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہی تو اس نے ان سب کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا: آپ لوگ مجھے دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کی سعادت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔
اور وہ اس شعر کی مجسم تصویر بنا ہوا تھا:

دل پہ لیا ہے داغِ عشق کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

فیصلہ جب توثیق کے لیے عدالتِ عالیہ کے سپرد ہوا اور اس مردِ غازی کی خواہش کے خلاف قانون کی توضیح اور تشریح کے لیے اپیل دائر کردی گئی تو اپیل کی سماعت کے دوران ہر پیشی پر اس محمد کے غلام کے دیدار کے لیے مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم موجود ہوتا جو اس پر گل پاشی کیا کرتا تھا، بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور اسے بھی دوسرے غازیانِ ملت کی طرح سزائے موت سنائی گئی جس کے لیے وہ بے چین اور مضطرب رہتا تھا اور یہی پروانہ موت اس کے لیے حیات جاوید لے کر آیا، جب سزائے موت اس کو سنائی گئی تو اس نے ججوں سے مخاطب ہو کر کہا:

مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے کہ میرے ہاتھوں وہ خبیث جہنم رسید ہوا اور میرے رب نے مجھے شہادت جیسے نعمت سے سرفراز کیا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے اگر ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو وہ سب میرے آقا اور مولا پر قربان ہیں۔

اس طرح اس مردِ غازی کے لیے، جو کچھ عرصہ قبل عروس نو بیاہ کر لایا تھا آج ان شاء اللہ حورانِ جنت درہائے فردوس میں اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔

یہ بھی ایک عاشق کا جنازہ تھا، اس لیے بڑی دھوم سے نکلا، اور ہزاروں مسلمان جب میوشاہ کے قبرستان اس شہید وفا کے جنازے کو لے جا رہے تھے ایسے میں حکومتِ افرنگ کے فرعون مزاج فوجیوں نے عاشقانِ ناموسِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ہجوم پر اچانک گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، جس کے نتیجہ میں سینکڑوں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، معصوم عورتیں اور بچے جو مکانوں کی چھتوں سے اس کا جنازہ دیکھ رہے تھے ان کی شقاوت کا نشانہ بنے اور اس دن وہ سب شہیدانِ ناموسِ رسالت اس فدائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

(8) غازی محمد صدیق شہید رحمۃ اللہ علیہ

غازی محمد صدیق فیروز پور ضلع قصور کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ماں نے بڑے لاڈ پیار سے بیٹے کی پرورش کی اور ساتھ ساتھ صحیح تربیت بھی، سال 1934ء میں یہ نوخیز بچہ جب بیس برس کا ہوا تو اسے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ہوا کہ قصور کے ایک دریدہ دہن گستاخ پالامل زرگر کا منہ بند کیا جائے، یہ بشارت ملتے ہی نوجوان غازی تڑپ کر بیدار ہوا تو اس کے ساتھ اس کا مقدر بھی جاگ اٹھا، اس نے ماں کو یہ خوشخبری سنائی تو ماں نے خوشی سے لختِ جگر کا ماتھا چوما اور شہادت کی الفت کی طرف اسے روانہ کیا قصور پہنچ کر اس مردِ غازی نے اس گستاخِ رسول پالامل کو راستہ ہی میں دبوچ لیا سے بچھاڑ کر اس کے سینہ پر سوار ہو گئے اور تیز دھار آلہ سے پے در پے وار کر کے اس موذی کو ہلاک کر دیا اور وہاں سے فرار ہونے کے بجائے قریب ہی کی مسجد میں جا کر

سب سے پہلے نمازِ شکرانہ ادا کی اور پھر مسجد کی سیڑھیوں پر اس شان اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے کہ کسی ہندو کو ان کے پاس آنے کی جرأت نہ ہوسکی، فیروز مندی ان کے قدم چوم رہی تھی اور فی الحقیقت اس سے بڑھ کر اور کیا کام ہوسکتا تھا جس پر مسرت اور شادمانی بھی ناز کرے کہ ایک شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا، حسبِ معمول انگریز کا قانون حرکت میں آیا اور مردِ مجاہد کا مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا غازی موصوف کی جانب سے میاں عبدالزیز مالوڈہ اور نومسلم بیرسٹر خالد لطیف گابا نے مقدمہ کی پیروی کی لیکن چونکہ آپ نے عدالت کے روبرو جرأت کے ساتھ اعترافِ قتل کرلیا تھا اس لیے سزائے موت سنائی گئی۔

آفرین ہے اس ماں پر جس نے ایسے پیکرِ جرأت وایثار کو جنم دیا اور آفرین ہے اس نوجوان مردِ غازی پر جو اپنے آقا و مولا کے نام پر قربان ہوگیا، یہ فیصلہ سن کر ماں نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور کہا کہ یہ ایک بیٹا تو کیا، ایسے بیس بیٹے بھی ہوتے تو میں ان سب کو اپنے آقا کے نام پر قربان کر دیتی، بیٹے نے بھی یہی کہا کہ یہ ایک جان کیا چیز ہے ایسی ہزار جانیں میرے آقا کی خاک پر نثار ہیں سبحان اللہ!

(9) غازی عبداللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی تقسیم ہند سے قبل غالباً 1943ء کا واقعہ ہے، ایک بدبخت سکھ چلچل سنگھ شیخوپورہ کے گردونواح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بدگوئی کر کے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتا پھرتا تھا قصور کے رہنے والے ایک جیالے جوان عبداللہ کو سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں حکم دیا کہ وہ اس گستاخ کا منہ بند کرے چنانچہ کسی سے اس خواب کا ذکر کیے بغیر وہ شوریدہ سر آتش بجاں اٹھ کھڑا ہوا اور اس مردود کی تلاش میں نکل پڑا، معلوم ہوا کہ وہ خبیث وارث شاہ کے گاؤں جنڈیالہ شیر خان میں رہتا ہے، جو اس وقت سکھوں کا گڑھ تھا، بستی کے قریب پہنچ کر مزید دریافت پر پتا چلا کہ وہ اپنے کنویں پر بیٹھا کسی کام میں مشغول ہے اس کے قریب ہی سکھوں کا جتھ مصروفِ گفتگو تھا، غازی عبداللہ نے ایک نظر میں اس دشمنِ دین کو پہنچان لیا انہیں محسوس ہوا کہ ان کے جسم میں غیر معمولی طاقت بجلی بن کر دوڑ رہی ہے چلچل سنگھ پر وہ جھپٹ کر حملہ آور ہوئے اور اسے بچھاڑ کر اس سینہ پر چڑھ بیٹھے اور پوری قوت سے اس کی شہ رگ کاٹ دی اور اس کا سر تن سے جدا کردیا، اس ناگہانی حملہ کو دیکھ کر پاس ہی بیٹھے ہوئے سکھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن یہ مردِ غازی اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل کے بعد اس مردود کے لاشہ سے اٹھا اور وہیں رب کے حضور سربسجود ہوا کہ اس نے اس مہم کو کامیاب فرما کر اسے سرفرازی بخشی اور سرخرو کیا۔

موقع واردات پر جب پولیس پہنچی تو اس مردِ مجاہد کو وہیں پر موجود پایا جس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا پولیس نے گرفتار کر کے دلی مراد پوری کردی، شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے مقدمہ کی پیروی کی لیکن چونکہ غازی عبداللہ نے

عدالت کے روبرو اعتراف جرمِ محبت کرلیا تھا اس لیے سزائے موت سنائی گئی تو ایک مرتبہ پھر سجدۂ شکر بجالائے کہ انہیں بھی شہیدانِ رسالت کی صف میں جگہ مل رہی ہے۔ جس پر جتنا بھی فخر وناز کیا جائے کم ہے۔

(10) غازی عبدالرشید شہید رحمۃ اللہ علیہ

غازی عبدالرشید کا نام نامی بھی سرفروشانِ ملت میں ہمیشہ نمایاں رہے گا، جس نا آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کے چیلے سوامی شردھانند جیسے خبیث شاتمِ رسول کو دہلی میں موت کے گھاٹ اتارا اور راہِ عشق رسول میں اپنی جان نثار کر کے بارگاہِ نبوت میں سرخرو اور سرفراز ہوا۔

- **مزید واقعات کے لیے دیکھیں: شہیدان ناموس رسالت مؤلف محمد متین خالد**

- **راہِ عمل**

خلاصہ یہ کہ ڈنمارک اور یورپین ممالک میں جن لوگوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخانہ خاکے بنائے اور شائع کیے ہیں وہ سخت گناہ گار اور سنگین جرم کے مرتکب ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں اگر وہ توبہ نہ کریں تو ان کو قتل کرنا جائز ہے، اور ان کو قتل کرنا اصلاً تو حکومت کا کام ہے لیکن اگر کوئی مسلمان ان کو قتل کرے گا وہ بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوگا، تاہم ان کو قتل کرنا ہر شخص کے اختیار میں نہیں، ہاں درج ذیل کام اختیار میں ہیں اس لیے ان کو کرنا چاہیے:

1) غیرت ایمانی کے تقاضے کے مطابق ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا۔

2) ان کے خلاف پُرامن احتجاج کرنا۔

3) دوسروں کے جان ومال کو نقصان پہنچانے سے مکمل اجتناب کرنا

مذکورہ امور میں سب سے مؤثر ان کا اقتصادی بائیکاٹ ہے، اگر تمام مسلمان مل کر ان کی مصنوعات کو خریدنا، بیچنا اور استعمال کرنا چھوڑ دیں تو کچھ ہی عرصہ میں ان کو دن میں رات کے تارے نظر آجائیں گے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ وہ ایسی گستاخی کا ارتکاب نہ کریں گے، کاش مسلمان ایسا کر سکتے!! (802/1)

چوتھی علامت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے دورد شریف پڑھنا۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیں، دوسرا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا)

پانچویں علامت: کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرنا۔

(1) خود اللہ تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرہ کو اپنے تذکرہ کے ساتھ جوڑ دیا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہوگا تو ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی تذکرہ ہوگا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں، ص: 186)

(2) گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے فرمائے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔(اعراف:156-157)

اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو تقوی اختیار کریں، اور زکوۃ ادا کریں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں۔

جو اس رسول یعنی نبی امّی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے جو انھیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا، اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اتار دے گا جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ چنانچہ جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائیں گے اس کی تعظیم کریں گے اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نور اتارا گیا ہے اس کے پیچھے چلیں گے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔

حضرت عطا بن یسارؒ سے روایت ہے:

میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی میں نے ان سے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صفات توریت میں آئی ہیں ان کے متعلق مجھے کچھ بتایے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! قسم اللہ کی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تورات میں بالکل بعض وہی صفات آئی ہیں جو قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ جیسے کہ اے نبی! ہم نے تمہیں گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، اور ان پڑھ قوم کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے۔ تم نہ بدخو ہو، نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور غل مچانے والے، (اور تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ) وہ (میرا بندہ اور رسول) برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لے گا۔ بلکہ معاف اور درگزر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کی روح قبض نہیں کرتے گا جب تک ٹیڑھی شریعت کو اس سے سیدھی نہ کرا لے، یعنی لوگ لا الہ الا اللہ نہ کہنے لگیں اور اس کے ذریعہ وہ اندھی آنکھوں کو بینا، بہرے کانوں کو شنوا اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو پردے کھول دے گا۔(802/2)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفات پڑھی ہیں کہ:

وہ نہ پست قد ہوں گے نہ بہت دراز قد، سفید رنگ دوزلفوں والے ہوں گے ان کے دونوں شانوں کے درمیان ایک مہرِ نبوت ہوگی، صدقہ قبول نہ کریں گے، گدھے اور اونٹ پر سوار ہوں گے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیا کریں گے، پیوند زدہ کرتہ استعمال فرمائیں گے اور جو ایسا کرتا ہے وہ تکبر سے بری ہوتا ہے، وہ اسماعیل علیہ السلام کی ذریّت میں ہوں گے، ان کا نام احمد ہوگا۔ **(802/3)**

کتبِ سابقہ کے بڑے ماہر عالم حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے:

اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داود علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اے داود! آپ کے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا، میں ان پر کبھی ناراض نہ ہوں گا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہ کریں گے اور میں نے ان کے لیے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی امت امّتِ مرحومہ ہے، میں نے ان کو وہ نوافل دیئے ہیں جو انبیاء کو عطا کی تھیں اور ان پر وہ فرائض عائد کیے ہیں جو پچھلے انبیاء پر لازم کیے گئے تھے، یہاں تک کہ وہ محشر میں میرے سامنے اس حالت میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء علیہم السلام کے نور کی مانند ہوگا، اسے داود میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے، میں نے ان کو چھ چیزیں خصوصی طور پر عطا کی ہیں جو دوسری امتوں کو نہیں دی گئیں، اور یہ کہ خطا و نسیان پر ان کو عذاب نہ ہوگا، جو گناہ ان سے بغیر قصد کے صادر ہو جائے گا وہ اس کی مغفرت مجھ سے طلب کریں تو میں معاف کر دوں گا، اور جو مال وہ اللہ کی راہ میں بطیب خاطر خرچ کریں گے تو میں دنیا ہی میں ان کو اس سے بہت زیادہ دے دوں گا، اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑے اور وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں تو میں ان پر اس مصیبت کو صلوٰۃ و رحمت اور جنت کی طرف ہدایت بنا دوں گا۔ وہ جو دعا کریں گے میں قبول کروں گا، کبھی اس طرح کہ جو مانگا ہے وہی دے دوں گا اور کبھی اس طرح کہ اس دعا کو ان کی آخرت کا سامان بنا دوں۔ **(802/4)**

(3) قرآن کریم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکروں سے بھرا پڑا ہے۔

اسم مبارک کا ذکر: اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ قرآن مجید میں اس کی صراحت 4 جگہ آئی ہے۔

(فتح:29، آل عمران:144، احزاب:40، محمد:2)

قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا نام احمد ملتا ہے: (صف:6) **ان دو اسماء کے علاوہ صفاتی نام قرآن مجید میں زیادہ آئے ہیں؛**

(1) شَاہِدْ (احزاب: 45، فتح: 8، مزمل: 15) **(2) سِرَاجٌ مُنِیْر** (احزاب: 46) **(3) مُنْذِر** (رعد: 7، ص: 4-65، ق: 2، نازعات: 45)

(4) نَذِیْر (مائدۃ:19، اعراف:184، اعراف:188، ھود:2-12، حج:49، شعریٰ:115، قصص:46، عنکبوت:50، سجد:3، سبا:46، فاطر:23-24، ص:70، احقاف:9، ذاریات:50-51، ملک:26) **(5) بَشِیْر** (مائدۃ:19، اعراف:188، ھود:2) **(6) مُبَشِّر** (فتح:8، احزاب:45) **(7) دَاعِیْ اِلَی اللہ** (احزاب:45)

(8) مُزَّمِّلْ (مزمل:1) **(9) مُدَّثِّر** (مدثر:1) **(10) مُذَکِّر** (غاشیۃ:21)

یہ سارے اسماء صفاتی تو وہ ہے جن میں سے ہر ایک بعینہٖ قرآن مجید میں آچکا ہے۔ باقی کچھ اور نام بھی ہیں جو براہِ راست تو وارد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی عبارتوں سے ماخوذ مستنبط کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً: **(11) مصطفیٰ (12) مجتبیٰ، (13) مطاع، (14) صادق، (15) امین، (16) مبلغ، (17) معلم، (18) مزکی، (19) مرسل وغیرہا۔**

اور ان سب کے علاوہ دو اسماء ایک **(20) الرسول** کا اطلاق تو اس کثرت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پر ہوا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا بھی آسان نہیں۔ اسی سلسلے میں ایک اور لفظ کا ذکر ضروری ہے۔ جو اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے تو عام ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکریم وتشریف خصوصی کے موقع پر اس تکرار سے آیا ہے کہ اگر اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک لقب خصوصی قرار دیا جائے تو کچھ بیجا نہیں۔ وہ لفظ ہے، **(21) عبد** (اسراء:1)

اسماء صفات میں سے دو ایسے بھی ہیں، جو ایک طرف تو کھلے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے استعمال ہوئے اور دوسری طرف وہ اسماء حسنیٰ باری تعالیٰ میں بھی داخل ہیں۔ وہ نام ہیں **(22) رؤف** اور **(23) رحیم** (توبۃ:128) صیغہ معرفہ میں ال کے اضافہ کے ساتھ تو یہ الرؤف والرحیم اسماء الٰہی میں ہیں۔

نسب: پہلی روشنی نسب مبارک کے سلسلہ میں قرآن مجید سے یہ پڑتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یتیم تھے۔ (ضحیٰ:6)
آپ کا نسل ابراہیمی سے ہونا قرآن مجید سے ظاہر ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو ثمرہ ہی تھے۔ عین دعائے ابراہیمی کا۔ (بقرۃ:128)

وطن: قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش کے مقام بکۃ (مکہ/ البلد الامین البلد الحرام ام القریٰ) کا تذکرہ موجود ہے۔ (آل عمران:10)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دارِ ہجرت مدینہ منورہ کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ (احزاب:8)

مشاغل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روزانہ مشاغل (تعلیم وتبلیغ، تزکیہ نفس) کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔
(بقرۃ:129-151، آل عمران:164، جمعہ:2)

ہجرت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجرت کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ (توبہ:6)

غزوات: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غزوات کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ غزوہ بدر (آل عمران:13، انفال:2) غزوہ احد۔ (آل عمران:13) غزوہ بدر ثانیہ۔ (آل عمران:18) غزوہ بنونظیر۔ (حشر:1) غزوہ بنی قینقاع۔ (حشر:3) غزوہ بنی قریظہ۔ (انفال:7) غزوہ احزاب۔ (احزاب:2) غزوہ حدیبیہ۔ (فتح:3) غزوہ خیبر۔ (فتح:2) غزوہ فتح۔ (فتح:1) غزوہ حنین۔ (توبہ:4) غزوہ تبوک۔ (توبہ:11)

(4) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجالس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تذکرے ہوتے تھے، بچوں کی تربیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت اور واقعات کے ذریعہ کی جاتی تھی۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادے حضرت علی اور اپنے شاگرد حضرت عکرمہؒ سے فرمایا:

انْطَلِقَا إِلَى أَبِي سَعِيدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيثِهِ، فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُصْلِحُهُ، فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبَى، ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتَّى أَتَى ذِكْرُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَيَقُولُ: »وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الفِتَنِ. (802/5)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان کی احادیث سنو۔ ہم گئے دیکھا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے باغ کو درست کررہے تھے، ہم کو دیکھ کر آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور گوٹ مار کر بیٹھ گئے، پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے۔ جب مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر آیا تو آپ نے بتایا کہ ہم تو (مسجد بنانے میں حصہ لیتے وقت) ایک ایک اینٹ اٹھاتے لیکن عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے، نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا اور ان کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا: افسوس! عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ جسے عمار جنت کی دعوت دیں اور وہ جماعت عمار کو جہنم کی دعوت دے رہی ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جَاءَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِلَى أَبِي فِي مَنْزِلِهِ، فَاشْتَرَى مِنْهُ رَحْلًا، فَقَالَ لِعَازِبٍ: ابْعَثِ ابْنَكَ يَحْمِلْهُ مَعِي، قَالَ: فَحَمَلْتُهُ مَعَهُ، وَخَرَجَ أَبِي يَنْتَقِدُ ثَمَنَهُ، فَقَالَ لَهُ أَبِي: يَا أَبَا بَكْرٍ، حَدِّثْنِي كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِينَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ. (802/6)

ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے والد کے پاس ان کے گھر آئے اور ان سے ایک پالان خریدا۔ پھر انہوں نے میرے والد سے کہا کہ اپنے بیٹے کے ذریعہ اسے میرے ساتھ بھیج دو۔ براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا چنانچہ میں اس کجاوے کو اٹھا کر آپ کے ساتھ چلا اور میرے والد اس کی قیمت کے روپے پرکھوانے لگے۔ میرے والد نے ان سے پوچھا اے ابوبکر! مجھے وہ واقعہ سنائیے جب آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار ثور سے ہجرت کی تھی تو آپ دونوں نے وہ وقت کیسے گزارا تھا؟ (اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا پورا واقعہ بیان کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موقع محل کو غنیمت جان کر اپنے بچوں کے سامنے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے واقعات کا تذکرہ فرماتے تھے)

چھٹی علامت: جن لوگوں یا چیزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت تھی ان سے محبت کرنا، اور جو لوگ اور چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند تھیں ان کو ناپسند کرنا۔

- **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہننے اور کھانے کی چیزوں سے محبت کرنا۔**

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

رأيتُ رسولَ الله ﷺ يَلْبِسُ النِّعالَ السِّبْتِيَّةَ وهى التى ليس عليها شَعْر ويتوضأ وأنا أُحِبُّ أن أَلْبَسَهُما۔ (803)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی چپل پہنے دیکھا تھا جس پر بال نہ ہوا کرتے تھے اس لیے مجھے بھی ایسے ہی چپل پہننا پسند ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنَّ خياطاً دَعَا رسولَ الله ﷺ لطعامٍ صَنَعَه، قال أنس: فذهبتُ مَعَ رسول الله ﷺ إلى ذلك الطعام، فقرَّب إلى رسول الله ﷺ خبزاً من شعير ومَرَقاً فيه دُبَّاء وقَدِيد، قال أنس: فرأيتُ رسولَ الله ﷺ يَتتبَّعُ الدُّبَّاءَ من حَوالى الصحْفةِ، فلم أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ من يومئذٍ۔ (804/1)

ایک درزی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا تیار کیا اور آپ کی دعوت کردی، میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے پر گیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں لوکی اور گوشت کے ٹکرے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوکی کے ٹکڑے پیالے میں چاروں طرف تلاش کررہے ہیں بس اس دن سے لوکی مجھے محبوب ہوگئی۔

صحابہ کرام کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہر چیز سے محبت ہوگئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے بعد حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ! روئے زمین پر کسی گھرانے کی ذلت آپ کے گھرانے کی ذلت سے زیادہ میرے لیے خوشی کا باعث نہیں تھی لیکن آج کسی گھرانے کی عزت روئے زمین پر آپ کی عزت سے زیادہ میرے لیے خوشی کی وجہ نہیں ہے۔ (804/2)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجد کی جانب گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا تو وہ بنو حنفیہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے، جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا، وہ اہل یمامہ کا سردار تھا، انہوں نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک

ستون کے ساتھ باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ (گھر سے) نکل کر اس کے پاس آئے اور پوچھا: ثمامہ! تمہارے پاس کیا (خبر) ہے؟ اس نے جواب دیا: اے محمد! میرے پاس اچھی بات ہے، اگر آپ قتل کریں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کے خون کا حق مانگا جاتا ہے اور اگر احسان کریں گے تو اس پر احسان کریں گے جو شکر کرنے والا ہے۔ اور اگر مال چاہتے ہیں تو طلب کیجئے، آپ جو چاہتے ہیں، آپ کو دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دیا حتی کہ جب اگلے سے بعد کا دن (آئندہ پرسوں) ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ثمامہ! تمہارے پاس (کہنے کو) کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: (وہی) جو میں نے آپ سے کہا تھا، اگر احسان کریں گے تو ایک شکر کرنے والے پر احسان کریں گے اور اگر قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر مال چاہتے ہیں تو طلب کیجئے، آپ جو چاہتے ہیں آپ کو وہی دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے (اسی حال میں) چھوڑ دیا حتی کہ جب اگلا دن ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے پاس وہی ہے جو میں نے آپ سے کہا تھا: اگر احسان کریں گے تو ایک احسان شناس پر احسان کریں گے اور اگر قتل کریں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون ضائع نہیں جاتا، اور اگر مال چاہتے ہیں تو طلب کیجیے، آپ جو چاہتے ہیں وہی آپ کو دیا جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ثمامہ کو آزاد کر دو۔ وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے ایک باغ کی طرف گیا، غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے محمد! اللہ کی قسم! روئے زمین پر آپ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چہرہ نہیں تھا جس سے مجھے بغض ہو اور اب آپ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چہرہ نہیں جو مجھے زیادہ محبوب ہو۔ اللہ کی قسم! آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی دین مجھے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا، اب آپ کا دین سب سے بڑھ کر محبوب دین ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر برا نہیں لگتا تھا، اب مجھے آپ کے شہر سے بڑھ کو کوئی اور شہر محبوب نہیں۔ آپ کے گھڑ سواروں نے مجھے (اس وقت) پکڑا تھا جب میں عمرہ کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ کیا (صحیح) سمجھتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں (ایمان کی قبولیت کی) خوشخبری دی اور حکم دیا کہ عمرہ ادا کرے۔ جب وہ مکہ آئے تو کسی کہنے والے نے ان سے کہا: کیا بے دین ہو گئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں، اور اللہ کی قسم! یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت دے دیں۔ (3/804)

- **عربی زبان اور اہل عرب سے محبت کرنا۔ (805)**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَحِبُّوا الْعَرَبَ لثلاث: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ۔ (806)

عرب سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو اس لیے کہ میں عربی ہوں، اس لیے کہ قرآن عربی ہے اس لیے کہ اہلِ جنت کی گفتگو بھی عرب زبان میں ہو گی۔

● **آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا، دین دشمن، صحابہ دشمن سے بغض کرنا۔ (807)**

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (808)

میرے صحابہ کے بارے میں خدا کا خوف رکھنا اور میرے بعد ان کو ہدفِ ملامت نہ بنانا (یادرکھو) جو ان سے محبت رکھے گا وہ میری وجہ سے محبت رکھے گا اور جو اُن سے بغض رکھے گا وہ میری وجہ سے بغض رکھے گا، جو ان کو تکلیف دے گا اس نے گویا مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدا تعالیٰ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو قریب ہے کہ وہ گرفت کرلے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الأَنْصَارُ لاَ يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ. (809)

انصار سے کوئی محبت نہیں رکھے گا مگر مؤمن اور ان سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق جو اُن سے محبت رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا۔ اور جو اُن سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رَأَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ مُقْبِلِينَ - قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مِنْ عُرُسٍ، فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُمْثِلًا فَقَالَ: اللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ. (810/1)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند بچوں اور عورتوں کو ایک شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا: اللہ گواہ ہے تم لوگ مجھے بہت ہی محبوب ہو۔

مہاجرین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہ وخاندان تھے، انصار نے غیر ہوکر جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی اس میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے سوا اور کیا جذبہ ہوسکتا تھا، اس لیے ہر موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے محبت آمیز کلمات فرما کر ان کی ہمت افزائی فرمایا کرتے اور یہ بتلایا کرتے تھے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اس جاںنثاری کی کتنی قدر ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے:

ابوبکر اور عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے، دیکھا کہ تمام اہل مجلس رو رہے ہیں، پوچھا آپ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ مجلس والوں نے کہا کہ ابھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کو یاد کررہے تھے جس میں ہم بیٹھا کرتے تھے (یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا واقعہ ہے) اس کے بعد یہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی، بیان کیا کہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، سر مبارک پر کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی، راوی نے بیان کیا کہ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور اس کے بعد پھر کبھی منبر پر آپ تشریف نہ لا سکے، آپ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي وَقَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ، فَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ.

میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے جسم و جان ہیں، انہوں نے اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کی ہیں لیکن اس کا بدلہ جو انہیں ملنا چاہیے تھا، وہ ملنا ابھی باقی ہے، اس لیے تم لوگ بھی ان کے نیک لوگوں کی نیکیوں کی قدر کرنا اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرتے رہنا۔ (810/2)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ. (811)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کاندھے پر ہیں اور ان کے لیے آپ یہ دعا فرما رہے ہیں اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔

قرآن کریم میں ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

(مجادلة:22)

جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہوں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے، اور انہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

- **دنیا سے بے رغبتی اور فقر کی زندگی کو ترجیح دینا۔ (812)**

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ. فَقَالَ لَهُ: انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ،

قَالَ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، فَإِنَّ الْفَقْرَ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ۔ (813)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں آپ سے محبت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھ کیا کہتا ہے، اس نے پھر کہا خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں، تین بار کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو سچ بولتا ہے تو پھر فقر ومحتاجی کا ٹاٹ تیار رکھو اس لیے کہ فقر مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے کہ اتنا تیز سیلاب کا پانی بھی اپنے بہاؤ کے رخ پر نہیں جاتا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعویٰ محبت رکھتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کی ہم رنگ زندگی اختیار کرے، اپنا پیٹ کاٹ کا بھوکو کو کھانا کھلا دے اور خود بھوکا رہ جائے، پانی دوسرے پیاسوں کو پلا دے اور خود پیاسا رہ جائے، اپنی سواری دوسرے ضرورت مند پیادو کو دیدے اور خود پیدل چلے، غرض اپنا مال واسباب سب دوسروں کو تقسیم کر ڈالے ان کو غنی بنا دے اور خود فقیر بن جائے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رکھنے والے فقیر ہی ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی ہمدردی میں وہ اپنی زندگی خود فقیرانہ بنالیتے ہیں، دنیا میں ہر غمزدہ کا غم ان کے لیے موجب غم ہوتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ دوسرے بھوکے ہوں یہ شکم سیر، دوسرے پیاسے ہوں یہ سیراب، دوسرے ننگے پھریں اور یہ لباس فاخرہ پہنیں، اب اگر کوئی شخص اتنا وسیع ظرف رکھتا ہے کہ وہ اپنی تمام راحت ورفاہت کو دوسروں پر قربان کردے تو بیشک اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ اب اگو کوئی باہمت ہے تو آئے اور اس میدان میں قدم رکھے ورنہ اپنے دعوے میں سچا نہیں سمجھا جاسکتا۔ (814/1)

ساتویں علامت: جن لوگوں جن چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت تھی اس نسبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھنا ان کی رعایت رکھنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کا خیال رکھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَصَابَنِي الْجَهْدُ، فَأَرْسَلَ إِلَى نِسَائِهِ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ، يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: ضَيْفُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَّخِرِيهِ شَيْئًا، قَالَتْ: وَاللّٰهِ مَا عِنْدِي

إِلَّا قُوتُ الصِّبْيَةِ، قَالَ: فَإِذَا أَرَادَ الصِّبْيَةُ العَشَاءَ فَنَوِّمِيهِمْ، وَتَعَالَيْ فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ وَنَطْوِي بُطُونَنَا اللَّيْلَةَ، فَفَعَلَتْ، ثُمَّ غَدَا الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: لَقَدْ عَجِبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ - أَوْ ضَحِكَ - مِنْ فُلاَنٍ وَفُلاَنَةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: {وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ} الحشر: 9۔ (814/2)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب خود (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں فاقہ سے ہوں ۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ازواج مطہرات کے پاس بھیجا (کہ وہ آپ کی دعوت کریں) لیکن ان کے پاس کوئی چیز کھانے کی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا نے کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو آج رات اس مہمان کی میزبانی کرے؟ اللہ اس پر رحم کرے گا۔ اس پر ایک انصاری صحابی (ابوطلحہ) کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ آج میرے مہمان ہیں پھر وہ انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں، کوئی چیز ان سے بچا کے نہ رکھنا۔ بیوی نہ کہا اللہ کی قسم میرے پاس اس وقت بچوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ انصاری صحابی نے کہا اگر بچے کھانے مانگیں تو انہیں سلادو اور آ و یہ چارغ بھی بجھادو، آج رات ہم بھوکے ہی رہ لیں گے۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ نصاری صحابی صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں (انصاری صحابی) اور ان کی بیوی (کے عمل) کو پسند فرمایا۔ یا (آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ مسکرایا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی یعنی اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔

حضور ﷺ کی دی ہوئی معمولی چیز کو بھی بہت بڑا سمجھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا بَيْنَ أَصْحَابِهِ تَمْرًا، فَأَعْطَى كُلَّ إِنْسَانٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ، فَأَعْطَانِي سَبْعَ تَمَرَاتٍ إِحْدَاهُنَّ حَشَفَةٌ، فَلَمْ يَكُنْ فِيهِنَّ تَمْرَةٌ أَعْجَبَ إِلَيَّ مِنْهَا، شَدَّتْ فِي مَضَاغِي۔ (814/3)

ایک دن نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو کھجور تقسیم کی اور ہر شخص کو سات کھجوریں دیں۔ مجھے بھی سات کھجوریں عنایت فرمائیں۔ ان میں ایک خراب تھی (اور سخت تھی) لیکن مجھے وہی سب سے زیادہ اچھی معلوم ہوئی کیونکہ اس چبانا مجھ کو مشکل ہو گیا۔

حضور ﷺ سے سسرالی نسبت قائم کرنے کے لیے شادی کرنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے شادی کر لی

تو میں نے سنا کہ وہ لوگوں کو فرما رہے ہیں تم مجھے مبارکباد کیوں نہیں دیتے ہو؟ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن میرے سسرالی رشتہ اور میرے نسب کے علاوہ ہر سسرالی رشتہ اور ہر نسب ٹوٹ جائے گا (اور اس شادی سے مجھے حضور ﷺ کا سسرالی رشتہ حاصل ہو گیا ہے اس لیے مجھے مبارکباد دو)۔(814/4)

حضور ﷺ سے نسبت کی وجہ سے غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَتَسَامَعَ - تَعْنِي النَّاسَ - أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَزَوَّجَ جُوَيْرِيَةَ، فَأَرْسَلُوا مَا فِي أَيْدِيهِمْ مِنَ السَّبْيِ، فَأَعْتَقُوهُمْ، وَقَالُوا: أَصْهَارُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا، أُعْتِقَ فِي سَبَبِهَا مِائَةُ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ۔(814/5)

جب لوگوں نے ایک دوسرے سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے جویریہ سے شادی کر لی ہے تو بنی مصطلق کے جتنے قیدی ان کے ہاتھوں میں تھے سب کو چھوڑ دیا انہیں آزاد کر دیا، اور کہنے لگے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے ہیں، ہم نے کوئی عورت اتنی برکت والی نہیں دیکھی جس کی وجہ سے اس کی قوم کو اتنا زبردست فائدہ ہوا ہو، ان کی وجہ سے بنی مصطلق کے سو قیدی آزاد ہوئے۔

حضور ﷺ کی نسبت کی وجہ سے حضور ﷺ کے خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي۔(814/6)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ ﷺ کی قرابت والوں سے سلوک کرنا مجھ کو اپنی قرابت والوں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے:

ذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ مَعَ أُنَاسٍ مِنْ بَنِي زُهْرَةَ إِلَى عَائِشَةَ، وَكَانَتْ أَرَقَّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ، لِقَرَابَتِهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔(814/7)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بنی زہرہ کے چند لوگوں کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بنی زہرہ کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتی تھیں کیونکہ ان لوگوں کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت تھی۔

فصل:6

طریقۂ محبت (محبت پیدا کرنے کا طریقہ)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:

(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی فرضیت اور اس کے ثمرات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے حالات کو ہمیشہ یاد رکھنا۔(815)

(2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات واحسانات کو سوچنا۔(816) (تفصیل کے لیے دیکھیں: فصل 3: وجوہاتِ محبت)

(3) کتب سیرت (جن میں واقعات سیرت ہوں یا تعلیمات نبوی کی روشنی میں امت کے مسائل کا حل ہو) اور کتب شمائل وخصائص کا کثرت سے مطالعہ کرنا۔(817)

(4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ کے کمالات، احسانات کا کثرت سے تذکرے کرنا۔(818)

(5) درود شریف کی کثرت کرنا۔(819)

(6) سنت کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا۔

المیزان مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل: 7

اظہارِ محبت

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے اظہار کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: محبوب کے لحاظ سے محبت کا اظہار کیا جاتا ہے، انسان کو اپنے والدین سے بھی محبت ہوتی ہے اور اولاد سے بھی، استاذ اور شیخ سے بھی محبت ہوتی ہے اور شاگرد و مرید سے بھی، شوہر و بیوی بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اور دوستوں میں بھی باہم محبت کا تعلق ہوتا ہے، لیکن ہر جگہ اظہارِ محبت کا ایک انداز نہیں ہوتا۔

اظہارِ محبت میں تین باتوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے:

پہلی بات: محبوب کا مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنا

اظہارِ محبت میں محبوب کے مقام مرتبہ کے لحاظ بے حد ضروری ہے، ایک شخص اپنے بچوں سے پیار کرتے ہوئے محبت کے جو بول بولتا ہے اور جو طریقہ کار اختیار کرتا ہے اگر وہی الفاظ اپنے ماں باپ سے کہے اور وہی طریقہ ان کے ساتھ اختیار کرے تو یہ محبت کے بجائے بے ادبی اور گستاخی ہو جائے گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے اظہار میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہارِ محبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں، جیسے:

- **نعت، شعر و شاعری:** جیسے بعض شعراء نعتیہ اشعار کچھ اس طرح کہتے اور پڑھتے ہیں کہ جیسے اپنی محبوبہ کی تعریف کر رہے ہوں اور اس کے سراپا کا نقشہ کھینچ رہے ہوں، ظاہر ہے کہ یہ اظہارِ محبت کا ناشائستہ طریقہ ہے۔ سوچیے کیا یہ بے ادبی نہیں ہے؟ (820)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں نعتیہ کلام کہنا یا شعر لکھنا یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ہر کس و ناکس اس پر اقدام کی جرأت کر سکے یہ بہت حساس اور نازک مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جب نعت کا ارادہ کرتے ہیں تو باوجود صحابی رسول، عاشق رسول اور شاعر رسول ہونے کے ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو بلکہ پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سیکھ لو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قریش کی ہجو کرو کیونکہ ہجوان کو تیروں کی بوچھاڑ سے زیادہ ناگوار ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو سیدنا ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ قریش کی ہجو کرو۔ انہوں نے ہجو کی لیکن آپ ﷺ کو پسند نہ آئی۔ پھر سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ پھر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب سیدنا حسان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ تم پر وہ وقت آگیا کہ تم نے اس شیر کو بلا بھیجا جو اپنی دم سے مارتا ہے (یعنی اپنی زبان سے لوگوں کو قتل کرتا ہے گویا میدان فصاحت اور شعر گوئی کے شیر ہیں) پھر اپنی زبان باہر نکالی اور اس کو ہلانے لگے اور عرض کیا کہ قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا ہے میں کافروں کو اپنی زبان سے اس طرح پھاڑ ڈالوں گا جیسے چمڑے کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے حسان! جلدی مت کر! کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ قریش کے نسب کو بخوبی جانتے ہیں اور میرا بھی نسب قریش ہی ہیں، تو وہ میرا نسب تجھے علیحدہ کر دیں گے۔ پھر حسان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پھر اس کے بعد لوٹے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا نسب مجھ سے بیان کر دیا ہے، قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا، میں آپ ﷺ کو قریش میں سے ایسا نکال لوں گا جیسے بال آٹے میں سے نکال لیا جاتا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ حسان سے فرماتے تھے کہ روح القدس ہمیشہ تیری مدد کرتے رہیں گے جب تک تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جواب دیتا رہے گا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ حسان نے قریش کی ہجو کی تو مومنوں کے دلوں کو شفاء دی اور کافروں کی عزتوں کو تباہ کر دیا۔ (821)

دوسری بات: محبوب کی پسند و ناپسند کا خیال کرنا

کسی شخص کو جو چیز پسند نہ ہو آپ اس کی پسند و ناپسند کی پرواہ کیے بغیر اس کی ناپسندیدہ چیز بطور اظہار محبت کے اس کے سامنے پیش کر دیں تو یا تو اسے بے وقوفی سمجھا جائے گا یا تمسخر۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے اظہار میں بھی حضور ﷺ کی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اظہار محبت میں آپ ﷺ کی پسند ناپسند کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں، جیسے:

- **مبالغہ آرائی:** کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسے اوصاف بیان کرتے ہیں جن کا ذکر نہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور نہ خود آنحضرت ﷺ نے۔ بلکہ بعض لوگ تو اس بارے میں اس حد تک بے اعتدالی کا شکار ہوتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے ایسی صفات کا ذکر کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں۔ اگر ان حضرت کو ایسی بے اعتدالی سے منع کیا جائے تو وہ آنحضرت ﷺ سے بے پناہ محبت کے دعوے کو اپنی بے اعتدالی کے لیے وجہ جواز قرار دیتے ہیں اور منع کرنے والوں کو الزام دیتے ہیں کہ ان کے دل آنحضرت ﷺ کی محبت سے خالی ہیں۔ اور وہ خود

اس حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعریف میں مبالغہ آرائی، دروغ گوئی اور اس بات سے شدت سے روکا کہ آپ کے لیے ایسی صفات ذکر کی جائیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مختص ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی نہ کرنا جس طرح نصرانیوں نے ابن مریمؑ کی تعریف میں مبالغہ آرائی کی۔ درحقیقت میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ تم (میرے بارے میں) کہو: اللہ کا بندہ اور رسول۔**(822)**

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

> ماشاء اللہ و شئت۔ (وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور آپ چاہیں گے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے؟ (اس کی بجائے یہ) کہو: ماشاء اللہ وحدہ (وہ ہوگا جو تنہا اللہ تعالیٰ پسند کرے گا)**(823)**

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

> میری شادی کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ہمارے ہاں) تشریف لائے۔ دو ننھی بچیاں جنگ بدر میں قربان ہونے والے میرے رشتہ داروں کے بارے میں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ اسی دوران انہوں نے کہا: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ (ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات سے آگاہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کیا کہہ رہی ہو؟ ایسے مت کہو۔ جو کچھ کل ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔**(824)**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے بعض دعوے دار آپ کی قسم کھاتے ہوئے کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم، رسول اللہ کی قسم۔ وہ اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> اگر کسی کو قسم کھانی ہی ہو تو اللہ کے سوا اور کسی کی قسم نہ کھائے۔**(825)**

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف لاتے تو ہمارا جی چاہتا تھا کہ احترام میں اٹھ کھڑے ہوں لیکن ہم ایسا کرتے نہیں تھے اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں تھی۔**(826)**

لہٰذا ہمیں محبت، عقیدت کے اظہار میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ اور پسند و ناپسند کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔**(827)**

تیسری بات: محبوب کی اطاعت کرنا

کسی سے محبت کا دعویٰ کر کے اس کی محبت کے زبانی قصیدے پڑھنا لیکن اس کی بات بالکل نہ ماننا اطاعت نہ کرنا ایسے شخص کے محبت کے دعوی کو جھوٹا دعویٰ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اظہار محبت صرف زبانی نہ ہو بلکہ اپنے عمل سے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت دیا جائے۔

عرب کا ایک شاعر کہتا ہے:

تَعْصِي الرَّسُولَ وأنتَ تُظهِر حُبَّهُ ... هٰذا مُحَالٌ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لأطعتَهُ ... إنَّ الْمُحِبَّ لِمَن يُّحِبُّ مُطِيْعٌ
فِيْ كُلِّ يَوْمٍ يَبْتَدِيْكَ ... بِنِعْمَةٍ مِنْهُ وَأَنْتَ لِشُكْرِ ذٰلِكَ مُضِيْعٌ

تم رسول کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور اظہارِ محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو، یہ حقیقت میں محال اور عقل سے بہت دور کی بات ہے۔

اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے، اس لیے محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

وہ ہر دن اپنی نعمت سے تمہارے دن کی شروعات کرتا ہے اور تم ناشکری کی وجہ سے ان نعمتوں کو ضائع کرنے والے ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لما بعثه رسول الله ﷺ إلى اليمن خرج معه رسول الله ﷺ يوصيه ومعاذ راكب ورسول الله ﷺ يمشي تحت راحلته، فلما فرغ قال: يا معاذ إنك عسى أن لا تلقاني بعد عامي هذا ولعلك أن تمر بمسجدي هذا، وقبري. فبكى معاذ جشعا لفراق رسول الله ﷺ، ثم التفت فأقبل بوجهه نحو المدينة فقال: إن أولى الناس بي المتقون من كانوا وحيث كانوا۔ (828)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان کو وصیتیں کرتے ہوئے گئے، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: معاذ! ممکن ہے کہ اس سال کے بعد تمہاری مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے اور ہو سکتا ہے کہ تم میری اس مسجد یا قبر کے پاس سے گزرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے خیال سے رنجیدہ ہو کر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: سب لوگوں میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے، جو تقویٰ کی صفت سے متصف ہوں، وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب مدینہ طیبہ جانا ہوتا، اور روضۂ اقدس پر سلام عرض کرنے کے لیے حاضری ہوتی تو عام معمول یہ تھا کہ مواجہہ شریف کی جالیوں سے کافی فاصلے پر ایک ستون کے قریب سراپا ادب بن

کر سر جھکائے کھڑے رہتے ، اور اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے ۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اسی ستون کے قریب کھڑا تھا، دل میں شوق پیدا ہوا کہ آگے بڑھ کر مقدس جالیوں کے قریب تک پہنچ جاؤں، لیکن ہمت نہ ہوئی اس پر حسرت سی ہونے لگی کہ لوگ آگے تک چلے جاتے ہیں، اور میں دور کھڑا ہوں، اسی دوران یہ محسوس ہوا کہ روضۂ اقدس سے یہ آواز آرہی ہے، کہہ دو کہ جو شخص ہماری سنتوں کا اتباع کرتا ہے وہ ہم سے قریب ہے خواہ بظاہر کتنا دور ہو، اور جو شخص ہماری سنت کا متبع نہیں وہ ہم سے دور ہے، خواہ وہ ہماری جالیوں سے چمٹ کر کھڑا ہو۔(829)

چنانچہ عمل اور کردار سے حضور ﷺ محبت کے اظہار کی کئی صورتیں

(1) اتباع سنت: حضور ﷺ کی سنتوں کا عملی نمونہ بننے کی کوشش کریں، عبادات، معاملات اور ہر شعبہ زندگی کی؟؟ تحقیق کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی میں لانے کی کوشش کریں۔

(2) سیرت وسنت کی تعلیم و تعلم: رسول اللہ ﷺ سے اظہار محبت کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم لوگ پورے سال میں اور خاص کر ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے پڑھنے اور اپنی نئی نسل تک اس کو پہنچانے کا اہتمام کریں، ہم خود بھی ان کا مطالعہ کریں اور اپنے مطالعہ کو نئی نسل تک پہنچائیں، خواتین اور بچوں کو سنائیں۔

آج صورحال یہ ہے کہ مسلمان نوجوانوں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے ساتذہ اور طلبہ وطالبات کو رسول اللہ ﷺ کی پاک اولاد اور پاک بیویوں کے نام تک یاد نہیں، اگر ان سے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام دریافت کیا جائے تو چاروں خلفاء کے بعد کم لوگ ہوں گے جو کسی پانچویں صحابی کا نام بتا سکیں، خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے دس بیس واقعات بھی ان کو معلوم نہیں ہیں، کیا یہ بات محبت کے تقاضے میں داخل نہیں کہ انسان اپنے محبوب کو جانے، پہچانے اور دوسروں سے اس کا تعارف کرائے؟

(3) دعوت وتبلیغ: اظہار محبت کی تیسری صورت یہ ہے کہ ہم غیر مسلموں تک رسول اللہ ﷺ کے حالات اور آپ کی انسانیت نواز تعلیمات کو پہنچائیں، اس وقت مغرب کی جانب سے منظم کوشش کی جارہی ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جائیں، آپ ﷺ کی توہین کے لیے مختلف حربے استعمال کیے جارہے ہیں، جب اس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں تو ہم لوگ احتجاج کرتے ہیں اور ہم اس احتجاج میں حق بجانب بھی ہیں لیکن یہ اس مسئلہ کا پائیدار اور مستقل حل نہیں ہے، اس کا اصل حل یہ ہے کہ غیر مسلموں تک رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پہنچائی جائے۔

(4) کثرت درود: اظہار محبت کی چوتھی صورت جس کی خود آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے درود شریف کی کثرت ہے، گھروں میں ایسا محول بنائیے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں، ہر مسلمان خاندان طے کرلیں کم سے کم ہر ماہ ہم سب ملکر ایک لاکھ دفعہ درود شریف پڑھیں گے، تو آپ ﷺ کی محبت کا اظہار ہوگا۔

اگر ہم سیرت کا پیغام مسلمانوں تک پہنچا کر، غیر مسلموں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے واقف کرا کر اور درود شریف کی کثرت کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و تعلق کا اظہار کریں تو یہ اظہار محبت کی کتنی بہتر، مفید اور ثمر آور صورت ہوگی؟ (830)

❑ اظہار محبت کے مروجہ طریقے اور ان کی شرعی حیثیت

- **ماہ ربیع الاول کی من گھڑت فضیلتیں بیان کرنا**

سوال: کیا ربیع الاول کے مہینے کی کوئی فضیلت صراحتاً قرآن وحدیث میں آئی ہے؟

جواب: ربیع الاول کی منفرد شان: اس مہینے کی کوئی فضیلت صاف طور پر اگرچہ قرآن وحدیث میں مذکور نہیں لیکن یہ بات مسلم ہے کہ اس مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، لہٰذا آپ کی ولادت کا مہینہ ہونے کی وجہ سے یہ بڑی برکت، فضیلت اور منفرد شان کا حامل ہے جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مکان اسی وجہ سے محترم ہے کہ وہ آپ کی ولادت مبارکہ کی جگہ ہے اسی طرح وہ مہینہ بھی مشرف و معظم ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی ہے۔ (831)

سوال: ماہ ربیع الاول کے آغاز کی خوشخبری سے متعلق عوام میں جو حدیث مشہور ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: ماہ ربیع الاول کے آغاز کی خوشخبری سے متعلق عوام میں یہ حدیث مشہور ہے:

جو شخص کسی دوسرے کو ماہ ربیع الاول کی آمد کی خوشخبری سب سے پہلے دے گا تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

یہ ہرگز حدیث نہیں بلکہ ایک منگھڑت بات ہے، اس لیے اس کو حدیث سمجھنا یا اس کو آگے پھیلانا ہرگز جائز نہیں بلکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے زمرے میں آتا ہے جس پر شدید وعید وارد ہوئی ہے۔ (832)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کس مہینہ اور کس دن ہوئی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بالاتفاق ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن ہوئی۔ (833)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت میں محدثین، مؤرخین کی کیا کیا رائے ہیں اور راجح رائے کیا ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت میں محدثین اور مؤرخین کی مختلف رائے ہیں:

2 ربیع الاول

8 ربیع الاول

9 ربیع الاول (834)

12 ربیع الاول (835)

راجح رائے 8 ربیع الاول کی ہے۔ (836)

سوال: کیا حضور ﷺ کی تاریخ وفات میں بھی مختلف رائے ہیں؟

جواب: جی ہاں! (1) پیر 11 ربیع الاول (2) اکثر کے نزدیک پیر 12 ربیع الاول۔ **(837)**

سوال: حضور ﷺ کی ولادت اور وفات کی تاریخ میں مختلف رائے کیوں ہوئیں؟

جواب: اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت اور وفات کی متعین تاریخ سے امت کے لیے کوئی خاص خوشی یا غمی کا حکم وابستہ نہیں تھا اس لیے اس کی حفاظت کا خدا کی طرف سے کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کرایا گیا اگر آپ کی تاریخ ولادت یا تاریخ وفات سے کوئی حکم یا عمل وابستہ ہوتا (جیسا کہ آج کل عید میلاد کے نام سے جشن کا اہتمام ہوتا ہے) تو یہ اختلاف موجود نہ ہوتا۔

سوال: حضور ﷺ کی ولادت اور وفات ایک ہی مہینہ میں ہوئی کیا اس میں کوئی حکمت تھی؟

جواب: جی ہاں! علماء نے اس کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ کوئی شخص اس مہینہ میں آپ کی ولادت کے سبب نہ تو یوم العید (جشن کا دن) منائے اور وفات کی وجہ سے نہ یوم الحزن (سوگ کا دن) سمجھے کیونکہ اگر کوئی اس روز جشن منانا چاہے تو آپ کے وصال کا خیال اس خوشی میں رکاوٹ ہوگا اور کوئی غم اور سوگ کرنا چاہے تو ولادت شریفہ کا خیال اس رنج و غم میں رکاوٹ ہوگا اس لیے اعتدال پر قائم رہنا ضروری ہے۔ **(838)**

- **ماہ ربیع الاول میں سبیلیں لگانا، کھانا تقسیم کرنا**

سوال: بعض لوگ ماہ ربیع الاول میں سبیلیں لگا کر دودھ یا شربت پلاتے ہیں، حلوہ، مٹھائی، چاول یا دیگر کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں اور اس کو بڑے اجر و ثواب کا باعث سمجھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ سب چیزیں بدعات کے زمرے میں آتی ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے، اس کے بدعت ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

(1) عید کا دن تصور کرنا: ماہ ربیع الاول خصوصا 12 تاریخ کو یہ کھانے کی چیزیں اس لیے تقسیم کی جاتی ہیں کہ یہ عید کا موقع ہے اور عید کے موقع پر خوشی ہونی چاہیے، یہ بات واضح ہے کہ 12 ربیع الاول کو عید کا دن تصور کرنا ہی شریعت کے خلاف ہے تو اس کی بنیاد پر انجام دیے جانے والے اعمال بھی غیر شرعی ہوں گے۔

(2) صدقہ کی نیت سے کرنا: اگر ماہ ربیع الاول کو خصوصا 12 تاریخ کو تقسیم کرنے کا مقصد صدقہ دینا ہو تو یہ بات واضح ہے کہ صدقہ تو سال بھر میں کسی بھی دن دیا جاسکتا ہے، اور صدقہ میں کوئی بھی چیز دی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لیے مہینہ یا دن خاص کرنا یا صدقہ میں کوئی چیز خاص کرنا شریعت کے خلاف اور بدعت ہے۔

(3) ایصال ثواب کے لیے کرنا: اور اگر کھانا تقسیم کرنے کا مقصد حضور ﷺ کے لیے ایصال ثواب ہے تو واضح ہے کہ

ایصال ثواب کے لیے نہ کوئی دن یا مہینہ خاص ہے اور نہ ہی کوئی کھانے پینے کی چیز تقسیم کرنا ضروری ہے بلکہ ایصال ثواب تو کسی بھی عمل کا کیا جا سکتا ہے، اس لیے ایصال ثواب کے لیے بھی مہینہ یا دن خاص کرنا یا ایصال ثواب میں کوئی چیز خاص کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

(4) ایصال ثواب علی الاعلان کرنا: ایصالِ ثواب کے لیے عمل میں اخلاص ضروری ہے اور اخلاص کے لیے چھپ کر عمل کرنا زیادہ مناسب اور افضل ہے لیکن ان لوگوں کو اگر چھپ کر صدقہ کرنے کی ترغیب دی جائے تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے مگر علی الاعلان بڑی بڑی دیگیں اتارنے سے باز نہیں آتے۔

(5) صدقہ غیر مستحق کو دینا: صدقہ کے اصل مستحق غریب لوگ ہیں مگر ربیع الاول کے اس کھانے اور مشروب کو صرف غریبوں میں تقسیم کرنے کا عام طور پر خیال نہیں کیا جاتا اور بلا امتیاز ہر ایک کو شریک کر لیا جاتا ہے بلکہ امیروں اور بڑے لوگوں یا اپنے جاننے والوں کو خاص طور پر اس کھانے میں شریک کر لیا جاتا ہے اور ایک دعوت کا سماں بنالیا جاتا ہے غریب صرف برائے نام ہوتے ہیں بلکہ بہت سی دفعہ تو برائے نام بھی نہیں ہوتے۔ ان حالات میں اس دعوت اور کھانے کی تقریب کو کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ ایصال ثواب کے لیے ہے؟

(5) بہترین صدقہ نقدی دینا ہے: صدقہ نقدی کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے کہ چھپا کر دینا آسان ہے اور غریبوں کے لیے زیادہ مفید بھی ہے۔ کیونکہ غریبوں کی مختلف موقعوں پر مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں۔ نقدی سے غریب اپنے ہر قسم کی ضرورت پوری کر سکتا ہے (مثلاً لباس کی ضرورت ہو تو پیسوں سے اس کو خرید سکتا ہے، دوا کی ضرورت ہو تو وہ لے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ) اور اگر فی الحال اس کو ضرورت نہ ہو تو اپنی آئندہ کی ضروریات کے لیے رکھ سکتا ہے اور اپنے بال بچوں کی بھی ہر قسم کی ضرورت پوری کر سکتا ہے اور بال بچے اس کے پاس موجود نہ ہوں تو دوسری جگہ ان کی ضرورت کے لیے یہ رقم بھیج سکتا ہے اور کھانے کو خاص کرنے کی صورت میں غریبوں کی ان تمام ضروریات وسہولیات کا لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ہی ممکن ہے۔

(6) صدقہ میں غریبوں کی ضرورت کا خیال نہ رکھنا: صدقہ کا ایک صحیح طریقہ یہ ہے کہ غریبوں کی ضرورت کے مطابق ان کا تعاون کیا جائے مثلاً مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ ٹکٹ وغیرہ کا خرچ، بھوکے کو کھانا اور برہنہ کو لباس، جوتا، سردی میں بے سروسامان کو کمبل، رضائی اور گرم لباس وغیرہ، غرض یہ کہ غریب کی ضرورت پوری کرنے کا خیال رکھا جائے، مگر یہاں تو ہر حال میں کھانا ہی کھلانا یا شربت ہی پلانا ہے، خواہ غریب کو اسوقت کھانے پینے کی ضرورت بھی نہ ہو یا اس خاص کھانے اور مشروب سے اس کا پرہیز ہو اور خواہ مریض دوا کے بغیر کراہ رہا ہو برہنہ جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہو، یا لباس کے لیے ترس رہا ہو، مسافر اپنی منزل تک پہنچنے سے لاچار اور مجبور ہو اور خواہ کتنا ہی پریشان ہو؟

(7) غیروں کے ساتھ مشابہت: اس عمل میں اہلِ بدعت اور غیروں کے ساتھ تشبہ ہے اور ان کے ساتھ تشبہ گناہ ہے، نیز ان کے غلط عقیدے و نظریے کی تقویت و تائید اور تعاون بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ پس ان تمام باتوں کی وجہ سے اس مروّجہ رسم سے پرہیز ضروری ہے۔**(839)**

مسئلہ: ماہ ربیع الاول میں گھروں میں جو کھانے اور مشروبات بھیجے جاتے ہیں تو اس کے حکم میں کچھ تفصیل ہے:

(1) غیر اللہ کے نام نذر و نیاز: اگر کسی ایسے شخص کی طرف سے یہ کھانا، مشروب بھیجے گیے ہوں جس کے بارے میں معلوم ہو کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کے لیے یہ کھانا تیار کیا گیا ہے تو ایسے کھانا پینا ہرگز نہ کھایا جائے اور نہ لیا جائے کیونکہ یہ مُردار چیز کی طرح منع ہے، اور ایسے عقیدہ کو اختیار کرنے سے شرک کا ڈر ہے۔

(2) ایصالِ ثواب مقصود ہو: اور اگر بھیجنے والے کی نیت اللہ تعالیٰ کے نام نیاز ہو اور ایصالِ ثواب مقصود ہو تو اس کھانے میں کوئی حرمت نہیں ہے، البتہ اس شخص کا خاص اسی دن کھانا تیار کرنا اور اسی دن تقسیم کا اہتمام کرنا بدعت ہے۔

(3) بھیجنے والے کا عقیدہ معلوم نہ ہو: اور اگر اس قسم کے کھانے پینے کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ کس عقیدے سے تیار کیا گیا ہے تب اس کو صریح حرام تو نہیں کہیں گے لیکن احتیاط کے خلاف ضرور کہا جائے گا۔**(840)**

- **ماہ ربیع الاول میں جھنڈیاں لگانا**

سوال: ماہ ربیع الاول میں جھنڈیاں لگانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں اس روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: بعض لوگ جشنِ میلاد النبی کے موقع پر جھنڈے لگانے کے ثبوت کے لیے اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے نصب کیے گئے ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا کعبہ کی چھت پر، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوگئی۔

علامہ سیوطی نے اس روایت کو منکر کہا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنی اس کتاب میں اس سے زیادہ منکر روایت کوئی بھی بیان نہیں کی۔**(841)**

- **12 ربیع الاول کا روزہ**

سوال: لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیدائش کے دن روزہ رکھا ہے اس لیے تاریخ پیدائش 12 ربیع الاول کو روزہ رکھنا مستحب یا مسنون ہے۔ اس کی حقیقت بیان کریں۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ولادت پیر کے روز ہوئی جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح بعض

روایات میں پیر کے دن روزہ رکھنے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی کہ پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی ہے۔اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے، تاریخ پیدائش کے دن نہیں رکھا کرتے تھے۔اب بہت سے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ پیدائش اور یوم پیدائش میں فرق نہیں کر پاتے جس کے نتیجے میں غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں، واضح رہے کہ تاریخ پیدائش اور یوم پیدائش میں واضح فرق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ پیدائش کو روزہ رکھنا احادیث ثابت نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، یوم پیدائش کے دن روزہ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے جو کہ پیر کا دن۔(842)

- **مخصوص طریقوں پر مخصوص عبادتیں**

بعض لوگ ربیع الاول میں مخصوص عبادتیں مخصوص طریقوں پر کرتے ہیں اور ان کے مخصوص فوائد اور فضائل بھی بیان کرتے ہیں، تو واضح رہے کہ ماہ ربیع الاول میں کوئی خاص نماز، روزہ یا کوئی خاص عمل سنت سے ثابت نہیں، جیسا کہ بعض دوسرے مہینوں (مثلاً رمضان وغیرہ) میں بعض اعمال مسنون ہیں۔

- **مروجہ جشن عید میلاد النبی**

سوال: کیا 12 ربیع الاول عید کا دن ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں لوگوں کے تہواروں (نیروز اور مہرجان) کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں ایک عید الاضحیٰ کا دن اور دوسرا عید الفطر کا دن۔(843) کسی مسلمان سے یہ مخفی نہیں کہ عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ اور عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو ہوتی ہے۔عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا متعین تاریخوں میں پایا جانا دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متواتر طریقہ پر چلا آ رہا ہے۔اگر 12 ربیع الاول کو ایک اجتماعی تیسری عید یا کسی اجتماعی عمل کا بھی وجود ہوتا تو یقیناً اس کا ثبوت بھی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی طرح ہوتا۔اس سے واضح ہوا کہ 12 ربیع الاول کو عید کا دن قرار دینا درست نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت اور یوم وفات کے ساتھ کوئی اجتماعی یا انفرادی شرعی عمل بھی وابستہ نہیں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا، آپ کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا اور مروجہ محفل میلاد دونوں ایک ہی چیز ہیں یا ان میں فرق ہے اگر فرق ہے تو ان میں کیا صحیح ہے کیا غلط؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ کرنا اور چیز ہے اور مروجہ جشن میلاد النبی اور چیز ہے، پہلی چیز پسندیدہ ہے، دوسری چیز (مروجہ جشن میلاد النبی) بدعت ہے۔(844)

سوال: مروجہ جشن میلاد النبی کیوں بدعت ہے؟

جواب: اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے 600 سال بعد تک کسی نے جشن میلاد النبی نہیں منایا، حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام نے کبھی میلاد کے نام پر محفل نہیں سجائی۔ **(845)**

سوال: جشن عید میلاد النبی کی ابتداء کب اور کس نے کی؟

جواب: 604ھ میں پہلی مرتبہ موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکبری بن اربل (م 630ھ) نامی بادشاہ نے میلاد منانے کا حکم دیا اور اس غرض کے لیے ایک مخصوص طرز کی محفل منعقد کی گئی اور وہ ایک فضول خرچ بادشاہ تھا۔ **(846)**

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت منانے کا تصور مسلمانوں میں کہاں سے آیا؟

جواب: یوم پیدائش منانے کا تصور ہمارے یہاں عیسائیوں سے آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش کرسمس کے نام سے 25 دسمبر کو منایا جاتا ہے، تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ کے حواریین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کردی اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منائیں گے۔ اس وقت بھی جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے، بس ہم اس دن جمع ہو جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے، ان کی تعلیمات کو یاد دلائیں گے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوگا، اس لیے کہ ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب 25 دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا، ایک پادری کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کر دیتا۔ اس کے بعد اجتماع برخواست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے، اس لیے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہیے تاکہ لوگوں کے لیے دل کش ہو اور اس کو دلچسپ بنانے کے لیے اس میں موسیقی ہونی چاہیے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، اس لیے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہیے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس میں شامل ہو گیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں چنانچہ ہنسی

مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے، چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا، اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا، موسیقی، شراب نوشی، قمار بازی جوا اور دنیا بھر کی ساری خرافات اب اس کرسمس میں شامل ہو گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پیچھے رہ گئیں۔

اب آپ دیکھ لیجیے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے، اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی۔ اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے حادثات نہیں ہوتے اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ اگر اس کو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہاں سے کہاں بات کو پہنچائے گا اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا جس طرح ''کرسمس'' کے ساتھ ہوا، اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کسی بادشاہ کے دل میں خیال آ گیا کہ جب عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضور اقدس ﷺ کا یوم پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہہ کر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کر دیا، شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا بیان ہوا اور کچھ نعتیں پڑھی گئیں لیکن اب آپ دیکھ لیں کہ کہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔ (847)

سوال: آج کل کے جشن عید میلاد النبی میں کیا کیا گناہ ہوتے ہیں اور کس طرح حضور ﷺ کی تعلیمات کی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں؟

جواب:

(1) مروجہ جشن عید میلاد النبی میں درج ذیل ناجائز اور خلاف شریعت کام ہوتے ہیں:

1) بے حرمتی: جھنڈیوں اور غباروں پر آپ ﷺ کا نام گرامی یا کلمہ طیبہ یا درود شریف لکھ کر لگائے جاتے ہیں (جن کی بے حرمتی ہوتی ہے)

2) من گھڑت باتیں: جھوٹی من گھڑت غیر مستند باتیں اور روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ (848)

3) اسراف: چراغاں کیا جاتا ہے، موم بتیاں جلائی جاتی ہیں۔ آتش بازی کی جاتی ہے۔

خواہش پرستوں کی ترغیب پر لوگوں کا اس پر کروڑوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ (849)

4) غیروں سے مشابہت: بازاروں کی سجاوٹ کی جاتی ہے، کرسمس اور سالگرہ کی طرح کیک کاٹے جاتے ہیں۔ (850/1)

نام نہاد مذہبی رہنما نئے کپڑے پہن کر، ہار گلے میں لٹکاتے ہیں۔

5) بے حیائی کے مظاہر: مردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔خواتین بھی نعت پڑھتی ہیں جسے نامحرم بھی سنتے ہیں۔(850/2)

ننگے سر بے پردہ عورتوں کی چوکوں پر میلاد خوانی کی جاتی ہے۔

اجتماعی شکل میں راگ وگانے کی طرز پر قصیدے واشعار پڑھے جاتے ہیں، جشن منایا جاتا ہے، رقص وبھنگڑا کیا جاتا ہے، ڈھول باجے بجائے جاتے ہیں۔(851/1)

6) شرکیہ اعمال: کعبے اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہیں بنا کر چوکوں، چوراہوں میں نصب کی جاتی ہیں، پھر ان کا طواف کیا جاتا ہے، عوام منتیں مانتے ہیں۔(851/2)

7) فرائض میں غفلت: سیرت کے جلسوں میں نمازیں قضا کی جاتی ہیں۔

8) دوسروں کو پریشان کرنا: راستے جام کیے جاتے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر پر چیخ چیخ کر معذوروں، بیماروں کو پریشان کیا جاتا ہے۔

جلوس نکالے جاتے ہیں، میلاد موٹر سائیکل ریلی نکالی جاتی ہے۔

9) نام ونمود دکھلاوا: اور سب کچھ کی ٹی وی، موبائل اور انٹرنیٹ پر نمائش وغیرہ کی جاتی ہے۔(851/3)

(2) اہم کو ترک کرنا:

مروجہ جشن عید میلاد النبی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات، قرآن وسنت کے وہ احکام جس کی امت کو ضرورت ہے اس کو چھوڑ کر صرف نعتیہ کلام شعر شاعری ہوتی ہے۔جبکہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے:

بَابُ مَا يُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْغَالِبَ عَلَى الإِنْسَانِ الشِّعْرُ ۔(851/4)

یہ باب اس بیان میں کہ انسان کے لیے اپنے اوپر شعروشاعری کو غالب کرنا مکروہ ہے۔

اس معلوم ہوا کہ محافل میں اور مجالس میں غالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ہونی چاہیے، نعتیہ کلام، نظم وغیرہ کم ہونے چاہیے حالانکہ مروجہ جشن عید میلاد النبی میں عام طور پر اس کے برخلاف ہوتا ہے۔(851/5)

آپ خود سوچیں!

(1) جشن عید میلاد نبی نیکی ہے ☐ یا برائی ☐ اگر برائی ہے تو آپ کیوں منارہے ہیں۔

(2) اگر نیکی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم تھا ☐ یا نہیں ☐ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم نہیں تھا تو آپ کو کیسے معلوم ہوا وحی کا سلسلہ تو ختم ہوگیا

(3) اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منایا یا صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین کی ❑ یا نہیں ❑ اگر منایا یا تلقین کی تو اس کا کہاں ذکر ہے۔

(4) اگر نہیں منایا تو کیا نعوذ باللہ، نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین پہنچانے میں خیانت کی؟ جبکہ یہ تو قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ، فَقَدْ كَذَبَ، وَاللهُ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ۔ (852)

جو شخص بھی تم سے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کچھ نازل کیا تھا، اس میں سے آپ نے کچھ چھپا لیا تھا، تو وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: کہ اے پیغمبر! جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیں۔

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

فصل:8

نمونۂ محبت

سوال: صحابہ رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کی کچھ مثالیں اور نمونے بیان کریں۔

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں، اور وہی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کا سب سے اولین مصداق اور نمونہ ہیں۔ اس سلسلہ میں چند واقعات ذکر کیے جائیں گے۔

(1) حضرت وائل رضی اللہ عنہ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا:

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اس حال میں کہ میرے سر کے بال لمبے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ دیوانگی ہے دیوانگی ہے۔ وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں واپس لوٹا اور اپنے لمبے بالوں کو کاٹ ڈالا۔ پھر اگلے روز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو فرمایا کہ بیشک میں نے تمہیں ان بالوں کی وجہ سے عیب نہیں لگایا تھا اور یہ بال جواب رکھے ہوئے ہیں زیادہ اچھے ہیں۔ **(853)**

ذباب کے معنی منحوس کے بھی ہیں اور بری چیز کے بھی، یہ اشاروں پر مرمٹنے کی بات ہے کہ مقصد سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی، یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد ہی فرمایا کہ تم کو نہیں کہا تھا مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے اس لیے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔ **(854)**

(2) حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی عادت اور خریم رضی اللہ عنہ کا بال کٹوا دینا:

قیس بن بشر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے جو حضرت ابوالدرداء کے ہم نشین تھے بتلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص دمشق میں تھے جن کو ابن الحنظلیہ کہا جاتا تھا وہ بڑے خلوت نشین تھے لوگوں میں بہت کم بیٹھتے تھے یا تو وہ نماز ہی میں ہوتے اس سے فارغ ہوتے تو تسبیح وتکبیر میں مشغول ہو جاتے تھے یہاں تک کہ اپنے گھر چلے آتے۔ ایک روز وہ ہمارے پاس سے گذرے تو ان سے حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کوئی ایسا کلمہ جو ہمیں نفع پہنچائے اور آپ کو کوئی نقصان نہ دے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خریم اسدی بہت عمدہ آدمی ہے اگر اس کے پٹھے لمبے نہ ہوئے اور وہ ازار نہ نیچے لٹکائے۔ پس یہ بات حضرت خریم رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انھوں نے فوراً چھری لے کر اپنے بڑھے ہوئے بالوں کو کانوں تک کاٹ دیا اور اپنے ازار کو آدھی پنڈلی تک اونچا کر دیا۔ **(855)**

(3) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا چادر کو جلا دینا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک گھاٹی سے نیچے اترے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف التفات فرمایا میرے اوپر ایک موٹی چادر تھی جو زرد رنگ میں رنگی ہوئی تھی، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسی چادر ہے تمہارے اوپر؟ پس میں نے آپ کی ناگواری کو پہچان لیا۔ میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا تو وہ تندور کو آگ سے بھڑکا رہے تھے پس میں نے وہ چادر اس میں پھینک دی پھر میں اگلے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ: تم نے اس چادر کا کیا کیا؟ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے بارے میں خبر دی فرمایا کہ تو نے اپنے گھر والوں میں سے کسی کو کیوں نہیں پہنادی۔ کیونکہ عورتوں کو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔(856)

اگرچہ چادر جلانے کی ضرورت نہ تھی مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری کی چوٹ لگی ہوئی ہو وہ اتنی سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہوسکتی ہے، ہاں جس کو دلی محبت نہ ہو وہ تو نامعلوم کتنے احتمالات پیدا کرلیتا کہ یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کرلوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہوسکتی ہے یا نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ہی تو ہے منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔(857)

(4) صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کا سرخ چادروں کو اتارنا

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے کجاووں اور اونٹوں پر دیکھا کہ سرخ اون کی سلایوں والے پالان ہیں اور کپڑے ہیں پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ سرخی تم پر غالب آگئی ہے پس ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے تیزی سے کھڑے ہوگئے حتی کے ہمارے بعض اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ہم نے وہ کپڑے لے کر اپنے اونٹوں سے ہٹا لیے۔(858)

(5) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم عورتوں کو رات کے وقت مساجد کی طرف نکلنے سے نہ روکو تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے نے عرض کیا کہ ہم تو ان کو نہیں جانے دیں گے کہیں وہ اس کو دھوکا وفریب کا ذریعہ نہ بنالیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے کو خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کرتا ہوں اور تو کہتا ہے ہم ان کو اجازت نہیں دیں گے۔ (اس کے بعد سے ہمیشہ کے لیے اپنے صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا)۔(859)

(6) حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کا خذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ایک نو عمر بھتیجا کنکریوں سے کھیل رہا تھا، انہوں نے دیکھا اور فرمایا کہ بھتیجے ایسا نہ کرو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں، نہ شکار ہوسکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے، اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے، بھتیجا کم عمر تھا، اس نے چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا، انہوں نے دیکھ لیا فرمایا کہ میں تجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سناتا ہوں تو پھر اسی کام کو کرتا ہے، خدا کی قسم تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔(860)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو اس کا تحمل نہ ہوسکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سنانے کے بعد بھی وہ بچہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے۔(861)

(7) انصاری کا مکان کو ڈھا دینا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے ایک بلند گنبد دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا فلاں انصاری صحابی کا ہے آپ خاموش ہو رہے اور دل ہی میں یہ بات رکھی یہاں تک کہ اس گنبد کے مالک آپ کے پاس آئے اور آپ کو لوگوں کے درمیان سلام کیا آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اس طرح کئی بار کیا حتی کہ وہ صاحب آپ کی ناراضگی اور اعراض کو سمجھ گئے تو انھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی شکایت کی اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں پھر وہ صحابی واپس گئے اور اپنے گنبد کو گرا دیا اور بالکل زمین کے برابر کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن پھر نکلے اس گنبد کی طرف تو اسے نہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ گنبد کے ساتھ کیا کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم سے گنبد کے مالک نے آپ کے اعراض کی شکایت کی تھی تو ہم نے اسے بتلا دیا تھا کہ چنانچہ اس نے اسے منہدم کردیا آپ نے فرمایا یاد رکھو ہر عمارت اپنے مالک کے لیے وبال ہے سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔(862)

یہ کمال محبت اور عشق کی باتیں ہیں ان حضرات کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ چہرۂ انور کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرانی کو محسوس کرے۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے قُبّہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آکر کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کے واسطے گرا دیا بلکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود ہی اتفاق سے ادھر کو تشریف لے جانا ہوتو ملاحظہ فرمایا۔(863)

(8) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سونے کی انگوٹھی پھینکنے کے بعد صحابی کا اسے واپس نہ اٹھانا

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ (کی انگلی) میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص آگ کا انگارہ اٹھاتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا: اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے کوئی فائدہ اٹھا لو (بیچ کر)۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں اسے کبھی نہیں اٹھاؤں گا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پھینک دیا ہے۔ (864/1)

(9) حضرت جثامہ کنانی رضی اللہ عنہ کا سونے کی کرسی سے نیچے اترنا

حضرت جثامہ کنانی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہرقل کے پاس قاصد بن کر گئے تھے وہ فرماتے ہیں میں ہرقل کے پاس جا کر بیٹھ گیا میں نے خیال نہیں کیا کہ میرے نیچے کیا ہے؟ میں کس چیز پر بیٹھ رہا ہوں؟ وہ سونے کی کرسی تھی، جب میں نے اسے دیکھا تو میں فوراً اٹھ کر نیچے بیٹھ گیا، تو ہرقل ہنس پڑا اور اس نے مجھ سے پوچھا ہم نے یہ کرسی تمہارے اکرام کے لیے رکھی تھی تم اس سے کیوں اٹھ گئے؟ میں نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس جیسی چیزوں سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ (864/2)

(10) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کہ نماز قصر قرآن میں نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں؟ انہوں نے فرمایا: کہ برادرزادہ اللہ جل شانہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا، ہم لوگ انجان تھے کچھ نہیں جانتے تھے بس جو ہم نے اس کو کرتے دیکھا وہ کریں گے۔ (865)

(11) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا سوال نہ کرنے کا عہد کرنا

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ مانگا۔ تو آپ نے دیا۔ میں نے پھر مانگا تو آپ نے دیا۔ پھر فرمایا کہ اے حکیم یہ مال سرسبز وشاداب اور میٹھا ہے، جو اس کو سخاوت نفس کے ساتھ لے۔ تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو لالچ کے ساتھ اس کو لے تو اس میں برکت نہیں رہتی اور اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے لیکن آسودہ نہیں ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم نے کہا میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا۔ میں آپ کے بعد کسی سے کچھ قبول نہیں کروں گا، یہاں تک کہ میں دنیا سے چلا جاؤں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو وظیفہ دینے کے لیے بلاتے، تو وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وظیفہ دینے کے لیے بلایا تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے مسلمانو کی جماعت میں تمہیں حکیم پر گواہ بناتا ہوں کہ میں اس مال میں سے حکیم کا حق اس کے سامنے پیش کر چکا ہوں، لیکن وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ چنانچہ حکیم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کے بعد کسی شخص سے کچھ بھی قبول نہ کیا یہاں تک کہ وفات پائی۔ (866)

(12) حضور ﷺ کے حکم کی وجہ سے عصر کی نماز قضا ہونے کے باوجود بنو قریظہ میں پہنچنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا جنگ خندق کے دن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں ہر کوئی نماز عصر بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے مگر نماز کا وقت راستہ ہی میں آ گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا ہم تو وہیں پہنچ کر نماز پڑھیں گے بعض نے کہا کہ ہم تو پڑھ لیتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نماز قضا کر دی جائے جب آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ ﷺ نے کسی سے کچھ نہیں فرمایا۔(867)

(13) غزوہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ کی بلاوے پر فوراً حاضر ہونا

حضور ﷺ نے جنگ حنین کے دن دیکھا کہ لوگ میدان چھوڑ کر جا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس درخت کے نیچے بیعت ہونے والوں کو آواز لگا کر بلاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آواز لگا تو صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عباس کی آواز سن کر ایسی تیزی سے مڑے جیسے گائے اپنے بچھڑے کی طرف پلٹتی ہے اور وہ سب یالبیکاہ یالبیکاہ۔ حاضر ہیں حاضر ہیں کہہ رہے تھے۔(868)

(14) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کا ارشاد سنتے ہی فوراً بیٹھ جانا

ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں سب بیٹھ جاؤ، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہیں مسجد سے باہر اسی جگہ بیٹھ گئے اور خطبہ ختم ہونے تک وہیں بیٹھے رہے، جب حضور ﷺ کو یہ پتہ چلا تو آپ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول (ﷺ) کی اطاعت کا شوق تمہیں اور زیادہ نصیب فرمائے۔(869)

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے آپ نے لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس وقت مسجد کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ یہ سنتے ہی وہیں بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! اندر آ جاؤ۔(870)

(15) حضور ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے اپنے غلام کو اپنا جیسا کھلانا، پہنانا

معرور بن سُوید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے جو جوڑا پہنا ہوا تھا ان کے غلام نے بھی اسی طرح کا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو گالی دی تو اس نے نبی کریم ﷺ سے میرا شکوہ کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم نے اسے ماں کی گالی دی ہے، پھر فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے قبضے میں دیا ہے۔ جس کا کوئی بھائی اس کے قبضے میں ہو تو اسے بھی وہی کھلائے جو خود کھاتا ہو اور اسے بھی وہی پہنائے

جو خود پہنتا ہو اور ان سے ایسا مشکل کام نہ لو جو وہ کر نہ سکیں۔ اگر انہیں کسی مشکل کام پر لگاؤ تو خود بھی ان کی مدد کرو۔(871)

(16) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی غزوات میں شرکت

تاریخی کی کتابوں میں ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں اور پیاسوں کو پانی پلا رہی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں ایک خنجر تھا جو آپ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ اور باقی مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے اٹھایا ہوا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ حنین والے دن حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ میں ایک خنجر لیے پھر رہی تھیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ اُم سلیم اپنے ہاتھوں میں خنجر اٹھائے گھوم رہی ہیں۔ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! میں نے خنجر اس لیے پکڑا ہوا کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب ہو تو میں اس خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ دوں۔ نبی کریم ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اے اُم سلیم! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کافی اور اچھی حفاظت کرنے والے ہیں۔(872)

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کے واقعات عبدالرحمن الکوثر)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

مشق

سوال1: حضور ﷺ سے محبت کے بارے میں قرآن واحادیث میں ہمیں کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

سوال2: حضور ﷺ سے محبت کرنے کے ثمرات اور فوائد بیان کریں۔

سوال3: محبت کے اسباب اور وجوہات کیا ہیں ان کی وضاحت کریں؟

سوال4: اسباب محبت کمال، جمال، نوال کی وضاحت کریں۔

سوال5: محبت کے تین اسباب (کمال، جمال، نوال/ احسانات) سب سے زیادہ کس ہستی میں پائے جاتے ہیں؟

سوال6: حضور ﷺ کے کمالات کی وضاحت کریں۔

سوال7: جو کمالات انسانوں اور نبیوں میں الگ الگ تھے حضور ﷺ کی ذات میں وہ سب یکجا طور پر موجود تھے اس کی وضاحت کریں۔

سوال8: وہ کون سے کمالات ہیں جو دنیا میں کسی نبی کے پاس نہیں تھے محمد الرسول اللہ ﷺ کے پاس تھے؟

سوال9: حضور ﷺ کو دیگر نبیاء پر جو ختم نبوت کی خصوصیت عطا فرمائی گئی تھی اس کی وضاحت کریں۔

سوال10: ختم نبوت کا معنیٰ ومطلب بیان کریں۔

سوال11: ختم نبوت کی اہمیت بیان کریں۔

سوال12: عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے مسلمانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ وضاحت کریں۔

سوال13: حضور ﷺ کی چوتھی خصوصیت دائمی معجزہ (قرآن کریم) کی وضاحت بیان کریں۔

سوال14: حضور ﷺ کو دیگر انبیاء پر جوامع الکلم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

سوال15: حضور ﷺ کو دیگر انبیاء پر رعب ونصرت کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

سوال16: حضور ﷺ کو دیگر انبیاء پر محبوبیت کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

سوال17: حضور ﷺ کو دیگر انبیاء پر رحمت عالم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

سوال18: حضور ﷺ کو دیگر انبیاء پر امان عالم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

سوال19: حضور ﷺ کو دیگر انبیاء پر خزائن عالم کی جو خصوصیت عطا کی گئی تھی اس کی تفصیل بیان کریں۔

سوال20: وہ کون سے کمالات ہیں جو آخرت میں کسی نبی کے پاس نہیں ہوں گے وہ محمد الرسول اللہ ﷺ کے پاس ہوں گے؟

سوال21: وہ کون سی خصوصیات ہیں جو کسی بھی نبی کی امت کو دنیا میں حاصل نہ تھیں وہ آپ ﷺ کی امت کو حاصل ہیں؟

سوال22: وہ کون سی خصوصیات ہیں جو کسی بھی نبی کی امت کو آخرت میں حاصل نہ ہوں گی وہ آپ ﷺ کی امت کو حاصل ہوں گی؟

سوال23: حضور ﷺ کے جمال اور حسن کی وضاحت کریں۔

سوال24: حضور ﷺ کے نوالات/ احسانات کی وضاحت کریں۔

سوال25: حضور ﷺ سے جس محبت کا مطالبہ ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟

سوال26: حضور ﷺ سے محبت کرنے کی کیا کیا علامات ہیں؟

سوال27: کیا گناہ گار کو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو سکتی ہے؟

سوال28: تحفظِ ناموسِ رسالت کی شرعی حیثیت اور اس کی حدود کیا ہیں؟

سوال29: اگر کوئی شخص یا حکومت شان رسالتؐ میں گستاخی کرتی ہے تو شرعاً اس کی سزا کیا ہے؟

سوال30: موجودہ دور میں اگر شرعی سزا کا نفاذ ناممکن ہو تو مسلمانوں کے لیے اس سے برأت اور بچاؤ کے لیے کیا حکم ہے اور وہ کیا طریقہ اختیار کریں؟

سوال31: کیا اس سلسلے میں احتجاج کرنا درست ہے؟

سوال32: ایسے لوگوں سے تجارتی تعلقات ختم کر لینا یا معاہدات ختم کر لینا شرعی رو سے جائز ہے نہیں؟

سوال33: اگر کسی کمپنی یا شخص کا اس توہین والے عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، محض ایک علاقائی یا لسانی تعلق ہو، اس بناء پر اس شخص یا کمیٹی کا بائیکاٹ کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا کیسا ہے؟

سوال34: حضور ﷺ سے محبت پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

سوال35: حضور ﷺ سے محبت کے اظہار کا کیا طریقہ ہے؟

سوال36: کیا ربیع الاول کے مہینے کی کوئی فضیلت صراحتاً قرآن وحدیث میں آئی ہے؟

سوال37: ماہ ربیع الاول کے آغاز کی خوشخبری سے متعلق عوام میں جو حدیث مشہور ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

سوال38: حضور ﷺ کی ولادت کس مہینہ اور کس دن ہوئی؟

سوال39: حضور ﷺ کی تاریخ ولادت میں محدثین، مؤرخین کی کیا کیا رائے ہیں اور راجح رائے کیا ہے؟

سوال40: کیا حضور ﷺ کی تاریخ وفات میں بھی مختلف رائے ہیں؟

سوال41: حضور ﷺ کی ولادت اور وفات کی تاریخ میں مختلف رائے کیوں ہوئیں؟

سوال42: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور وفات ایک ہی مہینہ میں ہوئی کیا اس میں کوئی حکمت تھی؟

سوال43: بعض لوگ ماہ ربیع الاول میں سبیلیں لگا کر دودھ یا شربت پلاتے ہیں، حلوہ، مٹھائی، چاول یا دیگر کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں اور اس کو بڑے اجر وثواب کا باعث سمجھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال44: ماہ ربیع الاول میں جھنڈیاں لگانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کے بارے میں ایک رویات نقل کرتے ہیں اس روایت کا کیا حکم ہے؟

سوال45: لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیدائش کے دن روزہ رکھا ہے اس لیے تاریخ پیدائش 12 ربیع الاول کو روزہ رکھنا مستحب یا مسنون ہے۔ اس کی حقیقت بیان کریں۔

سوال46: کیا 12 ربیع الاول عید کا دن ہے؟

سوال47: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا، آپ کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا اور مروجہ محفل میلاد دونوں ایک ہی چیز ہیں یا ان میں فرق ہے اگر فرق ہے تو ان میں کیا صحیح ہے کیا غلط؟

سوال48: مروجہ جشن میلاد النبی کیوں بدعت ہے؟

سوال49: جشن عید میلاد النبی کی ابتداء کب اور کس نے کی؟

سوال50: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت منانے کا تصور مسلمانوں میں کہاں سے آیا؟

سوال 51: آج کل کے جشن عید میلاد النبی میں کیا کیا گناہ ہوتے ہیں اور کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں؟

سوال52: صحابہ رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کی کچھ مثالیں اور نمونے بیان کریں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:6

چھٹا حق: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور پیغام کی مدد و نصرت کرنا

- ❑ ہمیں دین کی مدد اور نصرت کا حکم ہے
- ❑ دین کی مدد اور نصرت کی شکلیں اور طریقے
- ❑ دین کا دفاع اور نصرت کرنے والوں کے واقعات

المیزمرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

ہمیں دین کی مدد اور نصرت کا حکم ہے

سوال: حضور ﷺ کا امت پر جو چھٹا حق ہے ''حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین اور پیغام کی مدد و نصرت کرنا'' اس کی وضاحت کریں۔

جواب: قرآن کریم میں ہے:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فتح:9)

تاکہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔(اعراف:157)

چنانچہ جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائیں گے اس کی تعظیم کریں گے اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نور اتارا گیا ہے اس کے پیچھے چلیں گے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔

ایک اور آیت میں ہے:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔(حدید:25)

اور یہ اس لیے تاکہ اللہ جان لے کہ کون ہے جو اس کو دیکھے بغیر اس (کے دین) کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی رسول اللہ حضرت محمد ﷺ کی نصرت و حمایت کا عہد لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔(ال عمران:81)

اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔

اللہ کے فرشتے بھی رسول اللہ ﷺ کے رفیق و مددگار رہیں، جیسا کہ فرمایا گیا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۔(تحریم:4)

تو (یادرکھو کہ) ان کا ساتھی اللہ ہے اور جبرائیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور اس کے علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ قَالُوا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: لِلّٰهِ وَكِتَابِهِ وَرَسُولِهِ، وَأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ، وَعَامَّتِهِمْ ۔(873)

یقیناً دین خیرخواہی کا نام ہے، یقیناً دین خیرخواہی کا نام ہے، یقیناً دین خیرخواہی کا نام ہے لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کن کے لیے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مومنوں کے حاکموں کے لیے اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔

حضور ﷺ کی خیرخواہی کا تقاضہ ہے کہ آپ ﷺ کے دین کی حفاظت، نصرت اور دفاع کے لیے ہمہ وقت اپنی جان، مال، صلاحیتیں قربان کرنے کے لیے مستعد اور تیار رہنا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کی سنت کی نصرت وتائید کرنا، آپ پر نازل کردہ شریعت کا دفاع کرنا، اور آپ کی حیات مبارکہ کے وقت آپ پر اپنی جان ومال فدا کرنے کی غرض سے موجود ہونے کی تمنا کرنا آپ کی محبت (حقوق) میں سے ہے۔(874)

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی ﷺ کی محبت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی سنت، آپ کے دین کی حمایت وتائید، آپ پر نازل کردہ شریعت کا دفاع، اور اس کے مخالفوں کی سرکوبی شامل ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن النکر بھی اس میں داخل ہے۔(1/875)

● سیرت مصطفیٰ کا پیغام بھی یہی ہے کہ حضور ﷺ کے دین کی مدد ونصرت کی جائے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

اگر مسلمان صرف تجارت کے لیے پیدا کیے جا رہے تھے تو مکہ کے ان تاجروں کو جو شام ویمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور مدینہ کے ان بڑے یہودیوں، سوداگروں کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ اس خدمت کے لیے ایک نئی امت کیوں پیدا کی جا رہی ہے؟ اگر زراعت مقصود تھی تو مدینہ اور خیبر کے، طائف اور نجد کے، شام، یمن اور عراق کے کاشتکاروں اور زراعت پیشہ آبادی کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ کاشتکاری اور زراعت میں ہم محنت وکوشش کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھتے ہیں کہ جس کے لیے ایک نئی امت کی بعثت ہو رہی ہے؟ اگر دنیا کی چلتی ہوئی مشینری میں صرف فٹ ہونا تھا اور حکومتوں کے نظم ونسق اور دفتری کاروبار کو معاوضہ لے کر چلانا تھا

تو روم، ایران کے کار پردازانِ سلطنت کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لیے ہم بہت ہیں اور ہمارے بہت سے بھائی بیروزگار ہیں، اس کے لیے نئے امیدواروں کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن درحقیقت مسلمان بالکل ہی ایک نئے اور ایسے کام کے لیے پیدا کیے جا رہے تھے جو دنیا میں نہ کوئی اور انجام دے رہا تھا اور نہ دے سکتا تھا اور اس کے لیے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی چنانچہ فرمایا:

تم بہترین امت ہوں جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ (آل عمران:110)

اسی مقصد کی خاطر لوگ وطن چھوڑ کے بے وطن ہوئے، اپنے کاروبار کو نقصان پہنچایا، اپنی عمر کا اندوختہ لٹایا، اپنی جمی جمائی تجارتوں پر پانی پھیرا، اپنی کھیتی باڑی اور باغات کو ویران کیا، اپنے عیش و تنعم کو خیرباد کہا، دنیا کی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں سے آنکھیں بند کر لیں اور زریں موقعے کھو دیئے، پانی کی طرح اپنا خون بہایا اور اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ کیا۔

آج مسلمان جن مقاصد و مشاغل پر قانع نظر آتے ہیں ان کے لیے اس ہنگامہ آرائی اور اس محشر خیزی کی ضرورت نہ تھی، اس کے حصول کا راستہ تو بالکل بے خطر اور ہموار تھا، اگر مسلمان کو اسی سطح پر آ جانا تھا جس پر زمانہ بعثت کی تمام کافر قومیں تھیں اور اس وقت بھی دنیا کی تمام غیر مسلم آبادی ہے اور اگر اسے زندگی کے انہی مشاغل میں منہمک اور سر تا پا غرق ہو جانا تھا، جن میں اہل مغرب اور رومی و ایرانی ڈوبے ہوئے تھے اور انہی کامیابیوں کو اپنا انتہائے زندگی بنانا تھا جن کو ان کے پیغمبر ﷺ اس کے بہترین موقع پر رد کر چکے تھے تو یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ انسانوں کا وہ بیش قیمت خون جو بدر و احزاب اور قادسیہ و یرموک میں بہایا گیا، بے ضرورت بہایا گیا۔

آج اگر سرداران قریش کو کچھ بولنے کی طاقت ہو تو وہ مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جن چیزوں کے پیچھے سرگرداں ہو اور جن چیزوں کو تم نے اپنا حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے انہی چیزوں کو ہم گناہ گاروں نے تمہارے پیغمبر ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا، وہ تمام چیزیں خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حاصل ہو سکتی تھیں تو کیا ساری جدوجہد کا حاصل اور تمام قربانیوں کی قیمت وہ طرزِ زندگی ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے اور کیا ان کاوشوں کا بدلہ زندگی و اخلاق کی وہی سطح ہے جس پر تم نے قناعت کر لی؟ اگر ان سردارانِ قریش میں سے جو اسلام کے حریف تھے، کسی کو یہ جرح کرنے کا موقع ملے تو آج ہمارا کوئی بڑے سے بڑا لائق وکیل بھی اس کا تشفی بخش جواب نہیں دے سکتا اور امّت کے لیے اس پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے متعلق یہ خطرہ تھا کہ وہ دنیا میں پڑ کر اپنا اصل مقصد نہ بھول جائیں اور دنیا کی عام سطح پر نہ آ جائیں، آپ نے وفات کے قریب جو تقریر فرمائی اس میں مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

مجھے تمہارے بارے میں کچھ فقر و افلاس کا خطرہ نہیں ہے۔ مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں تم کو بھی

وہی کشائش نہ حاصل ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئی تو تم بھی اسی طرح اس میں حرص و مقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا، پھر تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائے جیسے ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی اصل شناخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عملی جدوجہد میں مشغول ہوں یا اس دعوت و عملی جدوجہد میں مشغول ہونے والوں کے لیے پشت پناہ اور مددگار رہوں، اس کے ساتھ عملی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق ہو۔ مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصودِ حیات نہیں ہو سکتا۔ سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سب سے بڑا پیغام ہے۔ جو خالص مسلمانوں کے نام ہے۔ (2/875)

دین کی مدد اور نصرت کی شکلیں اور طریقے

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مدد، نصرت اور دفاع کی شکلیں کیا کیا ہیں؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مدد اور نصرت کی بنیادی دو شکلیں ہیں:

(1) اشاعتِ دین (2) حفاظت اور دفاعِ دین

(1) اشاعتِ دین کی شکلیں

1) دعوت و تبلیغ

1. عملی دعوت: مسلمان دین کے احکام و اخلاق کے مطابق زندگی گزاریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں تو ان کی یہی بات بہت سے کافروں کے لیے اسلام میں رغبت کا باعث ہوگی۔

2. رفاہی کام: سماجی سرگرمیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا اہم حصہ ہے۔ دعوت دین کو مؤثر بنانے کا یہ ایک اہم گر ہے۔ اس قسم کی سرگرمیوں کی شکلیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

3. قولی دعوت: علاوہ ازیں وہ اگر کافروں کو اسلام کی دعوت دیں اور دین کی بنیادی اور موٹی موٹی باتیں بتائیں اور دین اسلام کی حقانیت کے کھلے کھلے دلائل سمجھائیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

4. عوامی دعوت: اگر علماء ہوں یا علماء تو بہت ہوں لیکن ان کی جانب سے دعوت کے کام میں کوتاہی ہو رہی ہو تو فکر مند علماء دعوت کے کام میں مسلمان عوام سے کام لے سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کام لینے والے علماء ہوں اور وہ جن سے کام لیں ان کی ضروری تعلیم و تربیت کریں اور ان کو اس بات کا پابند کریں کہ جتنی بات انہوں نے سیکھی ہے اسی کے دائرہ میں رہ کر دعوت کا کام اور دعوت کی بات کریں اور ادھر ادھر سے لی ہوئی باتوں کو از خود اختیار نہ کریں۔

کافروں کو اسلام کی دعوت دینے میں بھی مسلمان عوام کو ضروری تعلیم و تربیت کے بعد ان سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ (876)

عورتوں کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنا، اپنی ماتحتوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کی فکر کرنا

عورتوں کے کام سے متعلق موٹی موٹی باتیں یہ ہیں:

1. عورتوں پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے۔ جس کی آسان شکل یہ کہ تبلیغ میں وقت لگائیں، مستورات کی جماعتوں کو اپنے گھر/محلہ میں لائیں ان کی نصرت کریں۔

2. دین کی نشر و اشاعت میں مالی امداد کر سکتی ہیں۔

3. جن کے مرد دعوت کا کام کر رہے ہوں وہ اپنی طرف سے ان کو بے فکر رکھیں اور بچوں کی دیکھ بھال بھرپور طریقے سے کریں۔

4. ہفتہ یا مہینہ میں یا کسی خاص تقریب میں جب کچھ عورتیں جمع ہوں خواہ ایک خاندان کی ہوں یا متفرق ہوں کچھ دین کی بات کر سکتی ہیں یا کوئی معتبر کتاب مثلاً فضائل اعمال یا بہشتی زیور یا تحفہ خواتین وغیرہ میں سے کچھ پڑھ کر سنا سکتی ہیں۔ یا کسی اللہ والے کا بیان رکھ سکتی ہیں۔(877)

5. موقع محل کی مناسبت سے خود یا کسی معلمہ کا بندوبست کر کے اپنے یا کسی کے گھر، مکتب، مدرسہ میں ہمارے فہم دین شارٹ کورسز کروائیں۔ جیسے ماہ محرم الحرام میں ''فہم محرم کورس'' ماہ صفر المظفر میں ''فہم صفر کورس'' ماہ ربیع الاول میں ''سیرت کوئز'' ماہِ رجب المرجب میں ''شب برأت'' ماہ شعبان المعظم ''فہم رمضان، فہم زکوٰۃ کورسز'' ماہ شوال المکرم میں ''فہم حج'' ماہ ذی الحجہ میں ''فہم قربانی''۔ سردی گرمی کی چھٹیوں میں ''سمر کیمپ''۔

6. اپنے یا محلہ کے کسی گھر میں مکتب کھول کر بچیوں، خواتین کو قرآن کریم کی تعلیم دے سکتی ہیں۔

7. کسی قریبی خواتین کے مدرسہ میں اپنی خدمات پیش کر سکتی ہیں۔

2) وعظ و نصیحت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں، یہ سنت نبویہ ہے۔ اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصود کا، اصل مقصود تبلیغ ہی ہے۔(878)

3) تدریس و تعلیم

حضرت علقمہ بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جس میں بعض مسلمان قوموں کی تعریف فرمائی پھر ارشاد فرمایا:

> یہ کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنے پڑوسیوں میں نہ دین کی سمجھ پیدا کرتی ہیں نہ ان کو دین سکھاتی ہیں، نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں، نہ ان کو اچھی باتوں کا حکم کرتی ہیں اور نہ ان کو بری باتوں سے روکتی ہیں، اور کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنے پڑسیوں سے نہ علم سیکھتی ہیں نہ دین کی سمجھ حاصل کرتی ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتی ہیں، اللہ کی قسم یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں، ان کو نصیحت کریں، انہیں اچھی باتوں کا حکم کریں، بری باتوں سے روکیں، اور دوسرے لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، ان سے دین کی سمجھ حاصل کریں اور ان کی نصیحت قبول کریں، اگر ایسا نہ ہوا تو میں ان سب کو دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا۔(879)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرماتے ہیں، فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ بلوں میں چیونٹیاں اور سمندروں میں مچھلیاں دُعاءِ خیر کرتی ہیں اُس شخص کے لیے جو لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے۔ (880/1)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا ہے بَابٌ: **لِيُبَلِّغِ العِلْمَ الشَّاهِدُ الغَائِبَ** (جو لوگ موجود ہیں وہ غائب کو علم پہنچائیں) اس کے بعد فرمایا یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ دین کا علم سیکھانے کے لیے باقاعدہ دوسرے شہروں کا سفر بھی کیا کرتے تھے۔ جیسے رعل اور ذکوان میں 70 قراء شہید کر دیئے گئے۔ (880/2)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> اگر تم اس پر تلوار رکھ دو (اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا) اور مجھے گمان ہو کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایک کلمہ سنا ہے، گردن کٹنے سے پہلے بیان کر سکوں گا تو یقیناً میں اسے بیان کر ہی دوں گا۔ (881)

حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> جس کے پاس کچھ علم ہو اسے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کام میں لگ کر علم کو چھوڑ دے اور اپنے آپ کو ضائع کر دے۔ (882)

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا:

> تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی بھی حدیثیں ہوں، ان پر نظر کرو اور نہیں لکھ لو، کیونکہ مجھے علم دین کے مٹنے کا اندیشہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کی حدیث قبول نہ کرو اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور ایک جگہ جم کر بیٹھیں تا کہ جاہل بھی جان لے اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔ (883/1)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے بَابُ **تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ** (آدمی کا اپنی باندی (ماتحتوں) اور اپنے گھر والوں کو علم سیکھانا)، اسی طرح احادیث میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ تعلیم کو کسی خاص مقام یا جگہ میں محصور نہ کر رکھا تھا کہ اس کے علاوہ کسی اور مقام پر تعلیم نہ دیں بلکہ جہاں بھی موقع میسر آتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم دیتے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ تعلیم کو کسی مخصوص وقت میں محدود نہ کیا تھا کہ اس کے علاوہ دیگر اوقات میں لوگوں کو اپنے فیض سے محروم رکھتے ہوں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی مناسب موقع میسر آتا تعلیم دیتے حتی کہ رات اور رات کی کوئی گھڑی یا ساعت بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہ تھی سیرت طیبہ میں اس بارے میں متعدد شواہد موجود ہیں۔

نیز حضور ﷺ نے اپنی تعلیم کو کسی مخصوص طبقے یا کسی جماعت میں محصور نہیں فرمایا تھا آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ آپ کی تعلیم سے سے ہر شخص ہر طبقہ فائدہ اٹھائے۔

حضور ﷺ صحابہ کرام کو اور صحابہ کرام اپنی اولاد کو دین کا علم اس اہتمام سے سیکھایا کرتے تھے جس اہتمام سے آج کل دنیاوی تعلیم سیکھائی جاتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ کلمات اس طرح سیکھاتے تھے جیسے لکھنا سکھاتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ البُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ العُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَعَذَابِ القَبْرِ۔

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے، بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ عمر کے سب سے ذلیل حصے (بڑھاپے) میں پہنچا دیا جاؤں، اور تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کی آزمائش سے اور قبر کے عذاب سے۔(883/2)

اس کے بعد سعد بن ابی وقاص اپنے بچوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جیسے معلم بچوں کو لکھنا سکھاتا ہے۔(883/3)

4)تصنیف و تالیف

اگر اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور تصنیف و تالیف کا ملکہ دیا ہے تو موجودہ دور کی نفسیات کو سامنے رکھ کر لوگوں کی ضروریات کو دیکھ کر اس کے حوالے سے کتابیں لکھیں۔ اگر لکھنے کا ملکہ نہیں ہے تو جن جید اور قابل اعتماد علماء نے امت کی اصلاح اور مسائل کے حل کے لیے کتابیں لکھیں ہیں ان کو لوگوں میں تقسیم کریں۔ ان سے لوگوں کو متعارف کرائیں۔

(2) حفاظت اور دفاعِ دین

1)جہاد فی سبیل اللہ

2)اسلام کی برتری ثابت کرنا

تمام ادیان کے مقابلے میں اسلام کی فوقیت اور برتری کی ذہن سازی کرنا، اہل باطل (جدت پسند، ملحد، زندیق، اہل بدعت، مستشرقین، کفار، یہود و نصاریٰ) کے اسلام کے خلاف پھیلانے جانے والے پروپیگنڈہ، شکوک وشبہات کا جواب دینا، اپنوں کی دینی ذہن سازی کرنا۔

3)سیاست

جو اہل حق علماء اسلامی سیاست کے ذریعہ سے دین کی خدمت اور دین کا دفاع کررہے ہیں ان کا دست و بازو بن جائیں۔

طریقہ کار

مدد اور نصرت کی درج بالا شکلوں پر عمل پیرا ہونے کے چار طریقے ہیں:

(1) ان کاموں میں یا ان میں سے کسی ایک میں براہ راست خود لگنا، اپنی جان، مال، وقت، صلاحیتیں اور اپنے تعلقات استعمال کرنا۔

(2) کام کرنے والوں کا معاون، مددگار بننا جس طرح بھی ممکن ہو ان کی نصرت اور مدد کرنا۔

(3) کام کرنے والوں سے محبت کرنا، ان کے لیے دل میں خیر خواہانہ جذبہ رکھنا، کمزوریاں برداشت کرنا، حوصلہ افزائی کرنا، دعائیں کرنا، اچھے مشورے دینا۔ **(4/883)**

(4) کم از کم کام کرنے والوں سے بغض، نفرت، عداوت و دشمنی نہ کرنا، مقابلہ، حوصلہ شکنی نہ کرنا، کام کی نفی نہ کرنا رکاوٹیں پیدا نہ کرنا۔

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

دین کا دفاع اور نصرت کرنے والوں کے واقعات

سوال: دین کی مدد، نصرت اور دفاع کرنے کا نمونہ بیان کریں۔

جواب: ذیل میں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کچھ واقعات ذکر کریں گے جس سے معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح اپنی، جان، مال، وقت اور صلاحیتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین اور پیغام کی اشاعت اور دین کی حفاظت کی۔

● دین کے دفاع کے خاطر اپنی جان کی قربانی دینے والوں کے واقعات

(1) انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا راہ اللہ میں اپنی جان کو قربان کرنا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب سے پہلی جنگ جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشرکین سے کی ہے، میں اس میں شریک نہ تھا، اگر اللہ مجھے مشرکوں کی جنگ اب دکھا دے، تو بیشک اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دکھلا دے گا کہ میں کیا کیا کروں گا جب جنگ احد کا دن آیا اور مسلمانوں نے فرار کیا، تو انھوں نے کہا اے اللہ میں تجھ سے اس حرکت کی عذر خواہی کرتا ہوں جو ان مسلمانوں نے کی ہے اور میں تیرے سامنے بیزاری ظاہر کرتا ہوں، اس حرکت سے جو ان لوگوں نے کی ہے اور جب وہ آگے بڑھے، تو سعد بن معاذ ان سے ملے، انھوں نے کہا اے سعد قسم ہے نضر کے پروردگار کی جنت قریب ہے، مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے سعد کہا کرتے تھے، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگرچہ میں بھی عربی بہادر اور جانباز ہوں، لیکن انس نے جو کیا وہ میں نہیں کرسکتا، انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے چچا کو میدان جنگ میں اس طرح مقتول پایا کہ اسّی (80) سے کچھ اوپر زخم تلوار کے اور نیزوں اور تیر کے ان کے جسم پر آئے تھے اور مشرکوں نے ان کا مثلہ بھی کر دیا تھا (یعنی ان کے کان ناک وغیرہ کاٹ ڈالے تھے) اس سبب سے ان کی بہن کے سوائے کسی نے ان کو نہیں پہچانا، انھوں نے ان کو ان کی انگلیوں سے پہچان لیا، انس بن مالک کہتے تھے، ہمیں خیال ہوتا ہے کہ یہ آیت ان کے اور ان جیسے مسلمانوں کے لیے نازل ہوئی ہے، رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (الأحزاب: 23) (انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں۔ اور انھوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔) نیز انس کہتے ہیں کہ ان کی بہن نے جن کا نام ربیع تھا ایک عورت کے آگے والے دانت توڑ ڈالے تھے، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قصاص کا حکم دیدیا تھا، انس بن نضر نے کہا

کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قسم ہے اس کی جس نے حق کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا ہے، میری بہن کے دانت تو توڑے نہیں جاسکتے، اس کے بعد مدعی لوگ دیت پر راضی ہوگئے اور قصاص انھوں نے معاف کر دیا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو وہ اس کو پورا کرتا ہے۔(884)

(2) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچاتے ہوئے جان فدا ہونے پر حرام رضی اللہ عنہ کی خوشی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (حرام بن ملحان) ام سلیم کے بھائی (یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماموں) کو ستر سواروں کے ساتھ بنی عامر کے پاس بھیجا وجہ یہ ہوئی کہ مشرکوں کے سردار عامر بن طفیل نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تین باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا تھا اس نے کہا یا تو یہ ہونا چاہیے کہ گنوار اور دیہاتیوں پر آپ حکومت کریں اور شہر والوں پر میں حکومت کروں یا میں آپ کا خلیفہ یعنی جانشین بنوں یا پھر میں دو ہزار غطفانی لشکر سے آپ پر چڑھائی کروں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے لیے بددعا فرمائی اور کہا: اے اللہ! تو مجھے عامر کے شر سے بچانا! چنانچہ اس دعا کے بعد عامر ایک عورت ام فلاں کے گھر طاعون میں مبتلا ہو گیا اور کہنے لگا کہ فلاں خاندان کے گھر کے یہاں اونٹ کے غدود کی طرح میرے بھی غدود نکل آیا پھر اس نے کہا میرا گھوڑا لاؤ جب گھوڑا آیا تو وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی مر گیا، حرام بن ملحان ایک لنگڑے آدمی اور ایک اور آدمی کے ساتھ عامر کے پاس گئے حرام نے ان دونوں سے کہا تم دونوں میرے قریب ہی رہنا پہلے میں ان کے پاس جاتا ہوں اگر کافروں نے مجھے امن دے دیا تو تم ٹھہرے رہنا اور اگر مار ڈالیں تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا چنانچہ حرام نے کافروں سے جا کر کہا کیا تم مجھ کو امن دیتے ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک حدیث تمہارے سامنے بیان کروں آخر حرام حدیث بیان کرنے لگے ان لوگوں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے آکر حرام کے ایک نیزہ مارا (ہمام راوی کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اسحاق نے اس طرح کہا کہ وہ نیزہ ان کے آر پار نکل گیا) نیزہ لگتے ہی حرام نے کہا اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں اپنی مراد کو پہنچ گیا (اس کے بعد شہید ہو گئے)۔(885)

(5) براء رضی اللہ عنہ کا دشمن کے باغ کا اندر سے دروازہ کھولنے کی خاطر اس میں پھینکے جانے کا مطالبہ:

معرکہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں نے باغ میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس صورتِ حال میں حضرت براء رضی اللہ عنہ نے آواز دی: اے مسلمانو! مجھے ان پر باغ میں ڈال دو۔ لوگوں نے کہا: اے براء! ایسے نہ کرو۔ انہوں نے جواب میں کہا: اللہ کی قسم! تم مجھے ضرور باغ میں ان پر پھینکو گے۔ انہیں اٹھایا گیا یہاں تک کہ وہ دیوار پھلانگ کر باغ کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے باغ کے دروازے تک پہنچے اور اس مسلمانوں کے لیے کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمانوں نے باغ کے اندر داخل ہو کر ان سے جنگ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کذاب کو ان کے ہاتھوں ہلاک کر دیا۔(886)

(6) معرکہ یرموک میں چارسو مسلمانوں کی موت پر بیعت:

معرکہ یرموک میں چار سو سچے محب دین حق کے دفاع اور کلمۃ اللہ کی سربلندی اور فتنہ فساد کی سرکوبی کی خاطر موت پر بیعت کرتے ہیں۔عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بہت سے مقامات پر (ڈرٹ کر) لڑائی کی۔ اور اب تمہارے (کافروں) مقابلے میں راہ فرار اختیار کروں؟ چار سو سرکردہ مسلمانوں اور سواروں نے ان کے چچا حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور سمیت ان کی بیعت کی۔ پھر انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے ثابت قدمی اور استقلال سے دشمن کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ سب زخمی ہو کر گر پڑے۔ اور ان میں کتنے حضرات نے وہیں اپنی جانوں کو نچھاور کر دیا۔**(887)**

(7) اسلامی لشکر کے لیے بڑے قلعے کا دروازہ کھولنے کی غرض سے زبیر رضی اللہ عنہ کا اوپر چڑھنا:

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فتح (مصر) میں تاخیر ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کے لیے پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر انہوں نے کبوتروں والے بازار کی جانب سے قلعے کے ساتھ سیڑھی لگائی اور قلعے کے اوپر چڑھ گئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب وہ ان کی تکبیر سنیں تو اس کے جواب میں وہ بھی (اللہ اکبر) کہیں۔ یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قلعے کی دیوار کے اوپر ہاتھ میں تلوار تھامے اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں میں جوش پیدا ہوا اور وہ اتنی بڑی تعداد میں قلعے کی دیوار پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی طرف لپکے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو انہیں روکنا پڑا کہ کہیں سیڑھی ان کی کثرت کی وجہ سے ٹوٹ نہ جائے۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قلعے کے اندر داخل ہو کر بیک زبان نعرہ تکبیر بلند کیا اور قلعے کے باہر والوں نے بھی سن کے جواب میں نعرہ تکبیر بلند کیا تو اہل قلعہ کو یقین ہو گیا کہ سارے مسلمان قلعے کے اندر گھس چکے ہیں اور انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قلعے کے دروازے کی طرف بڑھے اور اس کو اندر سے کھول دیا۔ اور مسلمان قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔**(888)**

(8) نعمان بن مقرّن کی اپنی شہادت کے ساتھ مسلمانوں کی فتح کی دعا:

جب معرکہ نہاوند میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور سچا محب دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شہادت کے ساتھ مسلمانوں کو فتح دے۔ حافظ ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ: جب معرکہ نہاوند میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں قتل ہو گیا تو کوئی میری طرف پلٹ کر نہ دیکھے اور میں ایک دعا کرنے لگا ہوں، تم میری اس دعا پر آمین کہنا۔ پھر انہوں نے دعا کی: **اللهم ارزقني الشهادة بنصر المسلمين** (اے میرے اللہ! میری شہادت کے ساتھ مسلمانوں میں سب سے پہلے قتل کیے گئے۔ اور ایک دوسری روایت میں کہ انہوں نے کہا: اے میرے اللہ! اپنے دین کو سربلند فرما۔ اپنے بندوں کی مدد فرما۔ اور اپنے دین کی سرفرازی اور بندوں کی نصرت کے لیے نعمان کو پہلا شہید بنا۔**(889)**

(9) راہ اللہ عزوجل میں جانیں فدا کرنے کی خاطر مسلمانوں کا اشتیاق:

● حضرت عباس بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے (بیعت کو پختہ اور مستحکم کرنے کی غرض سے) کہا اے گروہ خزرج تم کو معلوم بھی ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو، یہ سمجھ لو کہ عرب اور عجم سے جنگ کرنے پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر آئندہ چل کر مصائب وشدائد سے گھبرا کر چھوڑ دینے کا خیال ہو تو ابھی سے چھوڑ دو اس وقت گھبرا کر چھوڑنا خدا کی قسم دنیا اور آخرت میں رسوائی کا سبب ہوگا۔ اور اگر تم آئندہ کے شدائد ومصائب کا تحمل کر سکتے ہو اور اپنی جان اور مال پر کھیل کر اپنے عہد اور وعدہ پر قائم رہ سکتے ہو تو واللہ اس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی خیر اور بہبودی ہے۔ سب نے کہا ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں، آپ کے لیے جان مال سے ہم کو دریغ نہیں، مصائب سے ڈر کر خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ **(890/1)**

● غزوہ بدر کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ حالات تشویشناک ہیں اب کیا کرنا ہے؟ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جانثاری کی وہ باتیں فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے ایک ایسی بات سنی کہ اگر وہ بات میری زبان سے ادا ہو جاتی تو میرے لیے کسی بھی چیز کے مقابلے میں زیادہ عزیز ہوتی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مشرکین پر بددعا کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ جاؤ، تم اور تمہارا رب ان سے جنگ کرو، بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے جمع ہو کر لڑیں گے۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمکنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ **(890/2)**

اسی طرح سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت اور جاں نثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد ومیثاق دے چکے ہیں۔ یا رسول اللہ آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرما دی جو منشاء مبارک ہو اس پر چلیے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہے تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا فرمائیں اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور اگر آپ ہم کو برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کودنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم دشمنوں کے مقابلہ کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے

صابر اور مقابلہ کے سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی پس اللہ کے نام پر ہم کو لے کر چلیے۔ (890/3)

- حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے شاہ اسکندریہ مقوقس کے سامنے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سچے دعوے داروں کے ان جذبات صادقہ کا اظہار کیا جو کہ وہ فتنہ کی سرکوبی اور دین حق کی سربلندی کی خاطر اپنی جانوں کو نچھاور کرنے کے بارے میں رکھتے تھے وہ فرماتے ہیں: ہم میں سے ہر ایک صبح وشام اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شہادت نصیب فرمائے، اور اس کو اس کے وطن اور اہل وعیال کی طرف واپس نہ پلٹائے، ہم میں سے کسی کی بھی منزل پیچھے نہیں، ہم سب تو اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکے ہیں، اور ہماری منزل تو آگے ہے۔ (890/4)

• دین کے دفاع کے لیے اپنی ضرورت، کام اور وقت کی قربانی دینے والوں کے واقعات

(1) غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنی ضروریات اور کام کاج کا چھوڑنا:

حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستے سے مدینہ کو آ رہا ہے۔ اس خبر پر 5 رجب 9 ہجری پنجشنبہ کو نبی اکرم ﷺ اس کے مقابلہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مقابلہ بھی سخت تھا اس لیے حضور اقدس ﷺ نے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ روم کے بادشاہ سے مقابلہ کے لیے چلنا ہے تیاری کر لی جائے اور حضور ﷺ نے خود اس کے لیے چندہ فرمانا شروع کیا۔ یہی لڑائی ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب اُن سے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا تو فرمایا کہ اُن کے لیے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مہیا فرمایا اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا اس کے باوجود چونکہ عام طور سے تنگی تھی اس لیے دس دس آدمی ایک اُونٹ پر تھے کہ نوبت نوبت اس پر سوار ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام جیشُ العُسرۃ (تنگی کا لشکر) بھی تھا۔ یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا تھی اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زور پر تھا کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے اور کھجور ہی پر مدینہ طیبہ والوں کی زندگی کا زیادہ دارومدار تھا کہ سال بھر کی روزی جمع کرنے کا گویا یہی زمانہ تھا۔ ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضور ﷺ کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی اور دوسری جانب یہ ساری دقتیں چھوڑ جانا جتنا مشکل تھا وہ ظاہر ہے مگر اس سب کے باوجود اللہ کا خوف ان حضرات پر غالب تھا۔ اس لیے بجز مُنافقین اور مَعذورین جن میں عورتیں اور بچے بھی داخل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیبہ میں چھوڑے گئے یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کی وجہ

سے روتے ہوئے رہ گئے تھے جن کے بارے میں آیت تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ نازل ہوئی اور سب ہی حضرات ہم رکاب تھے البتہ تین حضرات بلا عذر کے شریک نہیں تھے۔ راستہ میں قوم ثمود کی بستی پر گذر ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے دامن سے اپنے چہرۂ انور کو ڈھانک لیا اور اونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو اور ظالموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گذرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گذرو کہ تم پر بھی خدانخواستہ وہ عذاب کہیں نازل نہ ہو جائے جو اُن پر نازل ہوا تھا۔(891)

(2) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رحلتِ رسول کریم ﷺ اور حالات کی سنگینی کے باوجود جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنا:

رسول کریم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انتہائی سنگین اور کٹھن حالات کا سامنا کرنا پڑا، قبائل عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے مرکز اسلام مدینہ طیبہ پر حملہ کا ارادہ کیا، بقول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس وقت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی بکریوں کی مانند تھے جن کا چرواہا نہ رہا ہو اور مدینہ طیبہ اپنے باسیوں پر اس قدر تنگ ہو چکا تھا جس طرح انگوٹھی اپنے پہننے والے کی انگلی میں تنگ ہو جاتی ہے۔

ایسے نازک اور مشکل حالات میں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ روانہ کرنے کا معاملہ سامنے آیا، اس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے دور رومیوں کے علاقے میں ان سے جہاد کرنے کے لیے تیار کیا لیکن آنحضرت ﷺ کی شدید بیماری اور پھر انتقال کی وجہ سے یہ لشکر کوچ نہ کر سکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دوسرے دن کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ اسامہ کے لشکر کو پورا کیا جائے۔ اسامہ کے لشکر کے سارے فوجی شہر سے نکل کر اپنی لشکر گاہ میں پہنچ جائیں۔

اور جب خطرناک صورحال کے پیش نظر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے لشکر سمیت مدینہ طیبہ میں رہنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے حضرت اسامہ کو لکھا:

میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کے علاوہ کسی بھی اور کام سے اپنے امور خلافت کا آغاز کرنا مناسب نہیں سمجھتا، کسی اور کام سے ابتداء کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کہ مجھے پرندے اچک لیں۔

جب لشکر اسامہ کو روکنے کے لیے حضرت ابوبکر کے سامنے یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ رسول اللہ کی وفات کی خبر سن کر قبائل عرب مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیں گے تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا:

جس لشکر کو رسول اللہ نے روانہ فرمایا میں اس کو روک دوں! آپ نے بڑی جسارت کی ہے، میرے نزدیک قبائل عرب کا حملہ آور ہونا رسول اللہ کے بھیجے ہوئے لشکر کے روکنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔(892)

(3) سنگین حالات کے باوجود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوٰہ اور مرتدین کے خلاف جہاد:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب وفات پائی اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے اپنا جان و مال بچا لے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان و مال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوٰۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لیے کشادہ کر دیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔(893)

• دین کے دفاع کے لیے اپنے مال کی قربانی دینے والوں کے واقعات

(1) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت اپنا سارا مال خرچ کرنا

حضرت اسماء فرماتی ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت ابو بکر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے تو حضرت ابو بکر نے اپنے ساتھ اپنا سارا مال پانچ ہزار یا چھ ہزار درہم جتنا بھی تھا سارا لے لیا اور لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے گیے، پھر ہمارے دادا حضرت ابو قحافہ ہمارے گھر آئے ان کی بینائی جا چکی تھی، انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میرے خیال میں تو ابو بکر تم لوگوں کو جانے کے صدمہ کے ساتھ مال کا صدمہ بھی پہنچا گئے ہیں یعنی خود تو وہ گئے ہی ہیں میرا خیال یہ ہے کہ وہ مال بھی سارا لے گیے ہیں اور تمہارے لیے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ میں نے کہا دادا جان! ہرگز نہیں وہ تو ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر گیے ہیں۔(894)

(2) حضرت عثمان بن عفان کا اپنا مال خرچ کرنا

حضرت عبدالرحمن بن خباب سُلَمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا اور جیشِ عسر (غزوۂ تبوک میں جانے والے لشکر) پر خرچ کرنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا کجاوے اور پالان سمیت سو اونٹ میرے ذمہ ہیں یعنی میں دوں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے ایک سیڑھی نیچے تشریف لائے اور پھر (خرچ کرنے کی) ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کجاوے اور پالان سمیت اور سو اونٹ میرے ذمہ ہیں۔ حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اتنا زیادہ خرچ کرنے پر بہت خوش ہیں اور خوشی کی وجہ سے) ہاتھ کو ایسے ہلا رہے ہیں جیسے تعجب و حیرانی میں انسان ہلایا کرتا ہے۔ اس موقع پر عبدالصمد راوی نے سمجھانے کے لیے اپنا ہاتھ باہر نکال

کر ہلا کر دکھایا اور حضور ﷺ فرما رہے تھے اگر اتنا زیادہ خرچ کرنے کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کوئی بھی (نفل) عمل کرے تو ان کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بیہقی کی رواتی میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تین مرتبہ ترغیب دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کجاوے اور پالان سمیت تین سو اونٹ اپنے ذمہ لیے اور حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضور ﷺ منبر پر یہ فرما رہے تھے اتنا خرچ کرنے کے بعد فرمایا آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا کسی گناہ سے نقصان نہیں ہوگا۔

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور اقدس ﷺ جیش عُسرہ (یعنی غزوۂ تبوک کے لشکر) کو تیار کر رہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس ایک ہزار دینار لے کر آئے اور لا کر حضور ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ حضور ﷺ ان دیناروں کو الٹتے پلٹتے جا رہے تھے اور یہ کہتے جا رہے تھے آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی (گناہ صغیرہ یا خلاف اولی) کام کریں گے تو اس سے ان کا نقصان نہیں ہوگا یہ بات آپ نے کئی مرتبہ فرمائی۔

حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جیش عُسرۂ کی مدد کرنے کے لیے پیغام بھیجا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینا حضور ﷺ کے پاس بھیجے۔ لانے والے نے وہ دینار حضور ﷺ کے سامنے ڈال دیئے۔ حضور ﷺ اپنے سامنے ان دیناروں کو اوپر نیچے اُلٹنے پلٹنے لگے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرنے لگے۔ اے عثمان رضی اللہ عنہ! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور جو گناہ تم نے چُھپ کر کیے اور علی الاِعلان کیے اور جو تم نے مخفی رکھے اور جو گناہ تم سے قیامت تک ہوں گے اللہ ان سب کو معاف فرمائے۔ اس عمل کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کوئی بھی نیک عمل نہ کریں تو کوئی پرواہ نہیں۔ (انسان جب مرتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہوجاتی ہے۔ اس لیے مطلب یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے مرتے دم تک جتنے گناہ ہوں اللہ انہیں معاف کرے)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو جَیشِ عُسرہ کی تیاری کے لیے سامان دیا اور سات سو اُوقیہ سونا لا کر دیا اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں ہزار سواریاں دیں جن میں پچاس گھوڑے تھے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں غزوۂ تبوک میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ساڑھے نو سو اونٹنیا اور پچاس گھوڑے دیئے تھے یا یہ کہا نو سو ستر اونٹنیاں اور تیس گھوڑے دیئے تھے۔ اور یہ پہلے گزر چکا کہ غزوۂ تبوک میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کو ان کی ضرورت کا سامان دیا تھا یہاں تک کہ کہا جاتا تھا کہ ایک تہائی لشکر کی ضرورت کی ہر چیز انہوں نے مہیا کی تھی۔ (895)

(3) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مال خرچ کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تھیں کہ انہوں نے مدینہ میں ایک شور سُنا انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عبدالرحمن بن عوف کا تجارتی قافلہ ملکِ شام سے ضرورت

کی ہر چیز لے کر آ رہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس قافلہ میں) سات سو اونٹ تھے اور سارا مدینہ اس شور کی آواز سے گونج اُٹھا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ کہ عبدالرحمن بن عوف گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ بات حضرت عبدالرحمن بن عوف کو پہنچی تو انہوں نے کہا میں پوری کوشش کروں گا کہ میں جنت میں (قدموں پر) چل کر داخل ہوں اور یہ کہہ کر اپنا سارا قافلہ مع سارے سامانِ تجارت اور کجاووں کے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔ حضرت زُہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اپنا آدھا مال چار ہزار درہم اللہ کے راستے میں صدقہ کیے۔ پھر چالیس ہزار صدقہ کیے۔ پھر چالیس ہزار دینا صدقہ کیے۔ پھر پانچ سو گھوڑے اللہ کے راستے میں دیے۔ پھر ڈیڑھ ہزار اونٹ اللہ کے راستہ میں دیئے ان کا اکثر مال تجارت کے ذریعہ کمایا ہوا تھا۔ حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اپنا آدھا مال صدقہ کیا پھر بعد میں چالیس ہزار دینار صدقہ کیے پھر پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ صدقہ کیے ان کا اکثر مال تجارت کے ذریعہ کمایا ہوا تھا۔(896)

(4) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا مال خرچ کرنا

حضرت ابو حازِم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہم نے مدینہ میں کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ اس نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے زیادہ سواریاں اللہ کے راستہ میں دی ہوں۔ ایک مرتبہ دو دیہاتی آدمی مدینہ آ کر یہ سوال کرنے لگے کہ کون اللہ کے راستہ میں سواری دے گا؟ لوگوں نے ان کو حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا کہ وہ سواری کا انتظام کر دیں گے۔ وہ دونوں حضرت حکیم کے پاس ان کے گھر آ گئے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے پوچھا کہ وہ دونوں کیا چاہتے ہیں؟ جو وہ چاہتے تھے وہ انہوں نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا تم جلدی نہ کرو (کچھ دیر ٹھہرو) میں ابھی تم دونوں کے پاس باہر آتا ہوں (جب حضرت حکیم رضی اللہ عنہ باہر آئے تو) حضرت حکیم رضی اللہ عنہ وہ کپڑا پہنے ہوئے تھے جو مصر سے لایا گیا تھا اور جال کی طرح پتلا اور سستا تھا اور اس کی قیمت چار درہم تھی۔ ہاتھ میں لاٹھی پکڑی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ ان کے غلام بھی باہر آئے (اور دونوں دیہاتیوں کو لے کر بازار کی طرف چل دیے) چلتے چلتے جب وہ کسی کوڑے کرکٹ کے پاس سے گزرتے اور اس میں ان کو کپڑے کا کوئی ایسا ٹکڑا نظر آتا جو اللہ کے راستہ میں دیئے جانے والے اونٹوں کے سامان کی مرمت میں کام آ سکتا ہو تو اسے اپنی لاٹھی کے کنارے سے اُٹھاتے اور اسے جھاڑتے پھر اپنے غلاموں سے کہتے اونٹوں کے سامان کی مرمت کے لیے اسے رکھ لو۔ حضرت حکیم اس طرح ایک کپڑا اٹھا رہے تھے کہ ان میں سے ایک دیہاتی نے اپنے ساتھی سے کہا تیرا ناس ہو۔ ان سے ہماری جان چھڑواؤ۔ اللہ کی قسم! ان کے پاس تو صرف کوڑے سے اٹھائے ہوئے چیتھڑے ہی ہیں (یہ ہمیں سواری کے جانور کیسے دے سکیں گے؟) اس کے ساتھی نے

کہا ارے میاں! جلدی نہ کرو۔ ابھی ذرا اور دیکھتے ہیں۔ پھر حضرت حکیم ان دونوں کو بازار لے گئے۔ وہاں انہوں دو موٹی تازی، خوب بڑی اور گابھن اونٹنیاں نظر آئیں انہوں نے ان دونوں کو خریدا اور ان کا سامان بھی خریدا۔ پھر اپنے غلاموں سے کہا جس سامان کی ضرورت ہو اس کی مرمت کپڑے کے ان ٹکڑوں سے کرلو۔ پھر دونوں اونٹنیوں پر کھانا، گندم اور چربی رکھ دی اور ان دونوں دیہاتیوں کو خرچہ بھی دیا۔ پھر ان کو وہ دونوں اونٹنیاں دے دیں (جب اتنا کچھ حضرت حکیم نے دیا تو) ایک دیہاتی نے اپنے ساتھی سے کہا میں نے آج ان سے بہتر (سخی) کوئی کپڑے کے ٹکڑے اُٹھانے والا نہیں دیکھا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ساٹھ ہزار میں بیچا۔ لوگوں نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم! حضرت معاویہ نے (سستا خرید کر) آپ کو قیمت میں نقصان پہنچایا ہے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا (کوئی بات نہیں) اللہ کی قسم! میں نے بھی یہ گھر زمانہ جاہلیت میں صرف ایک مَشک شراب میں (سستے داموں) خریدا تھا (اس حساب سے مجھے تو بہت زیادہ قیمت مل گئی ہے) میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ اس کی ساری قیمت اللہ کے راستہ میں مسکینوں کی امداد میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں ہی خرچ ہوگی۔ اب بتاؤ ہم دونوں میں سے کون گھاٹے میں رہا؟ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے وہ گھر ایک لاکھ میں بیچا تھا۔ (897)

(5) دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مال خرچ کرنا

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی ایک زمین دوسو اونٹنیوں کے بدلہ میں بیچی۔ پھر ان میں سے سو اونٹنیاں اللہ کے راستہ میں جانے والوں کو دے دیں اور ان کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ لوگ وادیٔ قُرای سے گزرنے سے پہلے ان میں سے کوئی بھی اونٹنی نہ بیچیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک سو اُوقیہ یعنی چار ہزار درہم دیئے۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وَسق (تقریباً پونے پانچ سو من) کھجور دی

حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ مال لا کر دیا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹنی اللہ کے راستہ میں دی تھی اور حضرت قَیس بن سَلَع انصاری رضی اللہ عنہ نے جہاد میں بہت سا مال خرچ کیا تھا۔ (898)

(6) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مال خرچ کرنا

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی کہ جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے تو ساری ازواج مطہرات اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں تاکہ پتہ چلے کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم سب میں سے زیادہ لمبے ہاتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرتی اور صدقہ خیرات دیتی تھیں۔ (899)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زینب سوت کاتا کرتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکروں کو دے دیا کرتیں، وہ اس سوت سے سیا کرتے اور اپنے سفر میں دوسرے کاموں میں لاتے۔(900)

• دین کے دفاع کے لیے اپنے تعلقات کی قربانی دینے والوں کے واقعات

(1) حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا غزوۂ بدر میں اپنے والد کو قتل کرنا

حضرت ابن شوذب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جنگ بدر کے دن حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے والد اُن کے سامنے آتے یہ ان کے سامنے سے ہٹ جاتے لیکن جب ان کے والد بار بار ان کے سامنے آئے تو انھوں نے بھی ان کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا اور آخر انھیں قتل کر ہی دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ۔ (مجادلۃ:22)

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔

(2) دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا اپنے والد کے ساتھ واقعہ

حضرت مالک بن عمیر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت بھی دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا: میں نے دشمن کے لشکر کا مقابلہ کیا، اس لشکر میں میرا باپ بھی تھا۔ میں نے اس سے آپ کے بارے میں بڑی سخت بات سنی، مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ پھر ایک اور آدمی نے آکر عرض کیا کہ لڑائی میں میرا باپ میرے سامنے آگیا تھا، لیکن میں نے اسے چھوڑ دیا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ کوئی اور اسے قتل کرے۔ یہ سن کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔

(3) عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنے والد کو قتل کرنے کی اجازت مانگنا

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن اُبی منافق ایک قلعہ کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا: ابنِ ابی کبشہ (ابو کبشہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نانا کی کنیت ہے، یا حضرت حلیمہ سعدیہ کے خاوند کی کنیت ہے، اس لیے ابنِ ابی کبشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں) نے ہمارے اوپر گرد وغبار ڈال دیا ہے۔ اس پر اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بزرگی عطا فرمائی ہے! اگر آپ چاہیں تو میں اس کا سر آپ کی خدمت میں لے آؤں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم اپنے باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرو اور اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آو۔

(4) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے کو جواب

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے (بعد میں اپنے والد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے جنگِ اُحد کے دن آپ کو دیکھ لیا تھا، لیکن میں نے آپ سے اپنا منہ پھیر لیا تھا۔ (باپ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن اگر میں تمھیں دیکھ لیتا تو میں تم سے منہ نہ پھیرتا (بلکہ اللہ کا دشمن سمجھ کر قتل کر دیتا، اس وقت تک حضرت عبدالرحمن مسلمان نہ ہوئے تھے)۔

(5) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے ماموں کو قتل کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے چچا زاد کو قتل کرنا

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے دل میں کچھ ہے۔ میرے خیال میں تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے تمہارے باپ (عاص) کو قتل کیا ہے۔ اگر میں نے اسے قتل کیا ہوتا تو میں اس پر تمہارے سامنے کوئی معذرت پیش نہ کرتا۔ میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ میں تمہارے والد کے پاس سے گزرا تھا وہ (زخمی ہو کر زمین پر پڑا ہوا تھا اور) زمین پر ایسے سر مار رہا تھا جیسے (غصہ میں آکر) بیل زمین پر سینگ مارتا ہے۔ بہرحال میں اس سے کترا کر آگے چلا گیا اور اسے اس کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے۔

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ اسے قتل کر دیتے تو (ٹھیک تھا، کیوں کہ) آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کی یہ بات بہت اچھی لگی۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(6) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جنگِ بدر کے دن قتل ہونے والے کافروں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو گھسیٹ کر کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ چناں چہ انھیں اس کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے (اس کنوئیں کے کنارے پر) کھڑے ہو کر فرمایا: اے کنوئیں والو! کیا تم نے اپنے ربّ کے وعدے کو سچا پایا؟ مجھ سے تو میرے ربّ نے جو وعدہ کیا تھا میں نے تو اسے سچا پایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مردہ لوگوں سے بات کر رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اب ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان کے ربّ نے ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا۔ جب حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ نے دیکھا کہ ان کے والد کو گھسیٹ کر کنوئیں میں ڈالا جا رہا ہے تو حضور ﷺ نے ان کے چہرے میں ناگواری کے اثرات محسوس کیے اور فرمایا: اے ابوحذیفہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنے والد کے متعلق جو منظر دیکھا ہے اس سے تمھیں ناگواری ہو رہی ہے۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ سردار تھا، مجھے اُمید تھی کہ اللہ تعالیٰ

اسے ضرور اسلام کی ہدایت دیں گے، لیکن جب اس کا انجام یہ ہوا (کہ کفر پر ذلت کے ساتھ مارا گیا) تو مجھے اس کا رنج ہو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہؓ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

(7) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا اپنے بھائی کو مضبوط باندھنے کا مشورہ دینا

حضرت ایوب بن نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی حضرت ابو عزیز بن عمیر جنگِ بدر کے دن قید ہوئے تھے، اور یہ حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئے تھے۔ تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضرت محرز رضی اللہ عنہ سے کہا: اسے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑے رکھنا کیوں کہ اس کی ماں مکہ میں رہتی ہے اور وہ بہت مال دار ہے۔ اس پر حضرت ابو عزیز نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے بھائی! تم میرے بارے میں یہ تاکید کر رہے ہو؟ حضرت مصعب نے کہا: محرز میرا بھائی ہے، تم نہیں ہو۔ چناں چہ ان کی والدہ نے ان کے فدیہ میں چار ہزار بھیجے۔

(8) ام المؤمنین ام حبیبہ کا اپنے والد ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رویہ

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قریش کی بدعہدی کی وجہ سے) مکہ پر چڑھائی کرنا چاہتے تھے۔ ان دنوں حضرت ابو سفیان بن حربؓ مدینہ منورہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح حدیبیہ کی مدت بڑھانے کی بات کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ حضرت ابو سفیان وہاں سے کھڑے ہو کر اپنی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمّ حبیبہ نے اسے لپیٹ دیا۔ اس پر انھوں نے کہا: اے بٹیا! کیا تم مجھے اس بستر کے قابل نہیں سمجھتی ہو، یا اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھتی ہو؟ انھوں نے کہا: یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک انسان ہیں (آپ اس بستر کے قابل نہیں ہیں)۔ حضرت ابو سفیان نے کہا: اے بٹیا! میرے بعد تمہارے اخلاق بگڑ گئے ہیں۔

(9) بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ دیا: اللہ کی قسم! جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے وہ میری نہیں ہے۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ فلاں آدمی جو میرا قریبی رشتہ دار ہے وہ میرے حوالہ کر دیں میں اس کی گردن اُڑا دوں، اور عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیں وہ عقیل کی گردن اُڑا دیں، اور فلاں آدمی جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں یعنی حضرت عباسؓ وہ حضرت حمزہ کے حوالہ کر دیں حضرت حمزہ ان کی گردن اُڑا دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے بارے میں کسی قسم کی نرمی نہیں ہے۔ (901)

مشق

سوال 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت پر جو چھٹا حق ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور پیغام کی مدد و نصرت کرنا" اس کی وضاحت کریں۔

سوال 2: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مدد، نصرت اور دفاع کی شکلیں کیا کیا ہیں؟

سوال 3: دین کی مدد، نصرت اور دفاع کرنے کا نمونہ بیان کریں۔

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

حوالہ جات

حوالہ جات

(1)(اصلاح انقلاب امت:73-68،حقوق الاسلام للتھانوی /معارف القرآن، مواعظ میلاد النبیﷺ:601، وعظ نقدالبیب فی عقدالحبیب، سبل الھدیٰ والرشاد، ج:11، جماع ابواب مایجب علی الأنام من حقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، نبی/محمد الرسول اللہ، نضرۃ النعیم، ابواب عامہ)

(2)(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، اسلام، فقرۃ:16-20)

(3)(مسلم، رقم:21، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، نبی، فقرۃ:27)

(4)(مسلم: باب وجوب الایمان برسالۃ النبیﷺ، رقم:153)

(5)(الدارقطنی فی الافراد، اتحاف الخیرۃ المھرۃ 111/1)

(6)(اشرف الجواب: تھانوی، حصہ اول عنوان:16، ص:53)

(7)(آئینہ قادیانیت : 27/1، تحفۂ قادیانیت: 500/4، اسلام میں خاتم النبیین کامفہوم)

(8)(مسلم، رقم:5963، بخاری، ترمذی)

(9)(مسلم، رقم:1167)

(10)(ترمذی، رقم:2272، مسند احمد، رقم:13824)

(11)(ابن ماجہ، فتنۃ الدجال، رقم:4074)

(12)(کنز العمال، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں، ازمولانا منظور احمد الحسینی)

(13)(رحمۃ للعالمین 213/2، قاضی سلمان منصور رحمہ اللہ)

(14)(ختم نبوت کامل: ص 304 حصہ سوم از مفتی محمد شفیع ومرقاۃ المفاتیح ج5 ص24)

(15)(بخاری، رقم:3609، مسلم، رقم:157)

(16)(ابوداؤد، رقم:4252، ترمذی، رقم:2219)

(17)(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں، آئینہ قادیانیت)

(18)(آئینہ قادیانیت از مولانا اللہ وسایا صاحب)

(19)(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں)

(20)(آئینہ قادیانیت)

(21)(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں)

(22)(الدر المختار : 515/1، محمودیہ: 133/3، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، الصلاۃ علی النبی، فقرۃ:3)

(23)(محمودیہ:3/133)

(24)(الترغیب والترھیب، اکثار الصلوٰۃ علی النبیﷺ:323/2)

(25)(ترمذی، رقم:2415)

(26)(ترمذی، رقم:467)

(27)(طبرانی، الترغیب والترھیب، اکثار الصلوٰۃ علی النبیﷺ:329/2)

(28)(ابوداؤد، ترمذی، رقم:469)

(29)(کوئیتیہ: صلاۃ علی النبی، فقرہ:؟)

(30)(مستدرک حاکم:17/4، شعب الایمان للبیھقی:134/3، بر الوالدین للبخاری، اخرجہ البخاری فی التاریخ الکبیر:7/22)

(31)(ترمذی، رقم:3546)

(32)(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ: الصلوٰۃ علی النبی، فقرہ:7)

(33)(فتاویٰ بینات:2/189)

(34)(باآدب بانصیب:50)

(35)(بخاری:2690)

(36)(بخاری:3507باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل)

(37)(مسلم:2017کتاب الاشربۃ، الترغیب والترھیب:91/3)

(38) (الاستیعاب: 126/1، الاصابۃ: 432/2، سیر اعلام النبلاء:2/406)

(39)(شمائل ترمذی:351باب ماجاء فی خلق رسول ﷺ)

(40)(ترمذی، رقم:3813مناقب زید بن حارثہ)

(41/1)(مسند بزار)

(41/2)(تفسیر درمنثور)

(41/3)(بخاری، رقم:3613)

(42)(ترتیب المدارک:1/68، خلاصۃ الوفا:1/51)

(43)(مدارج النبوۃ)

(44)(سورۃ النور:63، کویتیۃ، نبی، فقرۃ:31)

(45)(جامع الاحادیث للسیوطی:41213)

(46)(شرح مشکل الآثار:217/15، کشف الغمۃ للشعرانی)

(47)(باآدب بانصیب:49-48)

(48)(شمائل ترمذی)
(49)(سیر اعلام النبلاء: 2/17، عشرۃ النساء للنسائی: 1/29)
(50)(تفسیر ابن کثیر: 3/ 2 0 3، سورۃ النور، تاریخ الاسلام للذہبی: 2/276)
(51)(امتاع الاسماع: 624/14، خلاصۃ الوفاء: 166/1)
(52)(بخاری، رقم: 470 باب رفع الصوت فی المساجد)
(53)(خلاصۃ الوفاء: 126/1)
(54)(مصنف عبد الرزاق: 1/324)
(55)(جامع بیان العلم: 2/198)
(56)(جامع بیان العلم: 2/198)
(57)(مدارج النبوۃ: 543/1)
(58)(مقدمہ صحیح بخاری: 4)
(59)(الشفا: 45/2)
(60)(الشفا: 45/2)
(61)(الشفاء لقاضی عیاض: 46/2، باآدب بانصیب: 76)
(62)(الشفاء لقاضی عیاض: 43/2، باآدب بانصیب: 77)
(63)(مدارج البنوۃ: 1/541)
(64)(تاریخ بغدادی: 33/2)
(65)(تاریخ الاسلام للذہبی: 354/15)
(66)(الشفا: 46/2)
(67)(الشفا: 46/2)
(68)(الشفا: 46/2)
(69/1)(باادب بانصیب: 59)
(69/2)(ترتیب المدارک: 55/1، سبل الھدیٰ: 451/11)
(70)(الشفا للقاضی عیاض: 57/2)
(71)(الشفا للقاضی: 42/2، مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ: 226)
(72)(حلیۃ الاولیاء: 317/6، باادب بانصیب: 65)
(73)(عمر بن عبد العزیز: 199/4، باآداب بانصیب: 63)
(74/1)(ریاض الصالحین: 138/1، بحوالہ گلدستہ اہل بیت: 12)
(74/2)(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، محبت، 9 نبی/33)
(74/3)(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، فقرۃ: نبی: 33)
(75)(تقابل ادیان/مولانا یوسف خان: 163، 168)
(76)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 8، 47)
(77)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 8)
(78)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 37، 46، معیار حدیث، عیسیٰ شاہین: ص 6، 11، 28، سیرت النبی شبلی، ص: 54، 78، 85)
(79)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 53)

(80) احادیث کی تحریر و کتابت

عہد نبوی (11ھ تک) میں تحریر شدہ احادیث کی مقدار اور شکلیں

❑ تحریر کی مقدار

کل ذخیرہ احادیث جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کی تعداد 50 ہزار کے قریب ہے جن میں صحیح احادیث کی تعداد 5 ہزار کے قریب ہے، اور اس تعداد کا غالب حصہ عہد نبوی ہی میں تحریر ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث کی کتابت سو سال یا دو سو سال بعد ہوئی ہے۔

(تدوین، مناظر احسن گیلانی۔ ص: 51، 52، 55، 58، 69۔ شوق حدیث، سرفراز خان صفدر باب پنجم، ص: 37۔ خطبات مدراس، سید سلمان ندوی، ص: 55)

❑ تحریر کی شکلیں

(1) جو تحریر لکھ کر کسی کو دی: جیسے

1) فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم میں ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یمن کے ایک شخص (ابوشاہ یمنی) نے آ کر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھ کو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس شخص کے لیے وہ خطبہ قلمبند کیا جائے۔

(سیرت النبی شبلی، ص: 41/1۔ بخاری/کتاب العلم۔ شوق حدیث، سرفراز خان، ص: 112)

2) تمیم داری شام کے رہنے والے ایک عیسائی تھے، وہ مکہ آتے ہیں، اسلام قبول کرتے ہیں اور پھر اپنے قصے بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ ایک جہاز ران تھے بہت سے بحری سفر کر چکے تھے۔ جن کا تفصیل کے ساتھ ''صحیح مسلم'' میں ذکر آیا ہے۔ تمیم داری نے حضور اکرم ﷺ سے یہ کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کی فوج بہت جلد میرے وطن یعنی شام کو فتح کرے گی جب یہ ہو تو مجھے فلاں فلاں گاؤں بطور جاگیر مرحمت فرمائیں۔ تاریخی کتابوں کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ایک پروانہ لکھوایا اور اس کو دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر مرطوم، خبرون (اور چند گاؤں کے نام ہیں) وغیرہ فتح ہو جائیں تو تمیم داری کو دیے جائیں۔

(خطبات بہاولپور/ڈاکٹر محمد حمید اللہ:41)

3) سراقہ بن مالک کا واقعہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کیا۔ چاہا کہ آپ کو گرفتار کرلے اور قریش کے ہاتھ حضور کو بیچ دے۔ کیونکہ قریش نے اعلان کیا تھا کہ جو محمد کو گرفتار کرے گا اسے اتنا انعام دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس اثناء میں کئی معجزات بھی پیش آئے۔ کہتے ہیں کہ آخر میں سراقہ نے معافی چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کیا تو اس پر اس نے درخواست کی کہ مجھے پروانہ امن دیا جائے۔ ہمارے راوی بیان کرتے ہیں کہ اس ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوات قلم اور کاغذ بھی موجود تھا اور حضورؐ کے ہمراہیوں میں لکھنا پڑھنا جاننے والا ایک غلام بھی موجود تھا جس کا نام عامر بن فہیرہ تھا۔ چنانچہ اس کو حضور ﷺ نے املا کروایا، جس میں سراقہ بن مالک کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امن داور پناہ دینے کا ذکر تھا۔

(خطبات بہاولپور/ڈاکٹر محمد حمید اللہ:41)

(2) جو تحریریں لکھوا کر کسی کو بھجوائی: جیسے

1) خطوط وفرامین: 104 یا 105 تبلیغی خطوط لکھوا کر مختلف حکمرانوں کو بھجوائے، ان میں سے 6 آج اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں۔

(محاضرات سیرت 272)

- 1864 میں آپؐ کا ایک خط جو مقوقس شاہ مصر کے نام آپؐ نے بھیجا تھا، مصر میں ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب میں لگا ہوا ملا، اس کی عبارت بعینہ وہ تھی جو بخاری میں موجود ہے اور مہر میں نام کے وہی الفاظ اور شکل تحریر تھی جس طرح حدیثوں میں آئی ہے۔

یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے۔

(محاضرات سیرت محمود غازی 272/خطبات مدراس، سید سلمان ندوی، ص:69۔ شوق حدیث، سرفراز خان، ص:111)

2) معاہدات/امان نامے (تدوین، مناظر احسن گیلانی۔ص: 55)

- حضور ﷺ نے بہت سے قبائل سے جو مختلف معاہدات کیے جن کی تعداد چار ساڑھے چار سو کے قریب ہے وہ بھی لکھوائے گئے
- مثلاً میثاق مدینہ 52 دفعات پر مشتمل معاہدہ تھا جس کا حوالہ بخاری، ابوداؤد اور پورا متن سیرت ابن ہشام میں ہے۔

(محاضرات سیرت محمود غازی 273)

- حدیبیہ کا صلح نامہ (خطبات مدراس، سید سلمان ندوی، ص:51)

3) مسائل واحکام

- وائل بن حجر صحابی جب اپنے وطن حضر موت جانے لگے تو ان کو نماز، روزہ، سود، شراب اور دیگر کچھ احکام تحریر کروا کر دیے۔ (طبرانی صغیر۔ص:242)
- مختلف امراء کو زکوۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوۃ اور اس کی مختلف شرحیں لکھوا کر بھجوائیں جو پورے 2 صفحوں پر ہیں جو پہلے حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور پھر ابوبکر بن عمر بن حزم کے خاندان میں اور متعدد اشخاص (آل عمر) کے پاس موجود رہیں۔

(دارقطنی، کتاب الزکوۃ۔ اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 173)

- مختلف معاذؓ نے یمن سے آپ کو خط لکھ کر سبزیوں میں زکوۃ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں میں زکوۃ نہیں۔ (دارقطنی)
- حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صدقات کے متعلق حضور ﷺ کی تحریر کے متعلق ایک قاصد کو مدینہ بھیجا تو وہ تحریر عمرو ابن حزم کے خاندان میں مل گئی۔

(دارقطنی)

- زکوۃ وصول کرنے والوں کے پاس بھی تحریری ہدایات موجود تھیں۔ (دارقطنی ص:204، نصرۃ الحدیث، حبیب الرحمن اعظمی، ص:8)

- حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جوان کی تلوار کی نیام میں پڑا رہا، اس میں متعدد حدیثیں، متعلقہ احکام قلمبند تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا۔ (خطبات مدراس، سید سلمان ندوی، ص:50۔ اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:169۔ نصرۃ الحدیث، حبیب الرحمن اعظمی، ص:10)
- عمرو بن حزم کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میراث، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت ساری ہدایات تحریر کروا کر دیں۔
(کنز العمال، ص:3۔ نصرۃ الحدیث، حبیب الرحمن اعظمی، ص:9۔ اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:170)
- اہل یمن کو جو احکام آپ نے لکھ کر بھجوائے تھے ان میں یہ مسئلے تھے۔
1) قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے۔
2) غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔
3) طلاق نکاح سے پہلے نہیں دی جا سکتی۔ (نصرۃ الحدیث، حبیب الرحمن اعظمی، ص:9۔ سنن دارمی:293)
- عبداللہ بن حکیمؒ کے پاس حضور ﷺ کا خط پہنچا جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا۔ (طبرانی: معجم صغیر، نصرۃ الحدیث، حبیب الرحمن اعظمی، :9)
- مروان نے خطبہ میں کہا کہ مکہ مکرمہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحافی نے پکار کر کہا اور مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے، چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں۔ (مسند احمد بن حنبل، ص: 141/3)

(3) جو تحریر لکھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھی، وفات کے بعد سامنے آئی:

- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی تلوار کے قبضہ سے 2 تحریریں دستیاب ہوئیں جن میں لکھا تھا کہ سب سے بڑا نافرمان وہ شخص ہے جس نے اپنے مارنے والے کے علاوہ کسی اور کو مارا اور قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل کیا اور وہ شخص جس نے اپنی پرورش کرنے والے کے علاوہ دوسروں سے اپنے آپ کو منسوب کیا۔ (مستدرک حاکم، شوق حدیث، سرفراز خان صفدر، ص:114، عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوریؒ:181)

(4) عہد نبوی کا وہ سرمایہ جو صحابہ نے خود لکھا:

احادیث کا ذخیرہ جن صحابہؓ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے ان میں بعض صحابہ وہ ہیں جن کو مکثرین کہا جاتا ہے یعنی جن کی ہزار یا ہزار سے اوپر روایتیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام مکثرین صحابہؓ حضور ﷺ کی حدیثیں لکھتے تھے تو یہ کہنا صحیح ہوا کہ احادیث کا اکثر/کل ذخیرہ دور نبویؐ ہی میں تحریر میں آچکا تھا۔ (تدوین، مناظر احسن گیلانی۔ ص: 69)

نیز مکثرین صحابہؓ کے ان صحیفوں میں سے بعض دریافت بھی ہو چکے ہیں جن کے بعد اب اس بات کے انکار کی بالکل گنجائش نہیں رہی کہ دور نبویؐ ہی میں صحابہؓ حضور ﷺ کی حدیثوں کو لکھتے تھے۔

(محاضرات حدیث، محمود غازی، ص:277۔282۔ اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:196، 199، 213)

1) صحیفہ عبداللہ بن عمر:

- **نام صحیفہ: الصادقہ:** جن احادیث کو عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ نے حضورؐ سے سن کر قلمبند کیا ان کو وہ الصادقہ کہتے تھے۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:160)

وجہ تسمیہ: کیونکہ صادق مصدوق ﷺ کی احادیث کا مجموعہ تھا، اسی سے ان کا نام الصادقہ رکھا۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:160)

- **جامع:** عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:160)
- **تعداد:** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی جو مرویات امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد سات سو ہے۔ ان میں 17 احادیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں۔ ایک سو100 احادیث صرف بخاری میں ہیں، مسلم میں نہیں۔ اور بیس20 احادیث مسلم میں ہیں، بخاری میں نہیں۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:167، 159۔ محاضرات 269)
- **خصوصیت:** 1۔ حضورؐ کے حکم سے یہ مجموعہ مرتب ہوا۔
2۔ جامع عبداللہ بن عمرو قدیم الاسلام ہیں۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:163)

3۔ عبداللہ بن عمرو زبانی بھی یاد بھی کرتے تھے اور ہاتھ سے لکھتے بھی تھے (ابن عبدالبر/ابن حجر)
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:163)

• **ناقلین:** یہ مجموعہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے بعد ان کے صاحبزادے کے حصہ میں آیا، انھوں نے اپنے والد سے پڑھنے کے بعد اس کو روایت کرنے کی اجازت حاصل کی، وہ آگے اس کو بیان کیا کرتے تھے، ان کے بعد یہ مجموعہ ان کے پوتے شعیب کے حصہ میں آیا اور انہوں نے اپنے شاگردوں تک پہنچایا اور یوں یہ ذخیرہ امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی وغیرھم تک پہنچا اور انہوں نے اس کو اس طرح بیان کیا۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تب حدیث میں آپ نے یہ سند بار بار پڑھی ہوگی۔ مسند احمد بن حنبلؒ تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی، لہٰذا یہ کہنا کہ تیسری صدی ہجری میں لکھے جانے والے مجموعے لوگوں نے یادداشت سے سنی سنائی باتیں لکھ دیں، اس کا غلط ہونا ثابت ہو گیا کہ مسند امام احمد میں ایک ایسا ذخیرہ موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں لکھا گیا اور منتقل ہوتے ہوتے امام احمدؒ تک آ گیا، زبانی یادداشت بھی رہی، تحریری روایت بھی رہی، اجتماعی روایت بھی رہی، انفرادی روایت بھی رہی اور امام احمد بن حنبلؒ نے جوں کا توں شامل کر دیا۔ (محاضرات حدیث، محمود غازی: 269۔27)

2) صحیفہ ابو ہریرۃ

• **جامع حضرت ابو ہریرۃؓ:** حضرت ابو ہریرۃؓ کی خدمت میں ایک حدیث کا تذکرہ کیا گیا تو انھوں نے ایک طرح سے لاعلمی کا اظہار کیا (فائدہ)۔ میں (ابن ابی وہب) نے کہا یہ حدیث تو میں نے خود آپ سے سنی ہے، فرمایا اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس تحریری شکل میں یقیناً موجود ہوگی، چنانچہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گئے اور ہمیں احادیث نبویؐ کے بہت سے نوشتے دکھائے، تلاش کرنے پر وہ حدیث بھی مل گئی تو فرمایا۔ ''میں نے کہا تھا ناں! اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو یقیناً میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی (جامع بیان العلم، عوارف المنن :175، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی :56)

• **تعداد:** حضرت ابو ہریرۃؓ حدیث نبویؐ کے سب سے بڑے حافظ اور راوی ہیں، یقیناً ان کی احادیث کی کتابت کے لیے متعدد مجموعے درکار تھے جیسا کہ ابن وہب کی روایت سے واضح ہوتا ہے، کیونکہ ان کی روایت کردہ جو احادیث امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر 5374 ہے۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:175، 176، 177۔ تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی 56)

حضرت ابو ہریرۃؓ اپنی احادیث لکھا کرتے تھے، نیز ان کے شاگرد بھی لکھتے تھے، جیسے بشیر ابن نھیک فرماتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرۃؓ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا انہیں لکھ لیا کرتا تھا، جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا تو ان کی حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھ گیا اور آخر میں کہا، یہ وہ حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں، بولے، ہاں۔'' (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی 56، 57)

نیز ان کے ایک اور شاگرد ھمام ابن منبہ ہیں جو یمن کے امراء میں سے تھے، ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کی حدیثوں کو جمع کیا، جو صحیفہ ھمام ابن منبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تو وہ صحیفے تھے جن کا پتہ چل گیا ورنہ ابو ہریرۃؓ جن کے شاگردوں کی تعداد امام بخاریؒ نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ کتنوں نے اس کام کو کیا ہوگا، خود حضرت ابو ہریرۃؓ نے جب اپنے لیے صحیفہ تیار کیا تھا تو کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ ان کے شاگرد ایسا نہ کرتے۔
(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی 57)

اب حاصل ہوا یہ کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کی جو احادیث امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر 5374 ہے۔
اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ احادیث کو خود بھی لکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی لکھتے تھے، گویا یہ کہنا صحیح ہوا کہ پانچ ہزار سے اوپر احادیث دور نبویؐ میں ہی لکھی جا چکی تھیں۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:177)

• **خصوصیت:** 1) حضرت ابو ہریرۃؓ حدیث کے سب سے بڑے حافظ اور راوی ہیں۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، ص:176)
2) ابو ہریرۃؓ قوی الحافظہ تھے۔ (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی :37)
3) اور ان کے شاگردوں کی تعداد امام بخاریؒ نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے۔ (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی :57)
4) صحابی رسول حضرت ابو ہریرۃؓ کا مرتب کیا ہوا ایک مجموعہ ان کے شاگرد ھمام بن منبہ نے مرتب کیا تھا، وہ نسخہ دریافت ہوا۔
(محاضرات سیرت: ص 151۔ محاضرات حدیث: محمود غازی، ص:278)

5) حضرت ابو ہریرۃؓ اس مجموعہ سے روزانہ اپنی یادداشت کو چیک کیا کرتے تھے۔ (محاضرات حدیث: محمود غازی، ص: 270)

● **ناقلین:** حضرت ابو ہریرۃؓ کے شاگردوں کی تعداد امام بخاریؒ نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے جن میں بشیر بن نھیک، ہمام بن منبہ بہت معروف ہیں۔ (گویا یہ سارے کے سارے حضرات ابو ہریرۃؓ کی احادیث کے ناقلین ہیں۔) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 57)

3) صحیفہ انس

جامع: حضرت انس: حضرت سعید بن ہلال کا بیان ہے کہ ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک دستہ نکالتے تھے اور فرماتے، یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرتؐ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر حضورؐ پر پیش کر چکا ہوں۔ (مستدرک، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 59، 60)

تعداد: حضرت انسؓ کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی 1286 ہے (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 59) اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت انسؓ احادیث کو خود بھی لکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی لکھتے تھے، گویا یہ کہنا صحیح ہوا کہ 1286 احادیث حضورؐ کے دور میں لکھی جا چکی تھیں۔

● **خصوصیت:** 1) حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں۔ (خطبات مدراس: 53۔ تدوین حدیث: 59)

2) حضرت انسؓ نے اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کا مجموعہ آنحضرتؐ پر پیش کر کے ان کی توثیق بھی کرائی تھی۔

(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 60)

● **ناقلین:** 1) بیٹے: حضرت انسؓ اپنی اولاد سے جن کی ایک بڑی تعداد تھی، فرمایا کرتے تھے، میرے بچو! اس علم حدیث کو قلم بند کر لیا کرو۔

(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 59۔ خطبات مدراس، سید سلمان ندوی: 53)

2) ابان: حضرت انسؓ کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتوں کو قید تحریر میں لایا کرتے تھے۔

(خطبات مدراس، سید سلمان ندوی: 53)

4) صحیفہ جابر بن عبداللہ

● **جامع:** جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری المدنیؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس میں احادیث طیبہ مرقوم تھیں، اس کا تذکرہ امام بخاریؒ کی تاریخ کبیر جلد 186/4 میں حضرت قتادہؓ کے تذکرہ میں آیا ہے۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 178)

صحیح مسلم میں ان کے متعلق یہ روایت درج ہے کہ حج کے متعلق انھوں نے ایک کتاب جمع کی تھی۔ (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 60)

حضرت جابرؓ وہی ہیں جو آنحضرتؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "اپنے ہاتھ سے مدد لو۔" گویا وہ آنحضرتؐ کے اس ارشاد کی تعمیل کی خاطر اس صحیفہ کی تحریر کے لیے مستعد ہوئے تھے۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 179)

● **تعداد حدیث:** حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کردہ پندرہ سو چالیس 1540 احادیث امت تک پہنچی ہیں اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ احادیث کو خود بھی لکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی لکھتے تھے، گویا یہ کہنا صحیح ہوا کہ یہ 1540 احادیث بھی حضورؐ کے دور مبارک ہی میں لکھی جا چکی تھیں۔

(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 179)

● **خصوصیت:** 1) حضرت جابرؓ کا شمار کثیر الروایت صحابہ میں ہوتا ہے۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 179)

2) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک اور مجموعہ کتب خانہ سعید علی پاشا میں موجود ہے جس میں حج کے احکام لکھے ہوئے ہیں۔ (محاضرات حدیث، محمود غازی: 276)

● **ناقلین:** 1) حضرت جابرؓ وہب بن منبہؒ کو احادیث کا املاء کرایا کرتے تھے۔

(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 179۔ خطبات مدراس، سید سلمان ندوی: 52)

2) حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان یشکری نے تیار کیا تھا، ان سے حسن بصریؒ قتادہؒ روایت کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیفے اور کتاب کی روایت میں قتادہؒ اور حسن بصریؒ کے دور تک تسلسل رہا۔ (خطبات مدراس، سید سلمان ندوی: 52، عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 180)

5) صحیفہ رافع بن خدیج

● **جامع:** حضرت رافع بن خدیج ؓ حضور ﷺ کی اجازت سے حضور ﷺ کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن ,177 نصرۃ الحدیث، اعظمی:8)

● **تعداد:** حضرت رافع بن خدیج ؓ سے اٹھہتر 78 حدیثیں مروی ہیں، پانچ متفق علیہ اور تین افراد مسلم میں سے ہیں، اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ احادیث نبوی ؐ کا جو نوشتہ انہوں نے آنحضرت ؐ کے حکم سے مرتب کیا اس کی احادیث کی کم از کم تعداد اتنی تو ہوں گی۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 178)

6) صحیفہ سمرۃ بن جندب

● **جامع:** حضرت سمرۃ بن جندب ؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس میں حضور ؐ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثیں درج تھیں۔ (عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 178)

● **تعداد:** حضرت سمرۃ بن جندب ؓ سے ایک سو تیس 130 احادیث مروی ہیں۔ (ابوداؤد۔ اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 178)

● **ناقلین:** یہ مجموعہ حضرت سمرۃ بن جندب کے بعد ان کے صاحبزادے سلیمان کے حصہ میں آیا، انہوں نے اپنے والد سے پڑھنے کے بعد اس کو روایت کرنے کی اجازت حاصل کی، وہ آگے اس کو بیان کیا کرتے تھے، ان کے بعد یہ مجموعہ ان کے پوتے خبیب کے حصہ میں آیا، اس کے بعد انہوں نے اپنے شاگردوں تک پہنچایا، یوں یہ مجموعہ امام ابوداؤد تک پہنچا اور انہوں نے اس کو یوں بیان کیا۔ عن خبیب بن سلیمان عن ابیہ سلیمان بن سمرۃ عن سمرۃ بن جندب
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 178)

7) صحیفہ سعد بن عبادۃ

● **جامع:** حضرت سعد بن عبادۃ ؓ کے پاس بھی ایک مجموعہ تھا جس میں حضور ؐ سے سنی ہوئی حدیثیں تھیں۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 180)

● **خصوصیت:** یہ تحریر وغیرہ میں زمانہ جاہلیت ہی سے ماہر تھے۔ (ابوداؤد۔ اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 180)

● **ناقلین:** حضرت سعد ؓ کے پڑپوتے عمرو بن شرحبیل نے ان کے صحیفہ کو ان سے بلاواسطہ روایت کیا۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 180)

8) صحیفہ عبداللہ بن مسعود

● **جامع:** حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود ایک کتاب نکال کر لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ کتاب خود حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔
(جامع بیان العلم۔ شوق حدیث: 24)

● **خصوصیت:** حضرت عبداللہ بن مسعود فقیہ قدیم الاسلام اور سیرت و گفتار میں آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 175)

● **تعداد:** حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے ذریعے جو احادیث امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد آٹھ سو اڑتالیس 848 ہے، ان میں چونسٹھ 64 بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہیں، جس میں بیس 20 امام بخاری ؒ کی منفرد ہیں اور پچیس 25 صرف صحیح مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 175)

9) عہد نبوی میں دیگر صحابہ کے صحائف:

● حضرت رافع بن خدیج ؓ کے اس بیان (یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اِنَّا نَسمَعُ مِنکَ اَشْیَاءَ فَنَکْتُبُھَا، قَالَ اَکْتُبُوْا وَ لَا حَرَ جَ۔ یعنی یارسول اللہ ؐ! ہم آپ کی زبان سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لکھتے رہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔) سے معلوم ہوا کہ متعدد اشخاص کا دستور تھا کہ حدیثیں سن کر لکھ لیتے تھے۔ (نصرۃ الحدیث: اعظمی/8)

● حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کی اس روایت (کہ ہم رسول اللہ ؐ کے گرد کتابت میں مشغول تھے، اتنے میں رسول اللہ ؐ سے دریافت کیا گیا کہ ان دو شہروں میں سے پہلے کون سا فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا روم؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ ہرقل کا شہر'') سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو ؓ کتابت حدیث میں منفرد نہیں تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ کرام ؓ کی ایک مستقل جماعت احادیث لکھنے میں مشغول رہا کرتی تھی جس کے معنی یہ ہیں کہ دور نبوی ؐ میں ایک نہیں بلکہ احادیث کے متعدد مجموعے مدوّن کئے گئے تھے۔ (اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 167)

(81) عہد صحابہؓ (پہلی صدی کے آخر تک) میں احادیث کی تحریر کی شکلیں

(1) جو تحریر صحابہ نے صحابہ کو لکھ کر دی:

● ڈاکٹر مصطفی نے اپنے PHD کے انگریزی مقالہ میں تقریباً 50 صحابہؓ کے نام جمع کئے ہیں جنہوں نے دوسروں کو حدیث لکھ کر یا لکھوا کر دی۔
(اردو ترجمہ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن 182)

● ابو بکر صدیقؓ نے انس بن مالکؓ کو وہ تمام احکام جو زکوٰۃ کے بارے میں ہیں اور حضورؐ سے ثابت ہیں وہ سب لکھ کر دیئے۔ (محاضرات حدیث، محمود غازی: ص 276)

● حضرت ابن عباسؓ کا یہ حال تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غلام حضرت ابو رافعؓ کے پاس آتے اور سوال کرتے کے فلاں دن حضورؐ نے کیا کیا؟ اور حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ ایک شخص ہوتا جو ان کی ساری باتوں کو جنہیں حضرت ابو رافعؓ بیان کرتے لکھتا جاتا۔

حضرت ابو رافعؓ کی اہلیہ حضرت سلمٰیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا کہ ان کے پاس تختیاں تھیں جس پر حضرت ابو رافع کی بیان کردہ روایتوں کو لکھا کرتے تھے جو حضورؐ کے افعال کے متعلق حضرت ابو رافع بیان کرتے تھے اور یہی حضرت سلمٰیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ حضرت ابو رافعؓ سے آنحضرتؐ کے کارنامے لکھا کرتے۔ (شوق حدیث، سرفراز خان صفدر: 121)

(2) تحریر صحابہ نے صحابہ کو لکھوا کر بھجوائی:

حضرت امیر معاویہؓ (متوفی 60 ہجری) نے حضرت مغیرہؓ کو لکھا کہ وہ دعا جو (اکثر) حضورؐ نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے مجھے لکھ کر بھیجو تو انہوں نے جواب میں لکھا حضورؐ یہ دعا پڑھتے تھے۔ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علیٰ کل شیءقدیر۔ اللھم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت و لا ینفع ذا الجد منک الجد۔** اور اس میں آتا ہے کہ یہ بھی لکھ کر بھیجا کہ آنحضرتؐ نے قیل وقال، کثرت سوال، اضاعت مال اور ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور خود نہ دینے اور دوسرے سے مانگنے سے منع فرمایا ہے۔ (شوق حدیث: سرفراز خان صفدر/ 122)

(3) جو تحریر صحابہ نے تابعین کو لکھ کر دی

● حضرت عمرؓ نے عقبہ بن فرقدؒ (جو ایک تابعی ہیں) کو بعض سنتیں لکھ کر دیں۔ (محاضرات حدیث: 276، شوق حدیث: 177)

● ایک دن کوفہ میں حضرت علیؓ خطبہ دے رہے تھے اسی خطبہ میں آپؓ نے فرمایا کہ ایک درہم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے حارث اعور ایک درہم کے کاغذ خرید لائے اور ان کاغذوں کو لیے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت علیؓ نے حارث کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم لکھ دیا۔
(شوق حدیث: 117)

● حضرت ابن عباس نے نجدہ نامی خارجی کے سوالات کے جوابات احادیث کی روشنی میں تحریر کر کے دیے۔
(عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوریؒ: 183، خطبات مدراس: 52، نصرۃ الحدیث: 13-12)

(4) جو تحریر صحابہ نے تابعین کو لکھوا کر بھجوائی

● حضرت عروۃ بن الزبیرؓ نے (م: 94ھ) غزوہ بدر کا مفصل حال لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا۔ (شوق حدیث: 124)

(5) جو تحریر تابعین نے صحابہ کی زندگی میں خود لکھی

● پھر صحابہؓ ہی کی زندگی میں تابعین نے ان کی تمام مرویات واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر ایک ایک کے دروازے پر جا کر جوان، عورت مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا۔

1: ابان، 2: سعید بن جبیر، 3: رجاء ابن حیوۃ، 4: بشیر بن نھیک، 5: عنزۃ بن عبدالرحمن، 6: ہشام بن عروہ، 7: عبداللہ بن محمد عقیل وغیرہؒ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا۔ (خطبات مدراس/ 47، 54)

1: ابان (تابعی) حضرت انسؓ کے پاس بیٹھے ہوئے ساگون کی تختیوں پر حدیثیں لکھتے رہتے تھے۔
(نصرۃ الحدیث/ 13، عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوریؒ/ 189)

2: حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابن عباسؓ کے پاس حدیثیں لکھتے رہتے تھے بلکہ سنن دارمی میں یہ بھی ہے کہ کاغذ بھر جاتا تھا تو کسی دوسری ہی چیز پر لکھ لیتے تھے۔
(نصرۃ الحدیث/13،عوارف المنن مقدمہ معارف السنن،علامہ محمد یوسف بنوریؒ/187)

● حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات کو روایتیں سنتا تھا تو پالان پر لکھتا صبح کو پھر ان کو صاف کر کے لکھ لیتا تھا۔ (شوق حدیث/124،نصرۃ الحدیث/127)

3: رجاء ابن حیوۃ کا بیان ہے کہ ہشام ابن عبدالملک نے اپنے عامل کو مجھ سے ایک حدیث دریافت کرنے کے لیے لکھا، اگر وہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی تو میں اس کو بھول ہی چکا تھا۔ (نصرۃ الحدیث/15)

4: امام دارمیؒ اپنی سند سے بشیر بن نھیک سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے جو احادیث سنتا تھا انہیں قلم بند کر لیتا تھا، جب میں ان کے پاس سے رخصت ہونا چاہا تو ان کی کتاب لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے پڑھ کر عرض کیا کہ یہ احادیث میں نے آپ سے سنی ہیں! انہوں نے فرمایا: ہاں!۔ (عوارف المنن مقدمہ معارف السنن،علامہ محمد یوسف بنوریؒ/192)

5: امام دارمیؒ اپنی مسند میں عنزہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے احادیث بیان فرمائیں تو میں نے عرض کیا کہ انہیں آپ کی جانب سے لکھ لوں؟ انہوں نے قدرے توقف کے بعد مجھے اس کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (عوارف المنن مقدمہ معارف السنن،علامہ محمد یوسف بنوریؒ/192)

6: ابن جریجؒ کا بیان ہے کہ میں ہشام بن عروۃ کے پاس ایک کتاب لے کر پہنچا اور کہا یہ آپ کی روایتیں ہیں ان کو میں بیان کروں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! ہشام بن عروۃ حضرت عائشہؓ کے بھانجے کے بیٹے تھے، حضرت عائشہؓ سے بہت سی روایات عروۃ بن زبیرؓ کرتے ہیں، ان کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ترکی کے شہید علی کتب خانہ میں موجود ہے۔ (نصرۃ الحدیث/16،محاضرات حدیث/282)

7: عبداللہ بن محمد بن عقیل کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت جابرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کو پوچھتے تھے اور لکھتے تھے۔
(نصرۃ الحدیث/13)

8: براء بن عازب صحابیؓ کے پاس لوگ (تابعین) بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے۔
(خطبات مدراس/53،نصرت الحدیث/13،عوارف المنن مقدمہ معارف السنن،علامہ محمد یوسف بنوریؒ/189،شوق حدیث/120)

(6) جو تحریر تابعین نے صحابہ کے بعد ان کی کتابوں سے لکھی

● حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو خط (بحرین کے سربراہ) المنذر بن ساوی کو بھیجا تھا وہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں میں پایا اور میں نے وہ لکھ لیا، اس خط میں دینی وملکی باتوں کا ذکر ہے۔ (زاد المعاد:61/31 شوق حدیث/121)

● الغرض تحریر سے تحریر پھیلتی چلی گئی یہاں تک کہ دور تدوین شروع ہوا۔

(82) (عوارف المنن مقدمہ معارف السنن،علامہ محمد یوسف بنوریؒ:210،212،213،شوق حدیث/125،درس ترمذی/44،48،نصرۃ الحدیث:16)

پہلی صدی کے آخیر میں مختلف شہروں میں لکھی جانے والی کتب احادیث

(1) کتب ابی بکرؒ: ابوبکر بن حزم قاضی مدینہ نے متعدد کتابیں لکھی تھیں مگر ابھی تک بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات ہوگئی۔

(2) رسالہ سالم بن عبداللہ فی الصدقات: علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے کہ یہ رسالہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔

(3) دفاتر الزہری: علامہ ابن البرؒ نے جامع بیان العلم میں امام زہریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث یا سنن کا حکم دیا، تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔

(4) کتاب السنن المکحول: یہ کتاب امام مکحولؒ نے تحریر فرمائی تھی، گویا اس کتاب کی تالیف سے کتابت حدیث اپنے چوتھے مرحلہ (یعنی احادیث کو کتابی صورت میں تبویب کے ساتھ جمع کرنا) میں داخل ہوئی، علامہ ابن ندیم نے الفہرست میں اس کا ذکر کیا ہے بظاہر یہ کتاب بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان کی تعمیل میں لکھی گئی، کیونکہ حضرت مکحولؒ ان کے زمانہ میں قاضی تھے۔

(5)ابواب الشعبیؒ: یہ حضرت عامر بن شراحبیل کی تالیف ہے،اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ یہ علم حدیث کی پہلی مبوب کتاب ہے،حضرت شعبیؒ چونکہ کوفہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قاضی تھے،اس لیے بظاہر یہ کتاب بھی انہی کے ارشاد پر لکھی گئی ہے۔(درس ترمذی:45،عوارف المنن مقدمہ معارف السنن،علامہ محمد یوسف بنوریؒ:204-5)

(6) کتب ابراہیم بن مسلم ہجری (7) کتب حسان بن یسار (8) کتب رجاء بن حیوۃ

(9) کتب سلیمان بن مہران اعمش (10) کتاب سلیمان بن یسار (11) صحائف عبدالرحمٰن بن ہرمز

(12) کتب عبداللہ بن زکوان قرشی (13) کتب علاء بن عبدالرحمٰن (14) کتب قتادہ بن دعامہ دوسی

(15) کتاب موسیٰؒ بن عقبہ (16) کتب وہب بن منبہ (علوم الحدیث مولانا محمد عبیداللہ الاسعدی:355)

دوسری صدی ہجری:

یہ مبوب کتب حدیث کی محض ابتداء تھی دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کا کام اور زیادہ قوت کے ساتھ شروع ہوا،اس دور میں جو کتابیں لکھی گئی ان کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہے،جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں،چنانچہ:

(1) مکہ مکرمہ میں: عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (م:150ھ) نے سنن ابن جریج لکھی۔

(2)مدینہ میں: محمد بن اسحاق (م:151ھ) نے لکھی،امام مالک (م:176ھ) نے مؤطا اور ابن ابی الذئب (م:158ھ) نے بھی مؤطا لکھی۔

(3) بصرہ میں: ربیع بن صبیح (م:160ھ) سعید بن ابی عروبہ (م:156ھ) شعبہ بن حجاج (م:160ھ) اور حماد بن سلمہ (م:176ھ) نے کتب لکھیں۔

(4) کوفہ میں: سفیان ثوری (م:161ھ) اور ابن شبرمہ (م:144ھ) نے اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کوفی نے کتاب الآثار لکھی،پھر اس کتاب کی کئی نسخے بروایت امام محمدؒ،بروایت امام یوسفؒ،بروایت امام زفرؒ نقل ہوئے،اور یہ کتاب مؤطا امام مالک سے زمانہ مقدم ہے نیز امام مالکؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے تالیفات سے استفادہ بھی کیا ہے اس طرح یہ کتاب اپنی طرز تدوین میں مؤطا امام مالک کے لیے اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

نوٹ: یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیے کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی براہِ راست مرتب کردہ کتاب یہی ''کتاب الآثار'' ہے،اس کے علاوہ ''مسند ابی حنیفہؒ'' کے نام سے جو مختلف کتابیں ملتی ہیں وہ خود امام صاحبؒ کی تالیف نہیں ہے،بلکہ آپ کے بعد بہت سے حضرات محدثین نے آپ کی مسندات تیار کیں،ان میں حافظ ابن عقدہؒ،حافظ ابونعیم اصفہانیؒ،حافظ ابن عدیؒ حافظ ابن عساکرؒ مشہور ہیں،بعد میں علامہ خوارزمی نے ان تمام مسانید کو ایک مجموعہ یکجا کر دیا،جو ''جامع مسانید الامام الاعظمؒ'' کے نام سے مشہور ہیں۔

(5) شام میں: امام اوزاعی (م: 156ھ) نے لکھی۔ (6) واسط میں: ہشیم بن بشیر (م:188ھ) نے لکھی۔

(7) یمن میں: معمر بن راشد (م:153ھ) نے لکھی۔ (8) ری میں: جریر بن عبدالحمید (م:188ھ) نے لکھی۔

(9) خراساں میں: عبداللہ بن مبارک (م:181ھ) نے کتاب الزہد،اسی طرح ابراہیم بن طہمان نے 163ھ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے اس قدر تالیفات کیں کہ ان کی کثرت کا احاطہ بھی دشوار ہے۔

(10) سفیان بن عیینہ (م:198ھ) نے لکھی۔ (11) لیث بن سعد (م:175ھ) نے لکھی۔

(12) عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون نے امام مالک کی تالیف سے پہلے ایک کتاب لکھی جن میں ان مسائل کا احاطہ کیا گیا جن پر اہل مدینہ کا اتفاق تھا۔

(13) امام ابو یوسفؒ (م:182ھ) نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ سے اپنی روایات کو جمع کیا۔

(14) اسی طرح امام محمد (م:189ھ) نے بھی کتاب الآثار کے نام سے امام ابوحنیفہؒ سے اپنی روایات جمع کیں جن کا بیشتر حصہ موقوف روایات کا ہے،مرفوع احادیث بہت کم ہیں۔

(15) حمید طویلؒ کے پاس امام حسن بصریؒ کی کتابیں تھی جنہیں نقل کر کے انہیں واپس کر دیا تھا۔

(16) مجاہد بن جبیر مکی نے تفسیر لکھی،عکرمہ اور علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس کی روایت سے تفسیریں لکھیں،جیسا کہ صاحب کشف نے ذکر کیا ہے،ظاہر ہے کہ یہ تفسیریں متعلقہ احادیث و آثار پر مشتمل ہوں گی۔

(17)وکیع بن جراح نے سنن لکھی۔

(18)امام شافعیؒ(م:204ھ) کی مسند اور مختلف الحدیث (19) کتاب سعید ابن ابی عروبہ بصری (م:156ھ)

(20) کتب اسرائیل بن یونس سبیعی (م:160ھ) (21) کتب ابراہیم بن سعد(م:184ھ)

(22) مصنف اسماعیل بن عیاش (م:186ھ) (علوم الحدیث مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی:356)

الغرض: اس دور میں تالیف کردہ کتابوں کی فہرست اگر مجنون کے سامنے پڑھی جائے تو ہوش میں آجائے ،مگر حیف ہے کہ مستشرقین اوران کے وفادار شاگرد، ملاحدہ وزنادقہ اورزائغین ،اللہ کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں واللہ متم نورہ ولوکرہ المجرمون۔

(عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوریؒ:210-11 ،درس ترمذی:44)

(83)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی/26-25، 271، 367، مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں اسعدی:358)

تیسر صدی ہجری

(1) مسند ابی داؤد طیالسیؒ: یہ ابوداؤد طیالسیؒ ہیں، اوران ابوداؤد سے مقدم ہیں جن کی سنن صحاح ستہ میں شامل ہے،بعض حضرت کا کہنا ہے کہ یہ کتاب مسانید میں سب سے پہلی مسند ہی لیکن صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلی مسند ''مسند عبید اللہ بن موسیٰ'' ہے اور ابوداؤد طیالسیؒ اگرچہ اُن سے مقدم ہیں لیکن اُن کی مسند ان کی وفات کے بہت بعد بعض خراسانی علماء نے ترتیب دی ہے،اور یہ آپ وقت مرتب ہوئی جب مسند عبید اللہ بن موسیٰ وجود میں آچکی تھی۔

(2) مسند احمدؒ: اسے جامع ترین مسند کہا گیاہے،اس میں تقریباً چالیس ہزار (40,000) حدیثیں ہیں جنہیں امام احمدؒ نے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے، امام احمدؒ نے اپنی زندگی میں ان احادیث کو جمع تو کرلیا تھا،لیکن اُن کی ترتیب وتبویب نہ کرسکے تھے کہ وفات ہوگئی، آپ کے بعد آپ کے جلیل القدر صاحبزادے عبد اللہ بن احمدؒ نے اُن کی ترتیب وتہذیب کی ،اوراس میں تقریبا دس ہزار (10,000) احادیث کا اضافہ کیا، ان کے بعد حافظ ابوبکر قطیعیؒ نے بھی اس میں کچھ اضافے کیے جنہیں ''زیادات المسند'' کہا جاتا ہیں، مسند احمد میں صحیح، حسن اور ضعیف کی احادیث موجود ہیں، اوراس میں اختلاف ہے کہ کوئی موضوع حدیث بھی ہے یا نہیں، بہت عرصہ کے بعد بعض حضرات نے ''مسند احمد'' فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق بھی مرتب کیا ہے، متقدمین کی یہ کوششیں نایاب ہیں، البتہ ''الفتح الربّانی'' کے نام سے ''مسند احمد'' کی ایک تبویب اب بھی موجود ہے۔

(3) مصنف عبد الرزاق: پہلے زمانہ میں لفظ مصنف کا اطلاق اسی اصطلاحی مفہوم پر ہوتا تھا،جس کیلیے آج کل ''السنن'' کا لفظ معروف ہے، یہ مصنف امام عبد الرزاق بن الہام الیمانی کی مرتب کردہ ہے اور کئی اعتبار سے بڑی جلیل القدر کتاب ہے، ایک تو اس لیے کہ عبد الرزاق امام ابوحنیفہؒ اور معمر بن راشد جیسے ائمہ کے شاگرد اور امام احمدؒ جیسے ائمہ کے استاذ ہیں، اسی لیے اس مصنف میں اکثر احادیث ثلاثی ہیں، دوسرے اس لیے کہ امام بخاری کی تصریح کے مطابق اس مصنف کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔

(4) مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ: یہ بھی امام بخاریؒ اورامام مسلمؒ وغیرہ کے استاذ ہیں، اوران کے مصنف کی پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں صرف احادیث احکام کو فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے، اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیثِ مرفوعہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے فتاویٰ بھی بکثرت منقول ہیں، اس کی وجہ سے اصولِ حنفیہ کے مطابق حدیث کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے، تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امام موصوفؒ نے ہر مذہب کے مستدلات کو پوری غیر جانبداری کے ساتھ جمع کیا ہے، چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ امام ابوبکرؒ جوکہ خود کوفی ہیں، اس لیے انہوں نے اہلِ عراق کے مسلک کو خوب اچھی طرح سمجھ کر بیان کیا ہے، یہی وجہ سے کہ حنفیہ کے مستدلات اس کتاب میں بکثرت پائے جاتے ہیں، اوراسی لیے علامہ زاہد الکوثریؒ نے لِکھا ہے کہ ''احوج ما یکون الفقیہ الیہ کتاب ابن ابی شیبۃ،

(5) المستدرک للحاکم: یہ کتاب مستدرک علی الصحیحین ہے لیکن نقدِ احادیث کے معاملہ میں امام حاکم بہت زیادہ متساہل مشہور ہیں، اسی لیے انہوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کو علیٰ شرط الشیخین یا علی شرط احدھما سمجھ کر اپنی کتاب میں درج کرلیا ہے، جو درحقیقت بہت ضعیف ہیں، حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے اس کتب پر ایک حاشیہ لکھا ہے جس میں مستدرک کی تلخیص بھی ہے اور امام حاکمؒ کی مسامحت پر تنبیہ بھی، یہ حاشیہ بھی مستدرک کے ساتھ حیدر آباد دکن سے چھپ کیا ہے امام حاکم کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ شیعہ تھے،لیکن محققین نے اس الزام کو رَد کردیا ہے۔

(6) المعاجم للطبرانیؒ: امام طبرانیؒ کی معاجم تین قسم کی ہیں، کبیر، اوسط، اور صغیر، معجم کبیر درحقیقت مسند ہے یعنی اس میں صحابہ کی ترتیب کے مطابق روایتیں جمع کی گئی ہیں، اور معجم اوسط میں امام طبرانیؒ نے اپنے شیوخ کی ترتیب سے روایات جمع کی ہیں، اور اس میں صرف اپنے شیوخ کے غرائب اور تفردات کو ہی جمع کیا ہے، اور معجم صغیر میں اپنے ہر شیخ کی ایک ایک روایت ذکر کی ہے اور اس میں زیادہ تر انہی شیوخ کی رویات ہیں جن سے امام طبرانیؒ نے صرف ایک روایت سنی ہے۔

(7) مسند البزار: اسے ''المسند الکبیر'' بھی کہتے ہیں، یہ امام ابوبکر بزار کی تصنیف ہے، اور معلل ہے یعنی اس میں امام نے روایات کے اسبابِ قادحہ کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، معلل کتابوں کا اصول یہ ہے کہ جس حدیث پر وہ خاموشی سے گذر جائیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا قابل عمل سمجھی جاتی ہے۔

(8) مسند ابی یعلیٰ: یہ کتاب مسند کے نام سے مشہور ہوگئی، حالانکہ یہ معجم ہے۔

(9) مسند الدارمی: اس کتاب کو بھی اصطلاح کے خلاف مسند کہا گیا ہے، درحقیقت یہ سنن ہے۔

(10) السنن الکبریٰ للبیہقی: یہ کتاب امام بیہقیؒ نے فقہ شافعی کے مشہور متن ''مختصر المزنی'' کی ترتیب پر جمع کی ہے، اور حیدرآباد دکن سے چھپ چکی ہے۔

(11) سنن الدارقطنی: (ولادت 306ھ وفات: 385ھ) یہ کتاب ابوابِ فقہیہ پر مشتمل ہے جس میں ہر حدیث کے طرق نہایت تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

(درس ترمذی: 47-48-49/1، علوم الحدیث مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی: 356)

(12) امام بخاری (م: 251ھ) کی الجامع لصحیح اور مسند کبیر (13) امام مسلم (م: 261ھ) کی الجامع الصحیح

(14) سنن ابی داؤد (م: 275ھ)

(15) سنن نسائی، مسند امام نسائی، مسند مالک امام نسائی کی۔ (م: 303ھ)

(16) جامع الترمذی (م: 270ھ) (17) سنن ابن ماجہ (م: 273ھ)

(18) منتقی ابن جارود (م: 307ھ) (19) تہذیب الآثار محمد بن جریر طبری (م: 310ھ)

(20) المسند الکبیر بقی ابن مخلد قرطبی (م: 276ھ) (21) مسند عبید اللہ بن موسیٰ (م: 213)

(22) مسند اسحاق بن راھویہ (م: 237ھ) (23) مسند عبد بن حمید (م: 249ھ)

(24) مسند ابن ابی اسامہ حارث بن محمد تمیمی (م: 282ھ)

(25) مسند احمد بن عمرو الشیبانی (م: 287ھ) اس میں تقریباً پچاس ہزار (50,000) احادیث ھیں۔

(26) مسند محمد بن یحیٰ عدنی (م: 243ھ) (27) مسند مسدد بن مسرھد (م: 228ھ)

(28) مسند محمد بن مھدی (م: 272ھ) (29) مسند بن ابی بکر حمیدی مکی (م: 219ھ)

(30) المسند الکبیر حسن بن سفیان (م: 303ھ) (31) المسند الکبیر یعقوب بن شیبہ (م: 262ھ)

(32) مسند علی مدینی (م: 234ھ) (33) مسند احمد بن حازم (م: 276ھ)

(34) مصنف عثمان بن ابی شیبہ کوفی (م: 239ھ) (علوم الحدیث مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی: 257)

(84) (تقابل ادیان، مولانا یوسف خان: 47)

(85) (یورپ کے ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے گیارہ بارہ سو سال آگے وید کی تاریخ نہیں بڑھتی۔

چاروں ویدوں کو جو زبانی یاد کرتے تھے، وہ چترویدی یا چوبے اور تین کے یاد کرنے والے ترویدی، دو کے یاد کرنے والے دوبے کہلاتے تھے۔

(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی۔ ص: 71-72)

(86) (تقابل ادیان، مولانا یوسف خان۔ ص: 93)

(87) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی/70، 71)

(88) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی/71)

(89) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی/71)

(90) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی حدیث: ص 41-40)

(91) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 41)

(92) (تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 87-86، عوارف المنن/

مقدمہ:145شوق حدیث،باب ھفتم)
(**93**)(کتاب الکنی/بخاری:33)
(**94**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:73)
(**95**)(تذکرۃ الحفاظ:201/1)
(**96**)(تذکرۃ الحفاظ:401)
(**97**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:73)
(**98**)(تذکرۃ الحفاظ:123/2)
(**99**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:87)(مزید واقعات کے لیے دیکھیں: نصرۃ الحدیث، حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کی ص:28 تا41)
(**100**)(عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ:145)
(**101**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:94)
(**102**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:104-158-47)
(**103**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:158)
(**104**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:47)
(**105**) (عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ:126-132، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:101)
(**106**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:20)
(**107**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:26)
(**108**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:176)
(**109**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:13)
(**110**)(حجیت حدیث مفتی تقی عثمانی صاحب:79-78)
(**111**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:42-44)
(**112**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:45-44)
(**113**)(حجیت حدیث مفتی محمد تقی عثمانی:70-69، نصرۃ الحدیث:207)
(**114**)(عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ:145-144)
(**115**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:45)
(**116**)(نصرۃ الحدیث:09-208)
(**117**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان۔ص: 83، 119، 122، 216)
(**118**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان۔ص: 101)
(**119**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:114)
(**120**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:121)
(**121**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:149)
(**122**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:149)
(**123**)(ترمذی، ماجاء فی الحث علی التبلیغ السماع، رقم:2658)
(**124**)(بخاری، رب مبلغ أوعی من السامع، رقم:67)
(**125**)(المعجم الأوسط للطبرانی)
(**126**)(مسلم، حجۃ النبی ﷺ، رقم:2950)
(**127**)(ابوداؤد، فضل نشر العلم، رقم:3659)
(**128**)(بخاری، اداء الخمس من الایمان، رقم:53)
(**129**)(ترمذی، ماجاء فی کتمان العلم، رقم:2649)
(**130**)(بخاری ومسلم، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 14-16، عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ: 146-148)
(**131**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:49-48)
(**132**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:50-49)
(**133**)(حجیت حدیث، مفتی تقی عثمانی صاحب:78)
(**134**)(نبی رحمت، ابوالحسن علی ندوی:36)
(**135**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:219)
(**136**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان۔ص:73)
(**137**)(خطبات مدراس، سید سلمان ندوی۔ 31، 35)
(**138**)(خطبات مدراس، سید سلمان ندوی۔ 31، 35)
(**139**)(خطبات مدراس:72)
(**140**)(خطبات مدراس:64)
(**141**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:29)
(**142**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:47)
(**143**)(تفصیل کے لیے دیکھیں، عنوان:آپ کی سیرت اور زندگی کی عبادت عمل سے کا ذیلی عنوان:تواتر، ص:70)
(**144**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:29)
(**145**)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان۔ص: 163، 166)
(**146**)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:65-53-52)
(**147**)(عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، علامہ محمد یوسف

بنوری علیہ الرحمۃ:212)
(148)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:66-65)
(149)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:69)
(150)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:72-71)
(151)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:140)
(152)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 272، خطبات مدراس، سید سلمان ندوی: دوسرا خطبہ۔ تقابل ادیان، مولانا یوسف: 125)
(153)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:31)
(154)(بخاری، رقم:1291)
(155)(مسند احمد، رقم:9350)
(156)(بخاری، رقم:247)
(157)(بخاری، رقم:96)
(158)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:18-16)
(159)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: ص60)
(160)(سیرت النبی شبلی /54، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی /37)
(161)(جامع بیان العلم، تدوین حدیث:36)
(162)(جامع البیان تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:37)
(163)(سنن درامی، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:38)
(164)(سنن دارمی، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:39)
(165)(سنن دارمی:42)
(166)(تذکرۃ الحفاظ:37)
(167)(ابن ماجہ:4)
(168)(نصرۃ الحدیث:43-41)
(169)(نصرۃ الحدیث:46-45)
(170)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:46)
(171)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:40)
(172)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 80)
(173)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:73)
(174)(جامع بیان العلم:64)
(175)(طبقات بن سعد:108/7)
(176)(طبقات ابن سعد:133/7)
(177)(تاریخ دمشق:17/2)
(178)(تذکرۃ الحفاظ:261/2)
(179)(تذکرۃ الحفاظ:199/2)
(180)(تہذیب التہذیب:173/4)
(181)(تہذیب التہذیب: 3 8 1، تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:80-79)
(182)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:83)
(183)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:93-85-84)
(184)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی:86-85، شوق حدیث، باب نہم، نیز نصرۃ الحدیث:28-22)
(185)(مجمع الزوائد:161/1)
(186)(مستدرک حاکم:94/1)
(187)(نصرۃ الحدیث:23-22)
(188)(سنن دارمی:77، مستدرک حاکم:94/1)
(189)(سنن دارمی:66)
(190)(نصرۃ الحدیث:26-25)
(191)(سنن دارمی:78، تہذیب التہذیب:270/10)
(192)(سنن دارمی:78)
(193)(سنن دارمی:78، تہذیب التہذیب: 1 / 6 9 2، نصرۃ الحدیث:28-25)
(194)(نصرۃ الحدیث:23)
(195)(خطبات مدراس، سید سلمان ندوی: 31، 35)
(196)(تقابل ادیان، مولانا یوسف خان: 41، تدوین، مناظر احسن گیلانی: 71، تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:164)
(197)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 29۔ تقابل ادیان، مولانا یوسف خان:163)
(198)(تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی: 71)
(199)(نبی رحمت، ابوالحسن علی ندوی۔ ص:36۔ تقابل ادیان، مولانا یوسف خان۔ ص:73، 219)
(201)(خطبات مدراس:68)(مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: چوتھی بات)
(202)(خطبات مدراس:68)
(203)(خطبات مدراس:68)
(204)(خطبات مدراس:72)

(**205**)(خطبات مدراس:72)
(**206**)(خطبات مدراس:72)
(**207**)(خطبات مدراس:72)
(**208**)(خطبات مدراس:72)
(**209**)(خطبات مدراس:68)
(**210**)(خطبات مدراس:73)
(**211**)(خطبات مدراس:72)
(**212**)(سیرت ابن ھشام)
(**213**)(خطبات مدراس:74)
(**214/1**)(بخار شریف، سورۃ تبت)
(**214/2**)(بخاری، رقم:7)
(**215**)(خطبات مدراس:83)
(**216**)(خطبات مدراس:85-84)
(**217**)(خطبات مدراس:84)
(**218**)(خطبات مدراس:85)
(**219**)(خطبات مدراس:90)
(**220/1**)(خصائص الکبریٰ للسیوطی:1/49-47)
(**220/2**)(کتاب التوحید، افادات حضرت مولانا محمد یونس جونپوری علیہ الرحمۃ:159)
(**221**)(ابو داؤ، کتاب الخراج والامارۃ والفئی، رقم:2988)
(**222**)(بخاری، کتاب المظالم والغضب، رقم:2468)
(**223**)(سنن بیھقی : 6/164، مصنف ابن ابی شیبہ: 7/399، رقم:36900)
(**224**)(ترمذی، باب ومن سورۃ الفاتحۃ، رقم:2953)
(**225**)(خطبات مدراس:93)
(**226**)(خطبات مدراس:94)
(**227**)(خطبات مدراس:95)
(**228**)(خطبات مدراس:96)۔
(**229**)(خطبات مدراس:75)
(**230**)(خطبات مدراس:97)
(**231**)(خطبات مدراس:97)
(**232**)(خطبات مدراس:98)
(**233**)(خطبات مدراس:98)
(**234**)(مسلم، باب کفن المیت، رقم:940)
(**235**)(خطبات مدراس:98)
(**236**)(خطبات مدراس:99)
(**237**)(خطبات مدراس:99)
(**238**)(خطبات مدراس:99)
(**239**)(مسلم، کتاب الزھد والرقاق، رقم:2968)
(**240**)(السیرۃ الحلبیۃ:1/483)
(**241**)(السیرۃ النبویۃ:2/169)
(**242**)(السیرۃ الحلبیۃ:1/482)
(**243**)(السیرۃ الحلبیۃ:1/483)
(**244**)(خطبات مدراس:99)
(**245**)(خطبات مدراس:102)
(**246**)(خطبات مدراس:103)
(**247**)(مستدرک حاکم، رقم:4711)
(**248**)(بخاری، الاذان للمسافر اذا کان جماعۃ، رقم:631)
(**249**)(صحیح ابن حبان، رقم:4186)
(**250**)(خطبات مدراس:124)
(**251**)(بخاری، تفسیر القرآن، رقم:4837)
(**252**)(بخاری، الاذان، رقم:800)
(**253**)(بخاری، الجھاد والسیر، رقم:2915)
(**254**)(بخاری، الجھاد والسیر، رقم:2931)
(**255**)(بخاری، التیمم، رقم:344)
(**256**)(بخاری، الاذان، رقم:687، خطبات مدراس:109)
(**257**)(بخاری، الجمعہ، رقم:1141)
(**258**)(بخاری، الصوم، رقم:1964)
(**259**)(بخاری، صوم:1970)
(**260**)(نسائی، صیام، رقم:2420)
(**261**)(مسلم، صوم، رقم:1164)
(**262**)(ترمذی، الصوم، رقم:745، خطبات مدراس:110)
(**263**)(بخاری، بدء الوحی، رقم:6)
(**264**)(بخاری، الأدب، رقم:6034)

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(265)(بخاری،استقراض واداءالدین،رقم:2399)
(266)(بخاری،العلم:71)
(267)(بخاری،الرقاق،رقم:6444،خطبات مدراس:111-110)
(268)(ترمذی،الدعوات،رقم:3384)(خطبات مدراس:108)
(269)(ابوداؤد،الصلاۃ،رقم:1342)
(270)(بخاری،بدءالوحی،رقم:4)
(271)(ترمذی:البروالصلۃ،رقم:2016)
(272)(مسلم الفضائل،رقم:2328)
(273)(بخاری،الزکاۃ،رقم:1432)
(274)(شمائل ترمذی)
(275)(ترمذی،ماجاءفی صفۃالنبی،رقم:2638)
(276)(شمائل ترمذی،رقم:6)
(277)(خطبات مدراس:108-106)
(278)(بخاری،الصلوٰۃ،ترجمۃالباب)
(279)(ابوداؤد،خراج والامارہ والفئی،رقم:3055)
(280)(بخاری،الجمعۃ،رقم:1228)
(281)(صحیح ابن حبان:5160)
(282)(صحیح ابن حبان:3212)
(283)(مسلم،الزہدوالرقائق:2970)
(284)(بخاری،فرض الخمس:3097)
(285)(بخاری،الجہادوالسیر،رقم:2916)
(286)(ترمذی،الزہد:2341)
(287/1)(خطبات مدراس:196)
(287/2)(بخاری،المناقب،رقم:3797)
(288)(مسلم،أشربۃ،رقم:2040)
(289)(ترمذی،معیشۃاصحاب النبی،رقم:2371)
(290)(صحیح ابن حبان،رقم:5216)
(291)(نسائی،الکراہیۃللنساءفی اظہار الحلی والذہب،رقم:5140)
(292)(نسائی،الکراہیۃللنساءفی اظہار الحلی والذہب،رقم:5143)
(293)(ترمذی،ماجاءفی ترقیع الثوب،رقم:1780)
(294)(ابن ماجہ،مثل الدنیا،رقم:4109)
(295)(خطبات مدراس:14-112)
(296)(مسندالبزار،رقم:757)
(297)(بخاری،کتاب الجنائز،رقم:1277)
(298)(مجمع الزوائد:256/4)
(299)(خطبات مدراس:114)
(300)(خطبات مدراس:199)
(301)(بخاری،التفسیر،خطبات مدراس:199)
(302)(بخاری،خطبات مدراس:199)
(303/1) (السیرۃالحلبیۃ:562/1)
(303/2) (خطبات مدراس:136)
(304)(بخاری،مناقب،رقم:3653)
(305)(بخاری الاشربۃ:5607)
(306)(ترمذی،تفسیرالقرآن،رقم:3046)
(307)(بخاری،الجہاد،رقم:2910)
(308/1)(مسلم،الصداد بالملائکۃفی غزوۃبدر،رقم:7163)
(308/2)(خطبات مدراس:138)
(309)(مسلم،غزوہ حنین:1776)
(310)(خطبات مدراس:17-115)
(311)(السیرۃالحلبیۃ:218/2)
(312)(سنن کبریٰ للبیہقی:118/9)
(313)(مستدرک حاکم،رقم:3805)
(314)(بخاری،مغازی،رقم:4072)
(315)(مستدرک حاکم:5059)
(316)(مستدرک حاکم:2812)
(317)(السیرۃالحلبیہ:38/3)
(318)(تاریخ طبری:45/2)
(319)(تاریخ طبری:162/2)
(320)(مسلم،رقم:2190)
(321)(بخاری،جہادوالسیر،رقم:2910)
(322)(مسلم،التفسیر:1808)
(323)(ابوداؤد،خبرطائف،رقم:3026)
(324)(ابوداؤد،القرآن،رقم:1393)
(325)(بخاری،بدءالحلق:3231)

(326)(ترمذی، مناقب، رقم:3942)
(327)(بخاری، المغازی، ترجمة الباب)
(328)(صحیح ابن حبان، رقم:973)
(329)(سنن الکبریٰ:117/9)
(330)(خطبات مدراس:124-118)
(331)(کمالات اشرفیہ)
(332)(بخاری: باب ذکر الملئکة صلوات اللہ علیھم، :3209)
(333)(البغوی فی شرح السنة:213/1، قال النووی: حدیث صحیح، رویناہ فی کتاب الحجة باسناد صحیح، جامع العلوم والحکم:364)
(334)(الترمذی وقال: هذا حدیث حسن غریب، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة، رقم:2678)
(335)(مشکوة، رقم:30)
(336)(الطبرانی باسناد لا بأس به، الترغیب:80/1)
(337)(مسند احمد، رقم:4885)
(338)(سنن ابن ماجه)
(339)(سنن نسائی)
(340)(مسلم، رقم:4885، ابوداؤد، حاکم)
(341)(بخاری و مسلم)
(342)(بخاری و مسلم)
(343)(ترمذی)
(344)(ابوداؤد، بیهقی)
(345)(شرح شرعة الاسلام ص 8 لسید علی زادہ)
(346)(موطاء امام مالک علیہ الرحمہ، النھی عن القول فی القدر:702)
(347)(الفتح الربانی:438، مجلس نمبر 59)
(348)(دیباچہ درلاثانی شاہ محمد ھدایت علی جے پوری 6-7/3)
(349)(مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب 114، جلد اول)
(350)(اتباع سنت کی برکات، خطبات مفتی محمد تقی عثمانی)
(351)(مسند ابی یعلی:2119)
(352)(تلبیس ابلیس:9)
(353)(مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب نمبر 10 بنام خواجہ دینار)
(354)(فتاویٰ رحیمیہ:142/2)
(355)(تفسیر کبیر 243/8 سورئہ ملک، رسالة العبودیہ لابن تیمیہ:20-21)
(356)(ارشاد الطاالبین:28)
(357)(فتح ربانی:14/1 مجلس نمبر 2)
(358)(تلبیس ابلیس:9)
(359)(خطبات صفدر)
(360)(انوار البیان:127,126/4)
(361)(انوار البیان:427/4-28)
(362)(مسلم: رقم:257)
(363)(بخاری، رقم:5063)
(364)(بخاری، رقم:7301)
(365)(مؤطا مالک، رقم:1015)
(366)(مؤطا مالک، رقم:1020)
(367)(مسلم: رقم:90)
(368)(ترجمان السنة:3/408)
(369)(بخاری، رقم:7280)
(370)(تفسیر عزیزی 432 سورہ بقرہ تحت الایة ضربت علیم الذلة... ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون)
(371)(دلیل العارفین)
(372)(تاریخ دعوت وعزیمت:175/4)
(373)(محبت کے اشارے)
(374)(دلیل العارفین)
(375)(تاریخ مشائخ چشت:167)
(376)(فضائل صدقات: حصہ دوم 657)
(377)(ماخوذ از طلباء کے لیے تربیتی واقعات)
(378)(مسند ابی یعلی:2119)
(379)(توبة: 24، تفسیر قرطبی، ابن کثیر، مجموعة الفتاویٰ: 10/48-49، الشفا القاضی عیاض:563/2)
(380)(معارف الحدیث:93/1)
(381)(الأحزاب:6، جامع الاصول، رقم:7429، بخاری، رقم:4781)
(382)(معارف القرآن:87/7، سورة احزاب، آیت:6)
(383)(جامع الاصول، رقم:21، خ، رقم:15)
(384)(جامع الاصول، رقم:6348، بخاری، رقم:6632)
(385)(جامع الاصول، رقم:6700، ترمذی، رقم:3789)

مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(386)(بخاری، رقم:15)
(387)(معارف الحدیث، کتاب الایمان:13، تحفہ خواتین، ایمان کی حلاوت اور اس کے تقاضے)
(388)(جامع الاصول، رقم:4785خ:3688،م:2639،د5127)
(389)(مفهوم ترجمان السنه:348/1، محبت رسول ایمان میں سے هے، نور الدين عتر:11، نبی کریم ﷺ کی محبت کے اسباب، ڈاکٹر فضل الٰھی:12)
(390)(ترجمان السنه:348/1)
(391)(خطبات مدراس:162)
(392)(خطبات مدراس:162، رحمة للعالمين:44/1)
(393)(بخاری، رقم:1029، البدايه و النهايه:699/4)
(394)(مسلم، رقم:2039)
(395)(مسلم، رقم:27)
(396)(بخاری، رقم:3578)
(397)(بخاری، رقم:2709)
(398)(مسلم، رقم:2281)
(399)(بخاری، رقم:2618)
(400)(مسلم، رقم:1428)
(401)(ترمذی، رقم:3625)
(402)(بخاری، رقم:6452، البداية و النهاية:699/4، سیرت النبی ﷺ شبلی:330/3-335)
(403)(البداية و النهاية: 4/ 699، سیرت النبی ﷺ شبلی: 336/3-339)
(404)(مسلم، رقم:464)
(405)(سیرت النبی ﷺ شبلی:308/3-310)
(406)(بخاری، رقم:3579)
(407)(البدايه و النهاية:707/4)
(408)(بخاری، رقم:3887)
(409)(بخاری، رقم:1035)
(410)(بخاری، رقم:3423 البداية و النهاية:709/4)
(411)(ترمذی، رقم:682)
(412)(حياة الصحابه تواضع:737/2)
(413)(بخاری، رقم:2977، مسلم، رقم:523/6)
(414)(البداية و النهاية:710/4)
(415)(سیرت النبی ﷺ شبلی:308/3-310)
(416)(البداية و النهاية:713/4، سیرت النبی ﷺ شبلی:308/3-310، سبل الهدىٰ و الرشاد فى سيرة خير العباد: 264/10، جماع أبواب موازاة الأنبياء عليهم الصلاة و السلام في فضائلهم بفضل نبينا ﷺ.)
(417)(خطبات مدراس:162)
ورىٰ الخطيب البغدادى بسنده كماذكره صاحب كتاب السعادة و البشرىٰ ايضا ان امنة قالت لما وضعته عليه الصلاة و السلام رأيت سحابة عظيمة لها نور اسمع فيها صهل الخيل و خفقان الاجنحة و كلام الرجال حتى غشية و غيب عنى فسمعت مناديا طوفوا بمحمد ﷺ فى مشارق لارض و مغاربها و ادخلوه البحار ليعرفوا باسمه و نعته و صورته فى جميع الارض و اعرضوا على كل رواحانى من الجن و الانس و الملائكة و الطيور و الوحوش و اعطوه خلق آدم و معرفة شيث و شجاعة نوح و خلة ابراهيم و لسان اسماعيل و رضا اسحاق و فصاحة صالح و حكمة لوط و بشرىٰ يعقوب و شدة موسىٰ و صبر ايوب و طاعة يونس و جهاد يوشع و صوت داود و حب دانيال و وقار الياس و عصمة يحيىٰ و زهد عيسىٰ و اغمسوه فى اخلاق النبيين۔(الخصائص الكبرىٰ للسيوطى:47/1)
(418)(تفسير ابن جرير الطبرى:236/2، تفسير البغوى:322/1، تفسير ابن كثير:386/1)
(419)(مشكاة المصابيح، رقم:177، مسند احمد، رقم:15156)
(420)(مظاهر حق:268/1)
(421)(تفسير ابن كثير:386/1)
(422)(تلخيص معارف القرآن، مفتى محمد شفيع ؒ:36/3-37)
(423)(جامع الاصول، رقم:6392، خ:335، م:521)
(424)(جامع الاصول، رقم:6392، خ:335، م:521)
(425)(جامع الاصول، رقم:7013، م:153)

(426)(تحفہ خواتین، حصہ اول:30، معارف الحدیث:65/1)

- بعض کم علم لوگوں کو اپنے اس خیال فاسد کے لیے بعض نصوص سے شبہہ لگ جاتا ہے اس کا حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ نصوص قرآن شریف کی چند آیتیں ہیں اور بعض احادیث ہیں۔ آیتیں یہ ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بقرۃ:62)

حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے وہ اللہ کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لیے صرف اللہ اور قیامت پر ایمان لانا اور نیکی کرنا کافی ہے یہودی یا نصرانی ہونا مضر نہیں۔ آیت دوم یہی آیت ہے جو دوسری جگہ بعینہٖ وارد ہے صرف بعض الفاظ کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

آیت سوم

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (113) يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران:114)

(لیکن) سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں، اہل کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار صالحین میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہودی یا نصرانی ہونا مضر نہیں یہ صفات محمودہ مذکورہ فی الآیت نجات کے لیے کافی ہیں۔

آیت چہارم:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (نحل:90)

بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (ان کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔

اس آیت میں تو یہودیت اور نصرانیت کا بھی ذکر نہیں اوامر الٰہی صرف چند مذکورہ باتوں میں منحصر کردیے ہیں تو جو اُن اوامر پر عامل ہو وہ طاعتِ الٰہی کرنے والا ہے اور جا بجا قرآن میں وارد ہے کہ اطاعتِ الٰہی کرنے والا ناجی ہے اور احادیث وہ ہیں جن میں باختلافِ الفاظ یہ مضمون ہے: "من قال لَاالٰهَ الا اللہ دخل الجنۃ یعنی (ح) جو کوئی لا الہ الا اللہ کہے (بالفاظِ دیگر توحید کا قائل ہو) جنت میں جائے گا"۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور تمام علماء اور اہلِ فن کے نزدیک مسلم ہے۔

اس میں رسالت کا ذکر نہیں۔ اس کا صاف مفہوم یہی ہے کہ صرف توحید کا قائل ہونا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔

جواب سنیے:

آیتوں میں صنعت ایجاز (اختصار) ہے حسب موقع ومحل جس بات کی ضرورت ہوئی بیان کی گئی باقی کو چھوڑ دیا گیا۔ ان چاروں آیتون کے بھی پڑھنے سے اس کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے کہ اول کی دو آیتوں میں صرف ایمان باللہ وروزِ قیامت وعملِ صالح مذکور ہے اور آیت سوم میں تلاوت آیاتِ الٰہی اور سجدہ اور امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر اور مسارعت فی الخیرات زائد ہے اور آیت چہارم میں ان میں سے ایک بھی نہیں اور ہی اور اور چیزیں مذکور ہیں ہمارے بھائیوں کی طرح سے اگر لاتقربوا الصلوٰۃ پر عمل کیا جائے تو کوئی آیت اول کو لے لے اور کہہ سکتا ہے کہ صرف ایمان باللہ اور یوم آخر اور نیکی کرنا نجات کے لیے کافی ہے آیت چہارم کو لے لے اور کہہ سکتا ہے کہ عدل واحسان وغیرہ اعمال مذکورہ فی الآیت نجات کے لیے کافی ہیں اور اس میں توحید کا بھی ذکر نہیں۔ جو جواب اس کا ہمارے بھائی توحید کے ضروری ہونے کے لیے دیں گے وہی جواب ہمارے لیے بھی کافی ہوگا۔ وہ جواب یہ ہے کہ قرآن نام صرف ایک آیت کا نہیں ہے دیگر آیتوں پر بھی نظر ڈالنی چاہیے۔ یہی ہم بھی کہیں گے کہ قرآن نام چار آیتوں کا بھی نہیں ہے تمام قرآن پر نظر ڈالنی چاہیے۔ قرآن میں یہ آیت بھی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ (نساء:47)

اے اہل کتاب! جو (قرآن) ہم نے اب نازل کیا ہے، جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس پر ایمان لے آو، قبل اس کے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا کر انہیں گدی جیسا بنا دیں، یا ان پر ایسی پھٹکار ڈال دیں جیسے پھٹکار ہم نے سبت والوں پر ڈالی تھی۔

اور قرآن میں یہ آیت بھی ہے:

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (مائدۃ:68)

کہہ دو کہ: اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل پر اور جو (کتاب) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (اب) بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی نہیں کرو گے، تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہوگی جس پر تم کھڑے ہوسکو۔ اور (اے رسول) جو وحی اپنے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، لہٰذا تم ان کافر لوگوں پر افسوس مت کرنا۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسی آیت کے بعد وہ آیت ہے جس کو ہم نے آیت دوم کہا ہے وہ یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بقرۃ:62)

حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے وہ اللہ کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔

ادنیٰ سی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ابھی تو فرمایا کہ اے اہلِ کتاب تم کسی شمار میں بھی نہیں جب تک کہ قرآن پر ایمان نہ لاؤ اور ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کو کافر فرمایا جس کے لیے "خلود فی النار" موعود ہے اور اُسی کے بعد فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور بد دین سے بد دین بھی صرف اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور نیکی کرلے تو سب کچھ ہے اور نجات کے لیے کافی ہے۔ ہمارے بھائیوں نے قرآن شریف کو بچوں کا کھیل بنایا ہے اس کے معنی وہی ہوسکتے ہیں جو علماء محققین نے بیان فرمائے ہیں کہ آیت دوم کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اعلانِ عام بلا تخصیص فرما دیا ہے کہ جو کوئی ایمان لے آئے (یعنی مسلمانوں کی طرح) اُس کے گذشتہ باتوں پر نظر نہ کی جائے گی اور مسلمانوں کی طرح وہ بھی ناجی ہوگا۔

چنانچہ ایک جگہ صاف فرمایا:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ (بقرۃ: 137)

اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو درحقیقت وہ دشمنی میں پڑ گئے ہیں۔

علماء کی اس تقریر سے کسی آیت پر غبار نہیں رہتا۔ ہمارے بھائیوں نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ آیت اول جس کو صرف توحید کو نجات کے لیے کافی ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اس میں صابئین کا لفظ بھی ہے جو ایک قول پر بت پرست فرقہ ہے تو ہمارے بھائیوں کی تقریر کی رو سے یہ معنی ہوں گے کہ اگر بت پرست بھی بت پرستی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیکی کریں تو ناجی ہیں تو توحید کی قید بھی نہ رہی بلکہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ بت پرست بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ بتوں کو مستقل خدا نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ یعنی ہم اُن کی صرف اس وجہ سے پرستش کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا قرب حاصل کرادیں۔ اور آخرت کا عقیدہ بھی طبیعت انسانی میں پڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو دوسرے جہاں کو نہیں مانتا ہو۔ تو ایمان باللہ والیوم الآخر سب کو حاصل ہے لہٰذا بت پرست بھی ناجی ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

اس کا جواب غالباً یہی دیا جائے گا کہ ایمان باللہ والیوم الآخر بالمعنی الصحیح معتبر ہوگا نہ کہ خود تراشیدہ کہ بُت پرستی بھی ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم موحد ہیں اسی واسطے حق تعالیٰ نے ان کے قول مذکور مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ پر نکیر فرمائی ہے اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ۔ (زمر: 3)

ان کے درمیان اللہ ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔یقین رکھو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو راستے پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔

اس عقیدے والے کو کاذب اور کافر فرمایا اور آخرت کا عقیدہ بھی جبھی معتبر ہوگا جبکہ اُن خبروں کے مطابق ہو جو مالکِ آخرت نے دی ہیں کیونکہ بلا اُس کے خبر دیے وہاں کی اطلاع ملنے کا کوئی ذریعہ نہیں اور اہلِ کتاب اور بُت پرست سب اُن خبروں کے موافق عقیدہ نہیں رکھتے طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہیں۔مثلاً اہل کتاب کہتے تھے: لن تمسنا النار الا ایاما معدودة یعنی ہم کو باوجود سخت سے سخت گناہ اور کفر کرنے کے چند روز سے زیادہ دوزخ میں رہنا نہ ہوگا اور مشرکین کہتے تھے: نحن اکثر اموالا و اولادا و مانحن بمعذبین یعنی ہم کو اموال واولاد بہت حاصل ہیں اس سے آخرت کی حالت پر بھی اطمینان ہے کہ جیسے دنیا میں عزت حاصل ہے آخرت میں بھی ہوگی۔ان دونوں عقیدوں کی حق تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔لہٰذا اس طرح کا آخرت کا عقیدہ کالعدم ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق اور آخرت کے متعلق ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو مومن باللہ و لایوم الآخر نہیں کہہ سکتے۔اس کے سوا کوئی جواب نہیں ہے۔ہم کہتے ہیں کہ صائبین کے متعلق یہ قید لگانی پڑی کہ ایمان باللہ و الیوم الآخر بالمعنے الصحیح اختیار کریں یعنی بُت پرستی چھوڑ کر اور آخرت کے متعلق غلطیوں کو رفع کر کے قائل ہوں تب مومن باللہ و الیوم الآخرت کہلائیں گے اور ناجی ہوں گے تو یہ قید اہلِ کتاب کے لیے کیوں نہیں لگے گی اور وہ بھلا اُن غلطیوں کو رفع کیے ہوئے جو توحید اور قیامت کے متعلق اُنہوں نے اختیار کر رکھی ہیں کیسے مومن باللہ و الیوم الآخر کہلا سکیں گے۔

اب ہمارا مدعا حاصل ہو گیا اور علماء کی تقریر صحیح رہی کہ ایمان باللہ و لایوم الآخر کسی سے ہو جب ہی معتبر ہے کہ بالمعنی الصحیح ہو یعنی جب جس طرح مسلمان ایمان رکھتے ہیں اس طرح کا ایمان ہو تو آیاتِ مذکورہ سے صرف توحید کو نجات کے لیے کافی سمجھنے پر استدلال کرنا غلط ہوگا۔بلکہ وہی ایمان معتبر ہوگا جو جا بجا آیتوں سے ثابت ہے۔مثلاً قل اٰمن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ لانفرق بین احد من رسلہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے تمام رسولوں پر اس طرح کہ نہیں فرق کرتے کسی رسول کی تصدیق میں اور مثلاً

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۔(نساء:136)

اے ایمان والو! اللہ پر ایمان رکھو، اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری تھی۔

اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے۔

اور کسی ایک رسول کے جھٹلانے کو تمام رسولوں کا جھٹلانا فرمایا ہے۔

قوم نوح علیہ السلام اور عاد اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ سب کے بارے میں یہی لفظ ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ، كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ كَذَّبَتْ قَوْمُ لوطٍ الْمُرْسَلِينَ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ:(شعراء:106-123-141-160-176)وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ(قمر:141)

غرض آیاتِ قرآنی سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ صرف توحید نجات کے لیے کافی ہے۔رہی حدیث من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنة اس میں بھی اختصار ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے ہمارے عرف میں کہا جاتا ہے جو کلمہ پڑھ لے وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔اس کے معنی لغوی نہیں مراد ہوتے اور کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ جس کو لغت میں کلمہ کہہ سکیں اُس کو زبان سے کہنے سے مسلمان ہو جاتا ہے۔کیونکہ کلمہ ہر لفظ معنی دار کو کہتے ہیں کفار بھی ہر وقت بات چیت کرتے ہیں۔سینکڑوں کلمے زبان سے ادا ہوتے ہیں تو کیا وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔پس کلمہ سے مراد کلمہ اسلام ہے اور کلام میں اختصار ہر زبان میں رائج ہے۔مثلاً ریلوں کے نام میں ای-آئی-آر-جی-آئی-پی-ایس ایس آر۔جے ایم آر-تاریخ اور سنہ لکھتے وقت لکھتے ہیں رمضان 50 سنہ ھ یا جنوری 32 سنہ بعض الفاظ کثیر الاستعمال کو مختصر کرتے ہیں۔مثلاً ہٰذا خلف کو ہف۔ایضًا کی جگہ صرف دو زبر۔الی آخرہ کو الخ، رضی اللہ عنہ کو رضی اللہ عنہ، رحمۃ اللہ کو رحمۃ اللہ اور دلیل اس کی کہ من قال لا اِلٰہ اِلَّا اللہ میں اختصار ہے۔حدیث ہی کی دوسری روایتیں ہیں جن میں مختصر عنہ یعنی پورا کلمہ موجود ہے۔

حدیث جبرئیل میں ہے کہ پوچھا گیا: ماالاسلام قال الاسلام ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ۔یعنی کیا ہے اسلام؟ فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اقرار کرے کہ اللہ ایک ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔اور روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے

قال رسول اللہ من شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان عیسیٰ عبداللہ ورسولہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل۔

فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے جو کوئی اقرار کرے لا الہ الا اللہ کا اور اس کا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اور اس کا کہ حضرت عیسیٰؑ بندہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول ہیں اور کلمۃ اللہ ہیں جس کو حضرت مریمؑ کی طرف ڈالا اور روح اللہ ہیں اور اس کا کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے جس قسم کا اُس کا عمل ہو۔

اور روایت ہے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے قال قال رسول اللہ ﷺ:

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔

یعنی فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے نہیں سنے گا میری خبر کو کوئی اس اُمت میں سے یہودی یا نصرانی پھر اس حال میں مرجائے کہ نہیں ایمان لایا اس پر جو میرے اوپر اُتارا گیا۔ (یعنی قرآن پر) مگر ہوگا وہ ایک دوزخ میں سے ہے۔

ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کلمہ اسلام صرف لا الہ الا اللہ نہیں ہے بلکہ محمد رسول اللہ بھی اُس کا جزو ہے بوجہ کثرت استعمال کہیں اُس کو مخفف کر کے صرف جزو اول کو ذکر کیا گیا ہے۔ غرض آیات واحادیث سے عقیدہ نبوت کے غیر ضروری ہونے پر استدلال کرنا محض جہالت ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف توحید ہی کے لیے آئے ہیں۔ ابھی جو آیات واحادیث ہم نے لکھی ہیں اُن میں سے صاف موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت صرف توحید کی تعلیم کے لیے نہیں ہے بلکہ جنت اور نار وملائکہ اور قیامت وغیرہ کی تصدیق کرانے کے لیے بھی ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ماننے پر خلود فی النار موعود ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ عقائد کا راس الکل اور اصل الاصول توحید ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے عقائد ضروری نہیں۔

موٹی بات ہے کہ انسان کے بدن میں دل اشرف الاعضاء ہے لیکن اُس کے یہ معنی نہیں کہ صرف دل کا نام انسان ہے یا صرف دل کی بقاء سے حیات رہ سکتی ہے۔ بعض دیگر اعضاء بھی ایسے ہیں جن کے نہ رہنے بلکہ ماؤف ہونے سے حیات نہیں رہ سکتی جیسے دماغ اور جگر بلکہ پھیپھڑہ اور آنتوں تک کو بھی بقاء حیات میں دخل ہے حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں کہ یہ اعضائے شرف میں دل کے برابر ہیں اس طرح توحید راس العقائد سہی مگر دوسرے عقائد بھی ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے ایمان باقی نہ رہے گا اور سب کی تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں نہ صرف توحید کے لیے یہاں تک اس خیال کی کہ منکر نبوت کی نجات ہوسکتی ہے نقلاً تردید ہوئی۔ یعنی آیات واحادیث سے ثابت کیا گیا کہ منکر نبوت کی نجات نہ ہوگی۔

اس پر دلیل عقلی بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کا یہ خیال کرنا کہ منکرِ نبوت کی نجات ہوسکتی ہے دلیل الزامی سے باطل ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ محمدؐ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے، تو جو شخص آپؐ کی رسالت کی تکذیب کرتا ہے اور وہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو کاذب کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کاذب کہنا اُس کی توحید کا انکار ہے۔ کیونکہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات میں کمال میں یکتا ماننا اور کذب نقص ہے تو اُس نے صفت کمال میں یکتا نہ مانا تو توحید کا انکار کیا اور اس کے تم بھی قائل ہو کہ توحید کے منکر کو نجات نہیں تو اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ تمہارے ہی اصول سے منکر رسالت کو بھی نجات نہیں۔ **نعوذ باللہ من الجھل وسؤ الفھم۔**

اور ہم کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ جس کو اصل مقصود حاصل ہے غیر مقصود کا انکار اُس کو مضر نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو توحید بلا تعلیم نبیؐ کے حاصل ہے اُس کو نبیؐ کی تعلیم کی ضرورت نہیں اس جملہ کا جزو اول غلط ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ بلا تعلیم نبی کے توحید بھی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ توحید سے مراد توحید صحیح ہے ورنہ توحید کا مدعی ہر شخص ہے اور شرک کو سب بُرا سمجھتے ہیں لیکن اس دعوٰی سے موحد نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ غور کرنے اور تحقیق کرنے سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

جتنے مذہب اس وقت موجود ہیں توحید کے سب مدعی ہیں۔ اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ تو آسمانی مذہب رکھنے کے مدعی ہیں مگر اس پر بھی بوجہ تحریف کے تثلیث میں مبتلا ہیں جس کا شرک ہونا ظاہر ہے اور غیر اہل کتاب میں سے وہ فرقہ جو اپنے سوا کسی کو موحد مانتا ہی نہیں یعنی آریہ فرقہ اللہ کے ساتھ رُوح اور مادہ کو قدیم مانتا ہے جو صریح شرک ہے۔

غرض جس فرقہ کو بھی لیا جائے توحید صحیح سے دور ملے گا۔ قدماء فلاسفہ کو لیجیے جن کا عقلا ہونا ایک زمانہ تک مسلّم رہا۔ الٰہیات کے متعلق اُن کی کتبوں میں اُن کی تحقیقات موجود ہیں جن میں ایسی غلطیاں ہیں کہ اُن پر علمائے اسلام کے بچے بھی ہنستے ہیں۔ کوئی کہتا ہے الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد، اللہ تعالیٰ سے ایک ہی چیز

پیدا ہوسکتی ہے کوئی آسمان کے چرنے پھٹنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج مانتا ہے۔کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر بعض موجودات کو صفت قدم میں شریک مانتا ہے اور زبان سے اپنے آپ کو سب موحد ہی کہتے تھے اور شریک باری کو محال مانتے تھے اور جب تک علوم وحی سے مقابلہ نہ ہوا تھا تب تک عقلاء یا حکماء کے خطابات اُن کو دیئے جاتے تھے اور علومِ وحی کے آنے کے بعد سوائے اس کے کہ جُہلا یا احمق کا خطاب دیا جائے کسی قابل نہ رہے۔

غرض حاضرین ہوں یا ماضین توحیدِ صحیح تک بلا تعلیم نبوت کے کسی کو رسائی نہیں ہوئی۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا! توان رضت جز بر پئے مصطفا

جب جملہ مذکورہ کا جز واول غلط ہے تو جز دوم کا بنا فاسد علی الفاسد ہونا ظاہر ہے بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ توحید تو ادق مسائل ہے وہ بلا تعلیم نبی کے کیا حاصل ہوئی؟ موٹے موٹے مسائل میں بھی بلا تعلیم وحی کے فاش غلطیاں ہوتی ہیں اس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آخیر کتاب میں بیان کریں گے۔

رہا یہ کہ توحید کو عقلی مسئلہ کہا جاتا ہے اس کا مطلب کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نفسِ توحید نہایت اجمال کے مرتبہ میں عقلی ہے جیسا کہ وجود صانع بھی عقلی یعنی جس طرح کوئی اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ کوئی کام بلا کرنے والے کے آپ سے آپ ہوسکتا ہے اسی طرح کوئی عقل والا یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ دو خدا مل کر کام کرتے ہیں تب نظام عالم ہوتا ہے بلکہ اس صورت میں ہر شخص سمجھتا ہے کہ نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ چنانچہ اسی کو قرآن شریف میں استدلالاً بطور برہان تمانع پیش کیا گیا ہے:

لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا

یعنی اگر آسمان اور زمین میں ایک سے زائد خدا ہوتے تو آسمان وزمین سب ٹوٹ پھوٹ جاتے۔

غرض مسئلہ توحید کسی درجہ میں یعنی اجمال کے مرتبہ میں بے شک عقلی ہے اور جب تک کہ بذریعہ وحی حضرت آلہ جل جلالہ کے ذات وصفات اور اس مسئلہ کے متعلق تشریح کسی کو نہ پہنچی ہو وہ اجمالی عقیدہ توحید کے متعلق کافی ہے۔ لیکن علوم وحی کے پہنچ جانے کے بعد نہ یہ اجمال کافی ہے اور نہ کسی کو اُن سے معارضہ کا حق ہے بلکہ ہر شخص کے ذمے واجب ہے کہ غور کرے اور علوم وحی کو سمجھنے کی کوشش کرے اگر خلوص کے ساتھ اس کی کوشش کرے گا تو ضرور سمجھ میں آجائیں گے اور اپنی غلطیاں واضح ہوجائیں گی۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ بوجود واضح ہوجانے کے غلطی پر جے رہنا جائز ہوگا۔

آج کل جن بے دینوں کے متعلق مساہلت برتی جاتی ہے اور یہ سمجھ کر کہ وہ توحید کے قائل تھے اُن کی نجات کا عقیدہ رکھا جاتا ہے اور اُن کے واسطے استغفار کیا جاتا ہے درحالیکہ چاردانگ عالم میں علومِ وحی پھیلے ہوئے ہیں اور کتابیں موجود ہیں اور سمجھانے والے ہر جگہ تیار ہیں وہ اجمالی توحید سے یا غلط توحید سے کیسے ناجی ہوسکتے ہیں؟

سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نبی کے آجانے کے بعد کوئی اُس سے مستغنی نہیں ہوسکتا اور یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ جب اصل مقصود حاصل ہے تو غیر مقصود کا انکار مضر نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مسئلہ توحید کس حد تک عقلی ہے اور مسلمان کے منہ سے یہ لفظ نکلنا کہ صرف توحید بھی نجات کے لیے کافی ہے۔ جائے تعجب ہے۔ اس واسطے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو اُس کو سچا بھی ضرور سمجھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں نبوت کا اثبات موجود ہے۔ صدہا آیتیں اس مضمون کی ہیں جن میں سے چند آیتیں اُوپر مذکور ہوئیں۔ اور ایک آیت میں یہ صریح لفظ موجود ہے "محمد رسول اللہ" تو جب مسلمان کلامِ الٰہی کو سچا سمجھتا ہے تو حضورؐ کی رسالت کو ماننا بھی ضروری ہوا اور نہ کلامِ الٰہی کو جھوٹا سمجھنا لازم آئے گا۔ نعوذ باللہ

غرض تکذیبِ رسول تکذیب خدا ہوئی۔ یہ بہت موٹی بات ہے اور نبوت کے مسئلہ کی نظیر عرفی بھی حضرت مصنف مدظلہٗ نے کیا ہی واضح بیان فرمائی جس سے مسئلہ رسالت ہدایت کے مرتبہ میں آجاتا ہے اور اُس پر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اُس کی شرح کی ضرورت نہیں۔ (اسلام اور عقلیات، حصہ اول: 366-378)

الغرض دین محمدی کو قبول کرنا اس لیے تمام انسانوں پر ضروری ہے کہ وہ دین ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا اور جو اس کے پیرووں کی تحریف وتصریف اور تصرف سے برباد ہوگیا تھا، اسی کو صحیفہ محمدی لے کر آیا ہے، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا، کیونکہ اس کا نبی خاتم النبیین، اس کا دین کامل اور اس کا صحیفہ تمام صحف الٰہی پر مہیمن اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف سے اس کی پوری حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (سیرت النبیؐ: 4/338)

(427) (تحفہ قادیانت)

(428) (سیرۃ النبی شبلی: 3/429)

(**429**) قرآن کریم میں ہے:
اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (یس:65) ہم آج کے دن اُن کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔
یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے" کے بالکل ظاہر ہیں۔
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (بقرۃ:7) اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیے)
کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔
وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ (جاثیۃ:23) اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے۔ (یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیے)
کہ اس کے کان کے اندر دعوت رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (مطففین:25) یہ لوگ سربمہر خالص شراب پلائے جائیں گے۔
وہ سربمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اس کی تیزی کم ہوگئی ہے اس کے بعد یہ آیت ہے۔
خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (مطففین:26) جس پر مشک کی مہر ہوگی۔
یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اس میں سے نکلے گی یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ گایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی لاکھ یا موم کے بجائے مشک خالص سے بند ہوگا۔ (سیرت النبیؐ:429/3)

(**430**)(جامع الاصول، رقم:7496، ت:2203، م:1920، د:4252)
(**431**)(جامع الاصول، رقم:6340، خ:3535، م:2286)
(**432**)(مسلم، فضائل ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین، رقم:2287)
(**433**)(مسند احمد، رقم:21243)
(**434**)(مسلم، رقم:523)
(**435**)(باب ما اکرم اللہ نبیہ:16)
(**436**)(مسند احمد، رقم:17150)
(**437**)(بخاری، رقم:3706)
(**438**)(مسلم، رقم:2404)
(**439**)(مسلم، رقم:1842)
(**440**)(ترمذی، رقم:3686)
(**441**)(سیرۃ النبی شبلی نعمانی:3/430-431)
(**442**)(بخاری، مسلم:5963، ترمذی)
(**443**)(مسلم، رقم:1167)
(**444**)(ترمذی:2272، مسند احمد)
(**445**)(ابن ماجہ:4074، باب فتنۃ الدجال)
(**446**)(کنز العمال، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں، از مولانا منظور احمد الحسینی)
(**447**)(رحمۃ للعالمین ج2، ص:213 قاضی سلمان منصور رحمہ اللہ)
(**448**)(ختم نبوت کامل: ص 304 حصہ سوم از مفتی محمد شفیع و مرقاۃ المفاتیح ج5 ص24)
(**449**)(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں)
(**450**)(غایۃ السول فی تفصیل الرسول، نضرۃ النعیم:13)
(**451**)(سیرۃ النبی شبلی:256/3)
(**452**)(سیرۃ النبی شبلی:428/3)
(**453**)(معارف القرآن:160/3)
(**454**)(سیرۃ النبی شبلی:340/4)
(**455**)(سیرۃ النبی شبلی:340/4)
(**456**)(خصائص کبریٰ:198/6)
(**457**)(خصائص سیوطی:224/2)
(**458**)(سیرۃ النبی شبلی:427/3)
(**459**)(سیرۃ النبی شبلی:265/4)
(**460**)(سیرۃ النبی شبلی:427/3)
(**461**)(سیرت النبیؐ:427/3)
(**462**)(سیرۃ النبی شبلی:265/3)
(**463**)(سیرۃ النبی شبلی:365/3)
(**464**)(نضرۃ النعیم، ابواب عامۃ)
(**465**)(مسلم، رقم:523)

(466)(مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو، رقم:6981)
(467)(طبقات بن سعد:77)
(468)(سیرت البنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبلی نعمانی،144/2)
(469)(بخاری، رقم:1، مسلم، رقم:1907)
(470)(جامع العلوم والحکم، ص:5)
(471)(ترمذی، رقم: 1987، مسند امام احمد: 52/5، سنن دارمی :2794، مستدرک حاکم:54/1)
(472)(مسلم، رقم:55)
(473)(الشفا للقاضی عیاض:173/1-176، خصائص، اقسام الاخصاص، النوع الاول:9، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم 459/1، سیل الهدی الرشاد فی سیرۃ خیر العباد، سیرۃ النبیؐ، شبلی:144/2)
(474)(صحیح بخاری، رقم:335، مسلم، رقم:523)
(475)(شمائل ترمذی، حیاۃ الصحابہ:742/2)
(476)(صحیح بخاری، اللباس، المزرر بالذھب، رقم:5862)
(477)(سیرت النبیؐ:423/3)
(478)(مشکاۃ المصابیح۔رقم:5762)
(479)(مظاھر حق:291/5، البدایۃ والنہایۃ:687/4)
(480)(بدآیۃ السول:ص 35)
(481)(تفسیر ابن کثیر:198/4)
(482)(بخاری مع الفتح، رقم:7410، مسلم، رقم:193)
(483)(بخاري مع الفتح، رقم:4837، مسلم، رقم:2820)
(484)(رواہ البزار، مجمع الزوائد: 8/ 269، الحافظ السیوطي في الخصائص الکبري:336/2)
(485)(مسند احمد، مسند الانصار، حدیث حزیفۃ بن یمان، رقم:23336)
(486)(البدایۃ والنہایۃ:702/4)
(487)(البدایۃ والنہایۃ، شمائل، ماعطی رسول اللہ وما اعطی الانبیاء قبلہ: 4/ 681، نضرۃ النعیم، نداؤہ بوصف النبوۃ، 7: 1/ 457، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، نبی، فقرۃ:31)
(488)(بدایۃ السول، ص:38)
(489)(الوفاء فی أحوال المصطفی، ص:363، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم 458/1)
(490)(البدایۃ:681/4)
(491)(بدایۃ السول، ص:37)
(492)(رواہ ابن جریر:30/14، تفسیر ابن کثیر:575/2)
(493)(تفسیر ابن کثیر:3/3 بتصرف)
(494)(تفسیر ابن جریر: 17/ 83، تفسیر القرطبي: 11/ 350، تفسیر ابن کثیر:211/3، 212)
(495)(مسلم، رقم:2599)
(496)(المستدرك للحاکم:35/1)
(497)(مسلم، رقم:2355)
(498)(أبو داود، رقم:4659، مسلم، رقم:2601)
(499)(رواہ ابن أبي حاتم وابن جریر بمعناہ- انظر تفسیر ابن جریر: 154/9، تفسیر ابن کثیر:317/2)
(500)(مسلم، رقم:2531)
(501)(أبو داود، رقم:1194)
(502)(بخاری، رقم:2977، ومسلم، رقم:523/6)
(503)(بخاری، رقم:7037، مسلم رقم:2274/22)
(504)(بخاری، رقم:6590، مسلم، رقم:2296)
(505)(تفسیر ابن کثیر:55/2)
(506)(مسلم، رقم:384)
(507)(رواہ السیوطي في الخصائص:390/2)
(508)(فتح الباری:113/2)
(509)(بخاری، رقم:614)
(510)(مسند احمد:، رقم:11783)
(511)(رواہ الطبراني في الأوسط، مجمع الزوائد:333/1)
(512)(معارف الحدیث:111/3)
(513)(بخاری، رقم:7510)
(514)(مشکاۃ المصابیح۔رقم:5762)
(515)(مشکاۃ المصابیح، رقم:5765، ابن ماجہ، رقم:4308)
(516)(بخاری، رقم:3398)
(517/1)(مسلم، رقم:197)
(517/2)(مشکاۃ المصابیح۔رقم:5762)
(518)(صحیح ابن حبان، رقم:6479)
(519)(ترمذی، رقم:3001)

(**520**)(مجمع الزوائد:8/269، الخصائص الکبری:2/336)

(**521**)(بخاری، مسلم، رقم:1747)

(**522**)(بخاری، رقم:335، مسلم، رقم:521)

(**523**)(مسلم، رقم:523)

(**524**)(بخاری، رقم:335)

(**525**)(رواہ الإمام أحمد في مسنده:24855)

(**526**)(بخاری، رقم:3038، مسلم، رقم:1733)

(**527**)(إمام أحمد في مسنده:5/393)

(**528**)(مسنداحمد، مسند الکوفیین، حدیث ابی موسیٰ اشعری، رقم:19537)

(**529**)(بخاري، رقم: 876، مسلم، رقم: 855، مشکوٰة:صلوٰة الجمعة، رقم:1354)

(**530**)(ابو داؤد:الجمعة/فصل یوم الجمعة ولیلة الجمعة، رقم:1046، ترمذی، رقم:491، مشکوٰة مع مظاہر حق:الجمعة، رقم:1359)

(**531**)(مسلم، رقم:125)

(**532**)(ابن ماجه، رقم:2043)

(**533**)(بخاري، رقم:6491، مسلم، رقم:131)

(**534**)(مسلم، رقم:2889)

(**535**)(مسلم، رقم:2890)

(**536**)(أبو داود، رقم:4301)

(**537**)(ترمذی، رقم:2167)

(**538**)(بخاری، رقم:3641، مسلم، رقم:1920)

(**539**)(بخاری، رقم: 1367، مسلم، رقم:949، مظاہر حق:2/129)

(**540**)(مسلم، رقم:522)

(**541**)(مسلم، رقم:430)

(**542**)(بخاری، رقم:136، مسلم، رقم:246)

(**543**)(مسلم، رقم:247)

(**544**)(بخاری، رقم:4487)

(**545**)(بخاری، رقم:6573، مسلم، رقم:182)

(**546**)(بخاری، رقم:876، مسلم، رقم:855/20)

(**547**)(بخاری، رقم:3459)

(**548**)(بخاری، رقم:2271)

(**549**)(بخاری، رقم:6528، مسلم، رقم:221)

(**550**)(ترمذي، رقم:2546)

(**551**)(بخاری، رقم:6472)

(**552**)(بخاری، رقم:876، مسلم، رقم:855/20)

(**553**)(مسلم، رقم:، 856)

(**554**)(ابن ماجه، رقم:4290)

(**555**)(مسلم، رقم:1072)

(**556**)(مسلم، رقم:1077)

(**557**)(بخاري، رقم:5254)

(**558**)(مسند احمد، رقم:14787)

(**559**)(أبو داود، رقم:4359)

(**560**)(بخاری، رقم:1961، مسلم، رقم:1102)

(**561**)(بخاری، رقم:1964، مسلم:1105)

(**562**)(بخاری، رقم:7420)

(**563**)(بخاري، رقم:1832، مسلم، رقم:1354)

(**564**)(ابو داود، رقم:4361)

(**565**)(ابو داود، رقم:4363، الفتاوی البزازية 6/ 321 - 322، فتاوی علیش 2/25، تبصرة ابن فرحون 2/286، الجمل على المنهج 5/ 130، التحفة مع حاشيتي الشرواني وابن قاسم العبادي 8/ 96، مغني ابن قدامة 8/150، الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف 10/ 326، 332، الزرقاني على المواهب 5/318، 319 - ط دار المعرفة۔ الفتاوى البزازية 6/ 322، والزرقاني على المواهب 5/ 321، منح الجليل 4/477، فتح العلي المالك 2/25، الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف 10/ 332. فتح القدير 4/ 381، 407، منح الجليل 4/ 477، الزرقاني على خليل 3/ 147، الخرشي 4/ 149، المغني لابن قدامة 8/ 233، 525، الإنصاف 10/ 333. سورة الأنفال/ 38. الزرقاني على خليل 3/147، الخرشي 4/149. الجمل على المنهج 5/ 227، شرح روض الطالب 4/223. تبصرة الحكام ص 192- 193، وتبصرة ابن فرحون 2/ 288، إعانة الطالبين 4/ 136، الهندية 2/ 263، الزرقاني على خليل 3/ 147،، عصمة الانبياء للامام الرازی، مقالة دکتور عوامه عصمة الانبياء واقتضائها، السلامة من كل قادح السهو والنسيان)

(**566**)(بخاري، رقم:6094، مسلم، رقم:2607)

(**567**)(بخاري، رقم:34، مسلم، رقم:58)

(568)(بخاري، رقم:3461)
(569)(بخاري، رقم:1291، مسلم، رقم:4)
(570)(مسلم، رقم:423)
(571)(بخاري، رقم:741، مسلم، رقم:424)
(572)(بخاری، رقم:3768، مسلم، رقم:2447)
(573)(ترمذي، رقم:2312، سبل الهدی والرشاد جماع أبواب معجزاته صلى الله عليه وسلم في رؤيته المعاني في صورة المحسوسات، ج:10)
(574)(مسلم، رقم:735)
(575)(بخاری، رقم:6730، مسلم، رقم:1758)
(576)(بخاری، رقم:6729، مسلم، رقم:1760)
(577)(بخاری، رقم:6994، مسلم، رقم:2266)
(578)(مشکوٰۃ، رقم:5762)
(579)(مجمع الزوائد، رقم:1033)
(580/1)(فتح الباری:307/7)
(580/2) (سراجاً منیراً کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: حضرت مولانا قاری طیب صاحب کی کتاب: سراجاً منیراً)
(581/1)(جامع الاصول، رقم:8818)
(581/2)(بخاری، رقم:680)
(582)(جامع الاصول، رقم:4298)
(583)(جامع الاصول، رقم:8787)
(584)(جامع الاصول، رقم:8784)
(585)(دلائل النبوۃ للبیهقی:1/289)
(586)(مستدرک حاکم:543/3)
(587)(جامع الاصول، دلائل النبوۃ للبیهقی:286/1)
(588)(رواہ البیهقی)
(589)(دلائل النبوۃ للبیهقی:298/1)
(590)(جامع الاصول، رقم:662)
(591)(مجمع الزوائد للهیثمی:283/8)
(592)(جامع الاصول، رقم:8808)
(593)(جامع الاصول، رقم:8802)
(594)(جامع الاصول، رقم:8308)
(595)(دلائل النبوۃ للبیهقی:286/1)
(596)(بیہقی، ابن عساکر، بزار)
(597)(ابن سعد و ابن عساکر)
(598)(دلائل النبوۃ للبیهقی:298/1)
(599)(بخاری، رقم:6770)
(600)(دلائل النبوۃ للبیهقی:298/1)
(601)(تهذیب الکمال للمزی:276/18)
(602)(الثقات لابن حبان:145/2)
(603)(البدایۃ والنهایۃ لابن کثیر:18/6)
(604)(الثقات لابن حبان:145/2)
(605)(مسلم، رقم:2339)
(606)(مسند احمد، رقم:684)
(607)(البدایۃ والنهایۃ لابن کثیر:18/6)
(608)(جامع الاصول، رقم:8790)
(609)(المعجم الاوسط:188/6)
(610)(ترمذی، رقم:3638)
(611)(ترمذی، رقم:2312)
(612)(مسلم، رقم:426)
(613)(بخاری، رقم:418)
(614)(دلائل النبوۃ للبیهقی:75/6)
(615)(مسلم، رقم:2889)
(616)(بخاری، رقم:86، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سبل الهدیٰ الرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج:10، جماع أبواب معجزاته صلى الله عليه وسلم في رؤيته المعاني في صورة المحسوسات)
(617)(جامع الاصول، الثقات لابن حبان:145/2)
(618)(الثقات لابن حبان:145/2)
(619)(جامع الاصول، رقم:8560)
(620)(تخریج احادیث المصابیح للمناوی:43/2)
(621)(سنن دارمی، رقم:2)
(622)(جامع الاصول، ابن حبان:145/2)
(623)(جامع الاصول، بن حبان الثقات:145/2)
(624)(معجم ابن الاعرابی، رقم 1181)
(625)(جامع الصغیر مسیوطی:6460)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(**626**)(دلائل النبوۃ بیہقی:298/1)
(**627**)(جامع الاصول،رقم:2618)
(**628**)(بخاری،رقم:5997)
(**629**)(بخاری،رقم:1303،مسلم،رقم:2315)
(**630**)(المعجم الاوسط طبرانی:334/6)
(**631**)(تخریج احادیث المصابیح للمناوی:43/2)
(**632**)(جامع الاصول،رقم:4421)
(**633**)(الادب المفرد،رقم:251)
(**634**)(جامع الاصول،رقم:4290-789-6112)
(**635**)(مجمع الزوائد ھیثمی:225/9)
(**636**)(شعب الایمان للبیہقی،رقم:1362)
(**637**)(جامع الصغیر للسیوطی،رقم:6464)
(**638**)(البدایۃ والنھایۃ:21/6)
(**639**)(مسلم،رقم:2339)
(**640**)(دلائل النبوۃ للبیہقی:298/1)
(**641**)(مسند احمد،رقم:8481)
(**642**)(الاستیعاب فی معارفۃ الاصحاب،ص:1029،مجمع الزوائد282/8)
(**643**)(مسلم،رقم:2039)
(**644**)(مجمع الزوائد:189/3)
(**645**)(بخاری،رقم:4151)
(**646**)(بخاری،رقم:4210)
(**647**)(حیاۃ الصحابۃ:741/2،طبرانی)
(**648**)(مسند احمد،رقم:2749)
(**649**)(مرقاۃ تحت رقم مشکاۃ:5860)
(**650**)(تاریخ دمشق:4/4)
(**651**)(المقاصد الحسنۃ:،رقم:45)
(**652**)(المقاصد الحسنۃ،ص:49،کنز العمال:31895)
(**653**)(بخاری،رقم:3567)
(**654**)(الکامل فی الضعفاء لابن عدی:362/3)
(**655**)(المعجم الکبیر للطبرانی،رقم:6510)
(**656**)(المعجم الاوسط للطبرانی،رقم:3778)
(**657**)(ابن عساکر،حیاۃ الصحابۃ:459/2)
(**658**)(ابو داؤد،رقم:1957)
(**659**)(معجم کبیر،طبرانی،رقم:3605)
(**660**)(مسلم،رقم:464)
(**661**)(مسلم،رقم:2750)
(**662**)(ترمذی،رقم:2676)
(**663/1**)(بخاری،رقم:4621)
(**663/2**)(نسائی،رقم:2062)
(**663/3**)(بخاری،رقم:6362)
(**664**)(ترمذی،رقم:3638)
(**665**)(البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر:18/6)
(**666**)(دلائل النبوۃ،بیہقی:298/1)
(**667**)(ترمذي،رقم:2312)
(**668**)(بخاری،رقم:1149)
(**669**)(مسند امام احمد:21516)
(**670**)(دلائل النبوۃ للبیہقی:298/1)
(**671**)(میزان الاعتدال للذھبی: 3/ 229،الموسوعة الفقهية الکویتیة،لحیة)
(**672**)(مسلم،رقم:2341)
(**673**)(شمائل ترمذی،رقم:371/93،بشریٰ)
(**674**)(ترمذی،رقم:3297)
(**675**)(مسند احمد،رقم:2738)
(**676**)(بخاری،رقم:5892)
(**677**)(ترمذی،رقم:2761)
(**678**)(ابو داود،رقم:188)
(**679**)(مسند احمد،رقم:20992،تخریج شرح السنۃ،رقم:3654)
(**680**)(تخریج الاحیاء للعراقی:187/1)
(**681**)(البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر:48/6)
(**682**)(مسلم،رقم:2347)
(**683**)(عون المعبود:31/1)
(**684**)(الآداب للبیہقی:384)
(**685**)(المعجم الاوسط للطبرانی:264/6)
(**686**)(بخاری،رقم:5923)

(687)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(688)(تاریخ دمشق لابن عساکر:262/3)
(689)(بخاری، رقم:3149)
(690)(بخاری، رقم:3551)
(691)(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر:21/6)
(692)(مجمع الزوائد للهیثمی:25/6)
(693)(ترمذی، رقم:3234، مسند احمد، رقم:3484)
(694/1)(بخاری، رقم:2350)
(694/2)(خصائلِ نبویؐ، شرح شمائل ترمذی: 32، شرح شمائل ترمذی، مولانا عبدالقیوم حقانی:202/1)
(695)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(696)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(697)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(698)(ترمذی، رقم:3234، مسند احمد، رقم:3484)
(699)(بخاری، رقم:2013)
(700)(مسند احمد، رقم:746)
(701)(السلسلۃ الصحیحۃ:593/7)
(702)(ابو داود، رقم:5224)
(703)(دلائل النبوۃ للبیقھی:298/1)
(704)(مسند احمد، رقم:23225)
(705)(مسلم، رقم:424)
(706)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(707)(جامع الاصول، رقم:8791)
(708)(الاستذکار لابن عبدالبر:336/7)
(709)(بخاری، رقم:5907)
(710)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(711)(دلائل النبوۃ للبیہقی:286/1)
(712)(مجمع الزوائد:285/8)
(713)(بخاری، رقم:5335)
(714)(بخاری، رقم:3360)
(715)(اتحاف الخیرۃ المہرۃ:90/7)
(716)(مسلم، رقم:2329)
(717)(دلائل النبوۃ للبیہقی:305/1)
(718)(مجمع الزوائد282/8)
(719)(ابن ماجہ، رقم:2310)
(720)(السیرۃ النبوی لابن ہشام)
(721)(السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی:1000/6)
(722)(بخاری، رقم:119)
(723)(سنن نسائی، رقم:633)
(724)(مسند احمد، رقم:22211)
(725)(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، خزیمۃ بن عاصم:2265)
(726)(الصابۃ فی تمیز الصحابۃ، قتادۃ بن ملحان القیس، رقم:1212، اسد الغابۃ، باب القاف والتاء)
(727)(اسد الغابۃ، اسید بن ابی ایاس، کنز العمال:253/15)
(728)(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، رقم:13840)
(729)(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، السائب بن یزید)
(730)(بخاری، رقم:4039)
(731)(بخاری، رقم:3585)
(732)(بخاری، رقم:344)
(733)(مسلم، رقم:706)
(734)(ترمذی، رقم:3645)
(735)(بخاری، رقم:3373)
(736)(البخاری، رقم:5909)
(737)(بخاری، قم:5910)
(738)(جامع الصغیر للسیوطی:6457)
(739)(تاریخ الاسلام للذہبی:427/1)
(740)(دلائل النبوۃ بیہقی:286/1)
(741)(ابو داود، رقم:2214، مجمع الزوائد:283/8)
(742)(ابو داود، رقم:2214)
(743)(دلائل النبوۃ:286/1)
(744)(دلائل النبوۃ:257/1)
(745)(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ص:1119)
(746)(مسلم، رقم:2339)
(747)(بخاری، رقم:1888)

(748)(الخصائص الکبریٰ للسیوطی:124/1)
(749)(بخاری،رقم:3686)
(750)(مسلم،رقم:715)
(751)(بخاری،رقم:2967)
(752)(سنن الکبریٰ،رقم:13903)
(753)(مجمع الزوائد:391/9)
(754)(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ)
(755)(خطبات علی میاں:8/136-137)

(756) ❏ **بعثت نبوی سے پہلے کے حالات**

چھٹی صدی مسیحی جس میں حضور ﷺ کی بعثت ہوئی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور تھا۔(نبی رحمت:56)
اس میں عالمگیر پیمانہ پر یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ پوری نوع انسانی خودکشی پر آمادہ ہی نہیں کمربستہ ہے،گویا ساری دنیا نے خودکشی کی قسم کھا رکھی ہے اور ساری دنیا میں خودکشی کی تیاری ہو رہی ہے،اس وقت صورتحال اتنی سنگین،اتنی نازک،اتنی مہیب اور اتنی پیچیدہ تھی کہ قلم سے اس کی تصویر اور زبان وادب کی بڑی قدرت وصلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں۔

● **حکمرانوں کا حال**

رومی اور ایرانی جو اس وقت دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے وہ دنیا کے لیے کوئی اچھا نمونہ بننے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار اور ذمہ دار تھے ان کے بادشاہ خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے،خواہشات نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا،زندگی کی ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیر نہیں ہوتی تھی۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندویؒ:32)
حکمران سخت گیر،آمرانہ طبیعت والے مطلق العنان بادشاہت کا مزاج رکھتے تھے۔
اکثر یہ بادشاہت مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی جیسا کہ ایران میں آل ساسان کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کو موروثی حق ہے اور انہیں تائید الٰہی حاصل ہے،عام رعایا کو بھی پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلایا گیا تھا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندویؒ:66)
کہیں یہ بادشاہت بادشاہوں کی عظمت پر قائم ہوتی جیسے اہل چین اپنے بادشاہ کو شہنشاہ فرزند آسمان کہتے تھے کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین مادہ ہے ،کائنات کو انہیں دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ ختا اول زمین وآسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔
(تاریخ چین از جمس کارکرن،انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندوی:67)
کہیں بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھی جاتی جیسے کہ مملکت روما میں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت کرنا بنیادی قانون تھا دوسرے ان کے غلام تھے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندویؒ:67)
عیش وعشرت کے لیے رعایا سے بیگار لیتے تھے عوام کو ٹیکسوں کی بھرمار اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسا جکڑا ہوا تھا کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپاؤں سے ذرا مختلف نہ تھی،دوسروں کی راحت کے لیے محنت کرنا اور دوسروں کے عیش وعشرت کے لیے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جُتے رہنا ہی ان کا کام تھا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندویؒ:32)

عیش پرستی

روم وایران کے بادشاہ،امراء،رؤسا پر عیش پرستی کا بھوت سوار تھا۔
(1) کسریٰ کے پاس پچاس ہزار اصیل گھوڑے تھے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندوی:74)
(2) مدائن کی فتح کے بعد ترکی خیموں سے جو سربمہر ٹوکرے ملے جن کے بارے میں گمان تھا کہ اس میں کھانے کا سامان ہوگا ان میں سونے چاندی کے برتن تھے۔(تاریخ طبری،انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندوی:15)
(3) قالین جس پر بیٹھ کر ایران کے امراء،موسم خزاں میں شراب پیتے تھے وہ 60 گز مربع تھا تقریباً ایک ایکڑ زمین کو گھیر لیتا تھا۔
(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ابوالحسن علی ندوی:71)

(4) شاہان ایران کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے خزانہ میں نقد روپیہ اور قیمتی اشیاء جمع کرتے، خسرو دوم نے 607-608ء میں طیفون (مدائن) میں اپنے خزانہ کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھیالیس کروڑ اسی لاکھ مثقال سونا تھا، یعنی تقریباً سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چار ارب اڑسٹھ کڑور روپے) حکومت کے تیرھویں سال کے بعد اس کے خزانہ میں اسی کڑور مثقال وزن کا سونا تھا، خسرو دوم کے تاج میں 120 پونڈ (یعنی ڈیڑھ من) خالص سونا تھا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 71)

شعبی کہتے ہیں کہ اہل ایران اپنے سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے وہ ان کی اس حیثیت کے مطابق ہوتی تھی جو انہیں اپنے قبیلہ میں حاصل تھی، چنانچہ جو اپنے قبیلہ میں شرافت وعزت کے لحاظ سے معیار ہوتا تھا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کی ہوتی تھی، ہرمز کا شمار انہیں افراد میں تھا کن کی سیادت تسلیم شدہ تھی لہٰذا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی تھی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 77)

روم وایران کے بادشاہوں، شہزادوں اور ان کے گھر کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ ان کے بچے سونے چاندے سے کھیلتے تھے یہ اپنے گھوڑوں کی نعلین بھی جواہرات سے جڑتے اور درودیوار کو بھی ریشم سے سجاتے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 80)

(5) رومی حکومت کے عہد میں شام اور اس کے مرکزی شہروں کا بھی یہی حال تھا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جنہوں نے اسلام سے پہلے شام کے غسانی امراء کی جلسوں میں شرکت کی تھی وہ جبلہ بن ابہم عیسائی کی مجلس کا نقشہ کھینچتے ہیں:

میں نے دس باندیاں دیکھیں جن میں پانچ روم کی تھیں جو بربط پر گا رہی تھیں اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کے دھن میں گا رہی تھی جنہیں عرب سردار ایاس بن قبیصہ نے تحفۃً بھیجا تھا، اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گویوں کی ٹولیاں جاتی تھیں، جبلہ جب شراب نوشی کے لیے بیٹھتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چمیلی جوہی وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک وعنبر لگائے جاتے، چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلایا جاتا اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لیے گرمیوں کا لباس آتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتا، جاڑوں میں سمور قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کیے جاتے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 76)

مدائن کی فتح کے وقت شہنشاہ ایران یزدگرجس بے سروسامانی اور پریشانی میں دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں مگر اس عجلت و پریشانی میں بھی وہ اپنے ساتھ جو سامان لے گیا ہے اس سے اس ذہنیت اور معیار تمدن کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ایران بعہد ساسانیاں کا مصنف لکھتا ہے:

یزدگرا پنے ہمراہ ایک ہزار باورچی ایک ہزار گوئیے ایک ہزار چیتوں کے محافظ ایک ہزار بازدار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا، اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 77-78)

ہرمزان شکست کھانے کے بعد جب پہلی بار مدینہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس نے پانی مانگا، پانی ایک موٹے سے پیالہ میں لا گیا، اس نے کہا چاہے میں پیاسا مر جاؤں مگر اس بھدے پیالہ میں پانی پینا میرے لیے ممکن نہیں، چنانچہ اس کے لیے تلاش کر کے دوسرے برتن میں پانی لایا گیا جس سے وہ پی سکا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 78)

ٹیکس

اس عیاشی کو پورا کرنے کے لیے حکمران، امراء کی طرف سے قوم پرنت نئے ٹیکس لگائے جاتے ان بھاری بھر کم ٹیکسوں نے رعایا کی کمر توڑ رکھی تھی۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 36-70-73)

● عوام کا حال

متوسط طبقہ کے لوگ ہر زمانہ کے دستور کے مطابق اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے، اور نچلے طبقہ کے لوگ ٹیکسوں اور معاشی مسائل میں گھرے رہتے اور اس خشک بدمزہ زندگی سے جب تنگ آجاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے موقع ملتا تو فاقہ زدہ ندیدہ انسانوں کی طرح مذہب واخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گر پڑتے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی: 33-80)

عورت اور جنسی بحران

روم میں لوگ ازدواجی زندگی پر تجرد کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے تا کہ آزادی سے انہیں کھیل کھیلنے کا موقع ملے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:36)

جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات دنیا کے تہذیب یافتہ لوگ ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی فطری سمجھ کر اس سے نفرت کرتے ہیں ایرانیوں میں ان رشتوں کی حرمت کا بھی پاس نہ رہا تھا:

(1) یزدگرد دوم (پانچویں صدی کا حکمران) نے اپنی لڑکی سے نکاح کیا پھر قتل کر دیا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:40)

(2) بہرام چوبیں (چھٹی صدی کا حکمران) نے اپنی بہن کو نکاح میں رکھا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:40)

(3) تیسری صدی عیسوی میں ایران میں ایک شخص مالی آیا اس نے شدید شہوانی رجحانات کا حل یہ نکالا کہ نکاح نہ کرنے کی ترغیب دی تا کہ انسان جلد ختم ہو جائیں اور نسل انسانی ختم ہو کر نور کو ظلمت پر فتح حاصل ہو جائے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:41)

(4) پھر ایران ہی میں ایک شخص مزدک (487ء) آیا اس نے یہ اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے لہٰذا ہر ایک کے لیے ہر ایک کا مال و دولت اور عورت سب حلال، شاہ ایران (قباذ) نے اس تحریک کی سرپرستی کی نتیجہ یہ کہ یہ تحریک ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور پورے کا پورا ایران جنسی انارکی اور شہوت میں ڈوب گیا، جو جس کے گھر میں چاہتا گھس جاتا جس پر چاہتا قبضہ کر لیتا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:41-42)

کسریٰ پرویز نے بارہ ہزار عورتیں رکھی ہوئی تھیں۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:74)

(5) ہندوستانی سماج میں عورت کو ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھا جاتا تھا شوہر مر جاتا تو عورت گویا جیتے جی مر جاتی، وہ اس کو کبھی دوسری شادی کرنے کا حق ہوتا اکثر تو شوہر کے ساتھ ہی اپنے آپ کو جلا دیتی۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:56)

اور جنسی بحران کا عالم یہ تھا کہ بڑے دیوتا (شیو) کے آلہ تناسل کی پوجا ہوتی تھی بچے بڑے جوان مرد و عورت سب اس میں شریک ہوتے تھے۔ ایک مذہبی فرقہ کے مرد برہنہ عورتوں کی اور عورتیں برہنہ مردوں کی پرستش کرتے تھے مندروں کے محافظ بداخلاقی کا سرچشمہ تھے۔

(6) عرب میں بھی عورت کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے نہ ترکہ ملتا نہ شوہر کے مرنے کے بعد اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی تھی۔ دوسرے سامان کی طرح وہ بھی میراث میں منتقل ہوتی کھانے میں بہت سی چیزیں ایسی تھی جو مردوں کے لیے خاص تھیں عورتیں ان سے محروم تھیں۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی روایت تمام عرب میں رائج تھی۔

زنا عام تھا اس کے بہت سے طریقے رائج تھے اڈے تھے شراب خانے تھے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:60-61)

ظلم عام تھا

روم کا حال یہ تھا کہ جس طرح چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے اس طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:37)

رومیوں کے لیے سب سے دلچسپ نظارہ وہ ہوتا تھا جب انسانوں/ جانوروں کی لڑائی میں شکست خوردہ، زخمی جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا اور موت کے کرب میں آخری ہچکیاں لے رہا ہوتا اس وقت ان کے اہل ثروت اس تماشہ کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کے کنٹرول سے بھی باہر ہو جاتا۔(نبی رحمت:614)

عیسائی مشہور جرنیل (بنوسوس) نے 610ھ میں ہزاروں یہودیوں کو تلوار سے، سینکڑوں کو غرق کر کے۔ آگ میں جلا کر درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:39)

ایرانیوں نے یہودیوں کے کہنے پر 615ھ میں عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کیے۔

پھر عیسائیوں نے فتح کے بعد ہرقل نے یہودیوں پر ظلم کیا صرف وہ یہودی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپ گئے۔ یہ دو بڑے مذاہب کا حال تھا۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:40)
عرب مفلسی کی وجہ سے بچوں کے عار کی وجہ سے عورتوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:61)
جنگ کرنا خون بہانا، ان کے لیے معمولی کام تھا جنگ کو بھڑ کانے کے لیے معمولی واقعات بھی کافی تھے۔
بنو بکر و تغلب کے درمیان 40 سال جنگ جاری رہی، پانی کی طرح خون بہا، دنوں خاندان مٹ گئے، ماؤں نے اولا دکھوئی، بچے یتیم ہوئے آنسو خشک نہیں ہوتے تھے، لاشیں دفن نہیں ہوتی تھیں، پورا جزیرہ عرب شکاری کا جال تھا، عظیم الشان سلطنتیں قافلوں اور سفارتوں کے لیے، چوکی، پہرہ، قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑی تھی، کسی کو معلوم نہ تھا کب قتل کر دیا جائے گا کب اغوا ہو جائے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:63)
جنگ وجدال ان کے لیے زندگی کی ایک ضرورت سے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا۔ اگر ان کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو وہ اس خواہش کی تسکین کیے لیے اپنے ہی حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:62)
یورپ میں خونریز جنگیں ہوتی تھیں۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:37)
مصر کے دس سال 41-631ء کی تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔
(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:36)

قوم پرستی، طبقاتی تقسیم

(1) ایران: اونچ نیچ کا فرق طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا جس میں ردوبدل ناممکن تھی یہ لوگ اپنی ایرانی قوم کو دنیا کی ہر قوم ونسل سے افضل اور دیگر اقوام کو حقیر سمجھتے تھے۔1) مذہبی گھرانوں اور سرداروں کے بارے میں ان کا عقیدہ یہی ہوتا کہ یہ لوگ عام سطح سے بلند ہیں، ان کو غیر محدود اختیارات دے رکھے تھے۔

(2) روم کا بھی یہی حال تھا بڑے عہدے بڑے خاندانوں کے لیے تھے، مال ودولت خوشحالی مخصوص افراد میں محدود تھی۔

(3) ہندوستان: طبقہ واری امتیاز ذات پات کی تفریق نے سب کو مات دیدی تھی۔(1) مذہبی طبقہ برھمن (2) سیاسی فوجی طبقہ چھتری (3) کاروباری طبقہ ویش (4) غریب طبقہ شودرا چھوت۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:52)
برہمنو کو دوسری ذاتوں کے مقابلہ میں اتنا امتیاز اور تفوق تھا کہ وہ دیوتاؤں کے ہمسر بن گئے تھے، برہمن کو ضرورت ہو تو وہ جبراً شودر کا مال لے سکتا ہے تھا اگر اس کو (برھمن) وید یاد ہو تو وہ بالکل گناہ سے پاک ہوگا۔ کسی بادشاہ کو ان سے ٹیکس لینے کا حق نہ تھا۔ سزائے موت کی جگہ صرف ان کا سرمونڈنا کافی تھا۔ دس سال کے برھمن کو سو سال کی چھتری پر وہ مرتبہ حاصل تھا جو باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے، برھمن کو باپ کی حیثیت دی گئی تھی۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:54)

اچھوت/شودر: یہ مذہبی وشہری قانون کی رو سے تینوں طبقوں کے خادم تھے ان کے حیثیت جانوروں، کتوں سے بھی کمتر تھی، نہ ان کو مال ودولت جمع کرنے کی اجازت تھی۔ اگر یہ دوسروں پر ہاتھ اٹھاتے تو ہاتھ، پیر اٹھاتے تو پیر کاٹ دیا جاتا۔ اگر ساتھ بیٹھتے تو سرین کو داغ کر ملک بدر کر دیا جاتا، گالی دیتے تو زبان تالو سے کھینچ لی جاتی۔ برابری کا دعویٰ کرتے تو کھولتا ہو تیل پلایا جاتا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:55)

(4) عرب: قبیلوں اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جتھہ بندی ان میں بہت سخت تھی، ان کے یہاں مشہور تھا انصر اَخاک ظالما اَو مظلوما۔ اس معاشرہ میں مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندان اور گھرانے تھے۔ جو خاندان اونچے سمجھے جاتے وہ دوسروں کی رسوم، خوشی، غمی حتی کہ مذہبی عبادتوں میں بھی الگ رہتے، جیسے قریش عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا عار سمجھتے، آنے جانے میں پیش قدمی کرتے۔
ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں سے تھا ایک طبقہ کم حیثیت لوگوں کا جن سے بیگار لیا جاتا اور کام پر لگایا جاتا۔ کچھ عوام اور بازاری لوگ تھے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:61)

● **مذہبی حال**

مذہب ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے باطن کی اصلاح کرتا ہے، اخلاق کو سنوارتا ہے، نفسانی خواہشات کو دبانے اور نیک خواہشات کو ابھرنے کی طاقت اس

میں ہوتی ہے وہ خاندانوں کا نظام زندگی۔ ملک کا دستور حکومت ہوتا ہے۔ ظالم کا ہاتھ پکڑتا ہے مظلوم کو اس کا حق اور انصاف دلاتا ہے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:45)

لیکن جب مذاہب ہی کی شکلیں بگڑ جائیں تو یہ تاثیر کیسے ظاہر ہو؟ اور اس زمانہ میں ایسا ہی ہوا چنانچہ مذاہب نہ انسانی قافلہ کی راہبری کے قابل رہے تھے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:34)

ان کی حیثیت ایسی تھی جیسی برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:84)

بڑے بڑے مذاہب بازیچۂ اطفال اور منافقین کا تختۂ مشق بن گئے تھے اگر ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آکر اپنے دین کا حال دیکھتے تو وہ اپنے مذہب کو بالکل نہ پہچانتے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:33)

عیسائیت: سینٹ پال اور قسطنطین کی تحریفات کی وجہ سے عیسائیت ایک معجون مرکب بن گیا تھا جس میں یونانی خرافات، رومی بت پرستی، مصری افلاطونیت اور رہبانیت کے اجزاء شامل ہو گئے تھے بالآخر عیسائیت چند بے جان رسموں بے کیف عقائد اور بت پرستی (بزرگوں/عیسیٰ علیہ السلام کے مجسموں کی) کا مذہب بن گیا تھا جس میں عیسیٰ علیہ السلام کی سادہ تعلیمات کا عنصر اس طرح گم ہو گیا تھا جیسے قطرہ کا وجود سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت میں آپس میں اتنا اختلافات میں وہ الجھ گئے تھے جس میں ان کی ذہانتیں ضائع ، قوائے عمل شل، اور بڑے پیمانہ پر خانہ جنگیاں اور خونی معرکے ہونے لگے۔

یہودیت: یہود کے پاس دین کا بہت بڑا سرمایہ تھا اور اس میں دینی تعبیرات واصطلاحات کو سمجھنے کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی لیکن یہودی مذہب وتمدن وغیرہ میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے کہ دوسروں پر اثر ڈال سکیں۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:39)

پھر یہ یہودیت ایک نسلی مذہب تھا تبلیغی مذہب نہیں کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا ان کے پاس کوئی طریقہ نہ تھا۔ (ماجدی:1/149)

مجوسیت: چند رسموں وروایات کا نام تھا جنہیں مخصوص وقت وجگہ میں ادا کرتے، عبادت گاہوں سے باہر گھروں، بازاروں میں وہ بالکل آزاد تھے، دوخداؤں یزدان وابرمن کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:45)

بدھ مت: بدھ مت میں ہندوستان کے برہمنی مذہب کے اوتار اور دیوتا شامل ہو چکے تھے۔ بت پرستی کا مذہب بن چکا تھا یہ جہاں جاتے جس ملک میں پہنچتے گوتم کے مجسمے نصب کرتے شمہیں تیار کرتے۔

ہندومت: اس میں بت پرستی عروج پر تھی چھٹی صدی میں ان کے دیوتاؤں کی تعداد 33 کروڑ تھی۔ جس میں درخت، پہاڑ، دریا، حیوانات حتیٰ کہ آلات تناسل بھی شامل تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:49)

عرب: یہ بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:57) ہر قبیلہ، شہر، علاقہ کا الگ الگ بت تھا۔ لوگوں نے الگ الگ بت خانے تیار رکھتے تھے جو ایسا نہ کر سکتے تھے وہ حرم یا کہیں اور پتھر گاڑھ دیتا اس کے اردگرد بیت اللہ کی طرح طواف کرتا۔ خود خانہ کعبہ کے صحن میں 360 بت تھے۔

اقسام بت: (1) جو اچھا پتھر مل جاتا اس کا بت بنا لیتے (2) ورنہ مٹی کا ڈھیر بناتے اس پر بکری کو لاکر دوھتے پھر اسی کا طواف شروع کر دیتے (3) سفر میں جاتے چار پتھر اٹھاتے تین کو ہانڈی کا پتھر بناتے چوتھا جو پتھر اچھا ہوتا اس کو معبود بناتے جب وہاں سے جاتے سب کو وہیں چھوڑ جاتے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:58)

خزاعہ: جنوں کو۔ حمیر سورج کو۔ کنانہ: چاند کو۔ بنوتمیم: دبران کو۔ لخم وجزام: مشتری کو۔ قبیلہ طئی: سہیل کی۔ بنوقیس: شعری کو۔ بنواسد: عطارد کو پوجتے تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی:59)

(757)(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کااثر،ابوالحسن علی ندوی:87) (758)(نبی رحمت ﷺ، مولانا ابوالحسن علی ندوی:611) (759)(نبی رحمت ﷺ، مولانا ابوالحسن علی ندوی: 611،

الحرص علی هداية الناس فی ضوء النصوص وسير الصالحين، ڈاکٹر فضل الٰهی)
(760)(کنزل العمال)
(761)(مسلم، رقم:2569)
(762)(بخاری، رقم:7078)
(763)(مسلم، رقم:2569)
(764)(ابو داود، رقم:4941)
(765)(بخاری، رقم:2114)
(766)(اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، ابوعمار زاہد الراشدی:66-75)
(767)(بخاری، رقم:7422)
(768)(صحیح بخاری ج ثانی باب کلام الرب)
(769)(سیرت النبیؐ:4/459)
(770)(نبی الرحمة، حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی: 634-609، ندائے ممبر و محراب، حضرت مولانا اسلم شیخپوری رحمہ اللہ:391-351)
(771)(الأحزاب:6، جامع الاصول، رقم:7429، بخاری، رقم:4781)
(772)(معارف الحديث:93/1، مجالس الابرار، مجلس:4، ص:66)
(773)(نبی کریم ﷺ سے محبت اور اس کی علامتیں:27، محبت رسولؐ ایمان میں سے ہے، قصہ بلال:27-28)
(774)(مسلم، فضائل، فضل النظر، رقم:2364، جامع الصغیر)
(775)(جامع الصغیر، رقم:10835)
(776)(بخاری، فضائل اصحاب النبی، سدو الابواب، رقم:3654)
(777)(مسلم، الصلوٰۃ، فضل السجود و الحث علیه، رقم:489)
(778)(محبت رسولؐ ایمان میں سے ہے، نور الدین عتر:27)

مزید واقعات:

1) سفر ہجرت میں رفاقت پیغمبر میسر آنے پر شدت مسرت سے صدیق اکبر کا رونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سورج ڈھلنے (زوال) کے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر بیٹھے تھے کہ کسی نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ سر ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ اور اس وقت ہمارے ہاں تشریف لانا آپ ﷺ کی عادت نہ تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان پر میرے ماں باپ قربان! اللہ کی قسم! اس وقت آپ کی تشریف آوری کسی اہم مقصد ہی کے لیے ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اندر تشریف لانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اندر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو لوگ تمہارے پاس موجود ہیں انہیں باہر بھیج دو۔
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ آپ پر فدا ہوں وہ تو آپ کے گھر والے ہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے (مکہ مکرمہ سے) نکلنے کی اجازت مل چکی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اس سفر میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ہاں۔ میں نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ اور اس سے بیشتر مجھے اس بات کا تصور نہ تھا کہ خوشی و مسرت کی وجہ سے بھی کوئی روتا ہے۔ (بخاری، مناقب الانصار، هجرة النبی ﷺ، رقم:3905)

2) انصار کو صحبت نبی کریم ﷺ سے محرومی کا اندیشہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انصار کی جماعت! کیا میں تمہیں تمہارے متعلق احادیث میں سے ایک حدیث نہ بتاؤں؟ پھر انہوں نے مکہ کے فتح ہونے کا ذکر کیا۔ اس کے بعد کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہو گئے، پھر دو میں سے ایک بازو پر زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور دوسرے بازو پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو، ابوعبیدہ (بن جراح) رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کا سردار کیا جن کے پاس زرہیں نہ تھیں۔ انہوں نے گھاٹی کے درمیان والا راستہ اختیار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دستے میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے کہا: حاضر ہوں، اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ انصاری کے سوا کوئی نہ آئے۔ انصار آپ کے ارد گرد آ گئے۔ اور قریش نے بھی اپنے اوباش لوگوں اور تابعداروں کو اکٹھا کیا اور کہا: ہم ان کو آگے کرتے ہیں، اگر کوئی چیز (کامیابی) ملی تو ہم بھی ان کے ساتھ ہیں اور اگر ان پر آفت آئی تو ہم سے جو مانگا جائے گا دے دیں گے۔ (دیت، جرمانہ وغیرہ۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قریش کے اوباشوں اور تابعداروں (ہر کام میں پیروی کرنے والوں) کو دیکھ رہے ہو؟ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر (مارتے ہوئے) اشارہ فرمایا: (ان کا صفایا کر دو، ان کا فتنہ دبا دو)، پھر فرمایا: یہاں تک کہ تم مجھ سے صفا پر آ ملو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم چلے، ہم میں سے جو کوئی (کافروں میں سے) جس کسی کو مارنا چاہتا، مار ڈالتا اور کوئی ہماری طرف کسی چیز (ہتھیار) کو آگے تک نہ

کرتا، یہاں تک کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! قریش کی جماعت (کے خون) مباح کر دیے گئے اور آج کے بعد قریش نہ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنا سابقہ بیان دہراتے ہوئے) فرمایا: جو شخص ابوسفیان کے گھر کے اندر چلا جائے اس کو امن ہے۔ انصار ایک دوسرے سے کہنے لگے: ان کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) اپنے وطن کی الفت اور اپنے کنبے والوں پر شفقت آ گئی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وحی آنے لگی اور جب وحی آنے لگتی تھی تو ہم سے مخفی نہ رہتی۔ جب وحی آتی تو وحی (کا نزول) ختم ہونے تک کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی آنکھ نہ اٹھاتا تھا، غرض جب وحی ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کے لوگو! انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ کہا: اس شخص (کے دل میں) اپنے گاؤں کی الفت آ گئی ہے۔ انہوں نے کہا: یقینا ایسا تو ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی اور تمہاری طرف (آیا) اب میری زندگی بھی تمہاری زندگی (کے ساتھ) ہے اور موت بھی تمہارے ساتھ ہے۔ یہ سن کر انصار روتے ہوئے آگے بڑھے، وہ کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے کہا جو کہا محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید چاہت (اور ان کی معیت سے محرومی کے خوف) کی وجہ سے کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔ پھر لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف آ گئے اور لوگوں نے اپنے دروازے بند کر لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے پاس تشریف لے آئے اور اس کو چوما، پھر بیت اللہ کا طواف کیا، پھر آپ بیت اللہ کے پہلو میں ایک بت کے پاس آئے، لوگ اس کی پوجا کیا کرتے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طرف سے پکڑا ہوا تھا، جب آپ بت کے پاس آئے تو اس کی آنکھ میں چبھونے لگے اور فرمانے لگے: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ جب اپنے طواف سے فارغ ہوئے تو کوہِ صفا پر آئے، اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ کی طرف نظر اٹھائی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے لگے اور اللہ سے جو مانگنا چاہا وہ مانگنے لگے۔ (مسلم، الجھاد والسیر، فتح مکۃ، رقم:1780)

3) انصار کا بکریوں اور اونٹوں کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کو ترجیح دینا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کے مال میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو دینا تھا وہ دیا تو انصار کے کچھ لوگوں کو رنج ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سو سو اونٹ دے دیئے تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ اپنے رسول کی مغفرت کرے، قریش کو تو آپ عنایت فرما رہے ہیں اور ہم کو آپ نے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انصار کی یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں آئی تو آپ نے انہیں بلا بھیجا اور چمڑے کے ایک خیمے میں انہیں جمع کیا، ان کے ساتھ ان کے علاوہ کسی کو بھی آپ نے نہیں بلایا تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا تمہاری جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے کیا وہ صحیح ہے؟ انصار کے جو سمجھدار لوگ تھے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جو لوگ ہمارے معزز اور سردار ہیں، انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ البتہ ہمارے کچھ لوگ جو ابھی نوعمر ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کرے، قریش کو آپ دے رہے ہیں اور ہمیں آپ نے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اس طرح میں ان کی دلجوئی کرتا ہوں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو مال و دولت لے جائیں اور تم نبی کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤ۔ اللہ کی قسم! جو چیز تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے جا رہے ہیں۔ انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تم دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے آملو۔ میں حوض کوثر پر ملوں گا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن انصار نے صبر نہیں کیا۔

(بخاری، مغازی، غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان، رقم:4331)

4) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر انصار کی مسرت

ہجرت کے وقت مدینہ میں مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت کی اطلاع ہو چکی تھی اور یہ لوگ روزانہ صبح کو مقام حرہ تک آتے اور انتظار کرتے رہتے لیکن دوپہر کی گرمی کی وجہ سے (دوپہر کو) انہیں واپس جانا پڑتا تھا۔ ایک دن جب بہت طویل انتظار کے بعد سب لوگ آ گئے اور اپنے گھر پہنچ گئے تو ایک یہودی اپنے ایک محل پر کچھ دیکھنے چڑھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا سفید سفید چلے آ رہے ہیں۔ (یا تیزی سے جلدی جلدی آ رہے ہیں) جتنا آپ نزدیک ہو رہے تھے اتنی ہی دور سے پانی کی طرح ریتی کا چمکنا کم ہوتا جاتا۔ یہودی بے اختیار چلا اٹھا کہ اے عرب کے لوگو! تمہارے یہ بزرگ سردار آ گئے جن کا تمہیں انتظار تھا۔ مسلمان ہتھیار لے کر دوڑ پڑے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حرہ پر استقبال کیا۔ آپ نے ان کے ساتھ داہنی

طرف کا راستہ اختیار کیا اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں قیام کیا۔ یہ ربیع الاول کا مہینہ اور پیر کا دن تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں سے ملنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے۔ انصار کے جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سلام کر رہے تھے۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ پڑنے لگی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا۔ اس وقت سب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔ (بخاری، مناقب الانصار، ھجرۃ النبی ﷺ، رقم: 3906)

5) فاروق اعظم کی جوار رسول اللہ ﷺ میں دفن ہونے کی تمنا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اے عبداللہ! ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جا اور کہہ کہ عمر بن خطاب نے آپ کو سلام کہا ہے اور پھر ان سے معلوم کرنا کہ کیا مجھے میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی آپ کی طرف سے اجازت مل سکتی ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لیے پسند کر رکھا تھا لیکن آج میں اپنے پر عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما واپس آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا پیغام لائے ہو؟ کہا کہ امیر المؤمنین انہوں نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بولے کہ اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ مجھے اور کوئی چیز عزیز نہیں تھی۔ لیکن جب میری روح قبض ہو جائے تو مجھے اٹھا کر لے جانا اور پھر دوبارہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو میرا سلام پہنچا کر ان سے کہنا کہ عمر نے آپ سے اجازت چاہی ہے۔ اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہیں دفن کر دینا' ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ (بخاری، جنائز، ما جاء فی قبر النبی ﷺ ابی بکر و عمر، رقم: 1392)

6) صدیق اکبر کا رحلت رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کو یاد کر کے رونا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، اور روئے، پھر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے پہلے سال منبر پر چڑھے، روئے، پھر کہا: اللہ سے (گناہوں سے) عفو و درگزر اور مصیبتوں اور گمراہیوں سے عافیت طلب کرو کیونکہ ایمان و یقین کے بعد کسی بندے کو عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی۔ (مسند احمد، مسند ابی بکر، رقم: 10، ترمذی، رقم: 3558)

7) صدیق اکبر کی رسول اللہ ﷺ کے پاس جلدی چلے جانے کی تمنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا قریب آیا تو پوچھا: آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے بتایا پیر کا دن۔ فرمایا: اگر میرا آج رات انتقال ہو جائے تو میرے جنازے کو کل تک مؤخر نہ کرنا کیونکہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے جلدی قریب جانا ہر چیز سے افضل ہے۔ (مسند احمد، مسند ابی بکر، رقم: 45)

8) جنت میں محرومی دیدار کے اندیشے کی وجہ سے ایک صحابی کی تشویش

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ یقینا آپ مجھے میرے بیٹے سے زیادہ پیارے ہیں، اور سچی بات ہے کہ گھر بیٹھے آپ کی یاد آتی ہے تو مجھے اس وقت تک چین نصیب نہیں ہوتا جب تک آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار نہ کر لوں۔ اور جب میں اپنی اور آپ کی موت کا تصور کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ آپ جنت میں داخل ہونے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا دیدار نہ کر پاؤں گا۔

جبرئیلؑ کے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے ساتھ تشریف لانے تک نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب میں کچھ نہ فرمایا: ترجمہ: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور رسول کی فرمانبرداری کریں، پس وہ ان لوگوں کے ساتھ (جنت میں) ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ پیغمبروں سے اور صدیقوں سے اور شہیدوں اور صالحین سے) (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، التفسیر، سورۃ النساء، رقم: 10937)

9) حضور ﷺ کی جدائی میں منبر کا رونا:

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک کھجور کا تنا تھا جس پر نبی کریم ﷺ ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے لیے منبر بن گیا (آپ ﷺ نے اس تنے پر ٹیک نہیں لگایا) تو ہم نے اس سے رونے کی آواز سنی جیسے دس مہینے کی گابھن اونٹنی آواز کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے منبر سے اتر کر اپنا ہاتھ اس پر رکھا (تب وہ آواز موقوف ہوئی)۔ (بخاری، رقم: 918)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

(779)(محبت رسولؐ ایمان میں سے ہے،نورالدین عتر:23،نبی کریمؐ سے محبت اوراس کی علامتیں:63)

(780)(ترمذی،رقم:2678)

(781)(بخاری،الصلاۃ،التوجہ نحو القبلۃ حیث کان،رقم:399)

(782)(بخاری،الاشربہ،تحریم الخمر،رقم:5582،اخبار الاحاد،رقم:7253)

(783)(بخاری،الصلاۃ،الجہاد،التکبیر عند الحرب،رقم:2991)

(784)(ابو داود،ادب،مشی النساء مع الرجال فی الطریق،رقم:5272)

مزید واقعات:

1)ارشادکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوری تعمیل میں اصحابہ کاایک دوسرے کے قریب پڑاؤ ڈالنا

ایک روایت میں ہے:ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ اترتے تولوگ گھاٹیوں اورواديوں میں بکھر جاتے،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاراان گھاٹیوں اورواديوں میں بکھر جانا شیطان کی جانب سے ہے،اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ نہیں اترے مگر بعض بعض سے اس طرح سمٹ جاتا کہ یہ کہا جاتا کہ اگران پرکوئی کپڑا پھیلا دیا جاتا توسب کوڈھانپ لیتا۔(ابو داود،الجہاد،مایومر من انضمام العسکر وسعتہ،رقم:2628)

2) حکم نبوی کی تعمیل میں صحابہ کادشمنوں سے ایفاءعہد

معاویہ رضی اللہ عنہ اوررومیوں کے درمیان ایک متعین وقت تک کے لیے یہ معاہدہ تھا کہ وہ آپس میں لڑائی نہیں کریں گے، (اس مدت میں) معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے شہروں میں جاتے تھے،یہاں تک کہ جب معاہدہ کی مدت گزر گئی،توانہوں نے ان سے جنگ کی،ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پرسوار ہوکر آیا،وہ کہہ رہا تھا: اللہ اکبر،اللہ اکبر،وعدہ کا پاس ولحاظ ہو بدعہدی نہ ہو۔لوگوں نے اس کوبغور دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کوان کے پاس بھیجا، اس نے ان سے پوچھا توانہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہوتومعاہدہ نہ توڑے اور نہ نیا معاہدہ کرے جب تک کہ اس معاہدہ کی مدت پوری نہ ہو جائے، یا برابری پرعہدان کی طرف واپس نہ کردے،تو یہ سن کرمعاویہ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے ۔(ابو داود،جہاد،الامام یکون بینہ وبین العدو عہد،رقم:2759)

3)صحابہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوتے اتارتے دیکھ کر جوتے اتارنے میں جلدی کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنے جوتوں کواتارکرانہیں اپنے بائیں جانب رکھ لیا،جب لوگوں نے یہ دیکھا تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں) انہوں نے بھی اپنے جوتے اتارلیے،جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے توآپ نے فرمایا: تم لوگوں نے اپنے جوتے کیوں اتارلیے؟،ان لوگوں نے کہا:ہم نے آپ کوجوتے اتارتے ہوئے دیکھا توہم نے بھی اپنے جوتے اتارلیے،اس پررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اورانہوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے۔(ابو داود،الصلوۃ،الصلوۃ فی النعل،رقم:650)

4)ایک عورت کاآں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعیدسن کرسونے کے دونوں کنگن اتاردینا

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی،اس کے ساتھ اس کی ایک بچی تھی،اس بچی کے ہاتھ میں سونے کے دوموٹے موٹے کنگن تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا:نہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ اچھا لگے گا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دوکنگن ان کے بدلے میں پہنائے۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس عورت نے دونوں کنگن اتارکرانہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیئے اوربولی:یہ اللہ اوراس کے رسول کے لیے ہیں۔(ابو داود،زکوۃ،زکوۃ الحلی،رقم:1563)

(785)(بخاری،رقم:6780)

(786)(بخاری،التفسیر،مائدۃ،رقم:4609)

(787)(نسائی،الجہاد،مایقول من یطعنہ العدو،رقم:3149)

(788)(السيرة النبوية لابن هشام:30/3، جوامع السير لابن حزم:162)

مزید واقعات:

1)انس بن نضر کا راہ اللہ میں اپنی جان کو قربان کرنا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں حاضر نہ ہو سکے' اس لیے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں پہلی لڑائی ہی سے غائب رہا جو آپ نے مشرکین کے خلاف لڑی لیکن اگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف کسی لڑائی میں حاضری کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب احد کی لڑائی کا موقع آیا اور مسلمان بھاگ نکلے تو انس بن نضر نے کہا کہ اے اللہ! جو کچھ مسلمانوں نے کیا میں اس سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ ان مشرکین نے کیا ہے میں اس سے بیزار ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے (مشرکین کی طرف) تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوا۔ ان سے انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا اے سعد بن معاذ! میں تو جنت میں جانا چاہتا ہوں اور نضر (ان کے باپ) کے رب کی قسم میں جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے قریب پاتا ہوں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو انہوں نے کر دکھایا اس کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس کے بعد جب انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو ہم نے پایا تو تلوار نیزے اور تیر کے تقریباً اسی زخم ان کے جسم پر تھے وہ شہید ہو چکے تھے مشرکوں نے ان کے اعضاء کاٹ دیئے تھے اور کوئی شخص انہیں پہچان نہ سکا تھا' صرف ان کی بہن انگلیوں سے انہیں پہچان سکی تھیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہم سمجھتے ہیں (یا آپ نے بجائے نرے کے نظن کہا) مطلب ایک ہی ہے کہ یہ آیت ان کے اور ان جیسے مومنین کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ **من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه** "مومنوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اس وعدے کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔" آخر آیت تک۔ (بخاری، الجهاد و السير ،قوله تعالى من المومنين رجال صدقوا۔۔۔، رقم:2805)

2) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچاتے ہوئے جان فدا ہونے پر حضرت حرام کی خوشی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ماموں، ام سلیم (انس کی والدہ) کے بھائی کو بھی ان ستر سواروں کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مشرکوں کے سردار عامر بن طفیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (شرارت اور تکبر سے) تین صورتیں رکھی تھیں۔ اس نے کہا کہ یا تو یہ کیجئے کہ دیہاتی آبادی پر آپ کی حکومت ہو اور شہری آبادی پر میری ہو یا پھر مجھے آپ کا جانشیں مقرر کیا جائے ورنہ پھر میں ہزاروں غطفانیوں کو لے کر آپ پر چڑھائی کر دوں گا۔ (اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا کی) اور ام فلاں کے گھر میں وہ مرض طاعون میں گرفتار ہوا۔ کہنے لگا کہ اس فلاں کی عورت کے گھر کے جوان اونٹ کی طرح مجھے بھی غدود نکل آیا ہے۔ میرا گھوڑا لاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ بہرحال ام سلیم کے بھائی حرام بن ملحان ایک اور صحابی جو لنگڑے تھے اور تیسرے صحابی جن کا تعلق بنی فلاں سے تھا، آگے بڑھے۔ حرام نے (اپنے دونوں ساتھیوں سے بنو عامر تک پہنچ کر پہلے ہی) کہہ دیا کہ تم دونوں میرے قریب ہی کہیں رہنا۔ میں ان کے پاس پہلے جاتا ہوں اگر انہوں نے مجھے امن دے دیا تو تم لوگ قریب ہی ہو اور اگر انہوں نے قتل کر دیا تو آپ حضرات اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ قبیلہ میں پہنچ کر انہوں نے ان سے کہا، کیا تم مجھے امان دیتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمہیں پہنچا دوں؟ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام انہیں پہنچانے لگے تو قبیلہ والوں نے ایک شخص کو اشارہ کیا اور اس نے پیچھے سے آ کر ان پر نیزہ سے وار کیا۔ ہمام نے بیان کیا، میرا خیال ہے کہ نیزہ آر پار ہو گیا تھا۔ حرام کی زبان سے اس وقت نکلا "اللہ اکبر، کعبہ کے رب کی قسم! میں نے تو اپنی مراد حاصل کر لی۔" اس کے بعد ان میں سے ایک صحابی کو بھی مشرکین نے پکڑ لیا (جو حرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور انہیں بھی شہید کر دیا) پھر اس مہم کے تمام صحابہ کو شہید کر دیا۔ صرف لنگڑے صحابی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تھے۔ ان شہداء کی شان میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، بعد میں وہ آیت منسوخ ہو گئی (آیت یہ تھی) **إنا قد لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل رعل، ذکوان، بنولحیان اور عصیہ کے لیے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی تیس دن تک صبح کی نماز میں بددعا کی۔ (بخاری، المغازی، غزوة الرجيع ورعل وذكوان وبئر معونة، رقم:4091)

3)سنگین حالات کے باوجود صدیق اکبر کا مانعین زکوٰہ اور مرتدین کے خلاف جہاد۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو عربوں میں سے کافر ہونے والے کافر ہو گئے (اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ سے جنگ کا ارادہ کیا) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ **لا اله الا الله** کا اقرار کر لیں، پس جو

کوئی لا الہ الا اللہ کا قائل ہوگیا، اس نے میری طرف سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کرلیا، الا یہ کہ اس (لا الہ الا اللہ) کا حق ہو، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے؟" اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کریں گے، کیونکہ زکاۃ کے مال (میں اللہ) کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ (اونٹ کا) پاؤں باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے جنگ کروں گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اللہ کی قسم! اصل بات اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا، تو میں جان گیا کہ حق یہی ہے۔ (مسلم، الایمان، الامر بقتال الناس حتی یقولوا شہادتین، رقم: 20)

4) ابو طلحہ کا اپنے سینے کو سینۂ رسول کریم ﷺ کے لیے ڈھال بنانا۔

احد کی لڑائی کے موقعہ پر جب صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ادھر اُدھر چلنے لگے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت اپنی ایک ڈھال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ ابو طلحہ بڑے تیر انداز تھے اور خوب کھینچ کر تیر چلایا کرتے تھے چنانچہ اس دن دو یا تین کمانیں انہوں نے توڑ دی تھیں۔ اس وقت اگر کوئی مسلمان ترکش لیے ہوئے گزرتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اس کے تیر ابو طلحہ کو دے دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالات معلوم کرنے کے لیے اچک کر دیکھنے لگتے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے: یا نبی اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اچک کر ملاحظہ نہ فرمائیں، کہیں کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے۔ میرا سینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کی ڈھال بنا رہا اور میں نے عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا (ابو طلحہ کی بیوی) کو دیکھا کہ اپنا ازار اٹھائے ہوئے (غازیوں کی مدد میں) بڑی تیزی کے ساتھ مشغول تھیں۔ (اس خدمت میں ان کے انہماک واستغراق کی وجہ سے انہیں کپڑوں تک کا ہوش نہ تھا یہاں تک کہ) میں ان کی پنڈلیوں کے زیور دیکھ سکتا تھا۔ انتہائی جلدی کے ساتھ مشکیزے اپنی پیٹھوں پر لیے جاتی تھیں اور مسلمانوں کو پلا کر واپس آتی تھیں اور پھر انہیں بھر کر لے جاتیں اور ان کا پانی مسلمانوں کو پلاتیں اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اس دن دو یا تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گر پڑی تھی۔ (بخاری، مناقب الانصار، مناقب ابی طلحہ، رقم: 3811)

5) ابو قتادہ کا آنحضرت ﷺ کو سواری سے گرنے سے بچانے کی خاطر رات بھر ان کے ساتھ چلنا۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور کہا: تم اپنی (پوری) شام اور (پوری) رات چلتے رہو گے تو ان شاء اللہ کل تک پانی پر پہنچ جاؤ گے۔ لوگ چل پڑے، کوئی مڑ کر دوسرے کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اسی عالم میں رسول اللہ ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ رات آدھی گزر گئی، میں آپ کے پہلو میں چل رہا تھا، کہا: تو رسول اللہ ﷺ کو اونگھ آ گئی اور آپ سواری سے ایک طرف جھک گئے، میں آپ کے پاس آیا اور آپ کو جگائے بغیر آپ کو سہارا دیا حتی کہ آپ اپنی سواری پر سیدھے ہو گئے، پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ رات کا بیشتر حصہ گزر گیا، آپ (پھر) سواری پر (ایک طرف) جھکے، کہا: میں نے آپ کو جگائے بغیر آپ کو سہارا دیا یہاں تک کہ آپ اپنی سواری پر سیدھے ہو گئے، کہا: پھر چلتے رہے حتی کہ سحری کا آخری وقت تھا تو آپ (پھر) جھکے، یہ جھکنا پہلے دونوں بار کے جھکنے سے زیادہ تھا، قریب تھا کہ آپ اونٹ سے گر پڑتے، میں آپ کے پاس آیا اور آپ کو سہارا دیا تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی: ابو قتادہ ہوں۔ فرمایا: تم کب سے میرے ساتھ اس طرح چل رہے ہو؟" میں نے عرض کیا: میں رات ہی سے اس طرح سفر کر رہا ہوں۔ فرمایا: اللہ اسی طرح تمھاری حفاظت کرے جس طرح تم نے اس کے نبی کی حفاظت کی۔ (مسلم، المساجد ومواضع الصلاۃ، قضاء الصلاۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا، رقم: 311)

6) صدیق اکبرؓ کا رحلت رسول کریم ﷺ اور حالات کی سنگینی کے باوجود جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنا؛

عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دوسرے دن کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ: اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو پورا کیا جائے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سارے فوجی شہر سے نکل کر اپنی لشکر گاہ جرف میں پہنچ جائیں۔ اور جب خطرناک صورتحال کے پیش نظر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اپنے لشکر سمیت مدینہ طیبہ رہنے کیا جازت طلب کی تو انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کے علاوہ کسی بھی اور کام سے (اپنے امور خلافت کا) آغاز کرنا مناسب نہیں سمجھتا، کسی اور کام سے ابتداء کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کہ مجھے پرندے اچک لیں۔ جب لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روکنے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر قبائل عرب مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیں گے تو انہوں نے اس جواب میں فرمایا: جس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا میں اس کو روک دوں! تو نے (یہ تجویز پیش کر کے) بڑی جسارت کی ہے۔ میرے نزدیک قبائل عرب کا حملہ آور ہونا رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے لشکر کے روکنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ تاریخ

طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے! اگر میں سمجھوں کہ لشکر اسامہ کے روانہ کرنے کی صورت میں درندے مجھے اچک کر لے جائیں گے تب بھی میں لشکر اسامہ کو اسی طرح روانہ کروں گا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔ اور اگر بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تب بھی اس کو روانہ کروں گا۔

اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! حبیب کریم حضرت محمد ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے یہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الوداع کرنے کے لیے خود ان کے ہمراہ نکلتے ہیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سوار ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سواری کی لگام تھامے جا رہے ہیں۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ بھی سوار ہو جایئے ورنہ میں سواری سے نیچے اتر آؤں گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! تم سواری سے نہ اترو گے اور اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ ہی میں سوار ہوں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے قدم کچھ دیر کے لیے غبار آلود ہو جائیں تو اس سے میرا کیا بگڑتا ہے؟

اور پھر انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بایں الفاظ وصیت فرمائی: اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے تمہیں جس بات کا حکم دیا اس کو پورا کرو۔ جہاد کا آغاز قضاعہ کی آبادی سے کرو، پھر آبل کی طرف آؤ۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ نے فرمایا: اسامہ! اپنے لشکر کے ساتھ اسی جانب جاؤ جس طرح جانے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ پھر اسی مقام پر حملہ کرو جہاں رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حملہ کرنے کا حکم دیا۔

اور رب محمد ﷺ کی قسم! حبیب کریم حضرت محمد ﷺ کی حقیقی اور سچی محبت تو یہی ہے کہ ان کے ارشادات کے مطابق دین کے دفاع اور اعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ کی خاطر اللہ کی راہ میں جہاں کے لیے نکلا جائے۔ (سیرۃ النبویۃ الحبان: 428)

7) براء رضی اللہ عنہ کا دشمن کے باغ کا اندر سے دروازہ کھولنے کی خاطر اس میں پھینکے جانے کا مطالبہ

معرکہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں نے باغ میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس صورت حال میں ایک سچا محب اپنے مسلمان بھائیوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کو باغ کی دیوار کے اوپر سے باغ کے اندر پھینک دیا جائے تا کہ وہ اندر سے دروازہ کھول سکے۔ ان کا قصہ بیان کرتے ہوئے امام طبری فرماتے ہیں؛ پھر مسلمان پیش قدمی کرتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے ان کو (مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں کو) باغ تک دھکیل دیا۔ (وہی باغ جو بعد میں موت کے باغ (حدیقۃ الموت) کے نام سے مشہور ہوا) اللہ تعالیٰ کا دشمن مسیلمہ کذاب بھی اسی باغ میں تھا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے آواز دی: اے مسلمانو! مجھے ان پر باغ میں ڈال دو۔

ایک دوسرے روایت میں ہے: انہوں نے کہا: اے مسلمانو! مجھے باغ میں ان پر پھینک دو۔ لوگوں نے کہا: اے براء! ایسے نہ کرو۔ انہوں نے جواب میں کہا: اللہ کی قسم! تم مجھے ضرور باغ میں ان پر پھینکو گے۔ انہیں اٹھایا گیا یہاں تک کہ وہ دیوار پھلانگ کر باغ کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے باغ کے دروازے تک پہنچے اور اس کو مسلمانوں کے لیے کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمانوں نے باغ کے اندر داخل ہو کر ان سے جنگ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کذاب کو ان کے ہاتھوں ہلاک کر دیا۔ (تاریخ طبری الطبری: 3/290، نیز ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ: 2/246)

8) معرکہ یرموک میں چار سو مسلمانوں کی موت پر بیعت

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل نے (معرکہ یرموک کے موقع پر) کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہت سے مقامات پر (ڈٹ کر) لڑائی کی۔ اور اب تمہارے (کافروں) مقابلے میں راہ فرار اختیار کروں؟ چار سو سر کردہ مسلمانوں اور سواروں نے ان کے چچا حارث بن ہشام اور ضرور بن ازور سمیت ان کی بیعت کی۔ پھر انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے ثابت قدمی اور استقلال سے دشمن کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ سب زخمی ہو کر گر پڑے۔ اور ان میں کتنے حضرات نے وہیں اپنی جانوں کو نچھاور کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: 1/11-12)

9) اسلامی لشکر کے لیے بڑے قلعے کا دروازہ کھولنے کی غرض سے زبیر رضی اللہ عنہ کا اوپر چڑھنا

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فتح (مصر) میں تاخیر ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کے لیے پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر انہوں نے کبوتروں والے بازار کی جانب سے قلعے کے ساتھ سیڑھی لگائی اور قلعے کے اوپر چڑھ گئے

اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب وہ ان کی تکبیر سنیں تو اس کے جواب میں وہ بھی (اللہ اکبر) کہیں۔
یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قلعے کی دیوار کے اوپر ہاتھ میں تلوار تھامے اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں میں جوش پیدا ہوا اور وہ اتنی بڑی تعداد میں قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی طرف لپکے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو انہیں روکنا پڑا کہ کہیں سیڑی ان کی کثرت کی وجہ سے ٹوٹ نہ جائے۔
جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قلعے کے اندر داخلہ ہو کر بیک زبان نعرہ تکبیر بلند کیا اور قلعے کے باہر والوں نے بھی ان کے جواب میں نعرہ تکبیر بلند کیا تو اہل قلعہ کو یقین ہو گیا کہ سارے مسلمان قلعے کے اندر گھس چکے ہیں اور انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قلعے کے دروازے کی طرف بڑھے اور اس کو اندر سے کھول دیا۔ اور مسلمان قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ (فتح مصر واخبارہا:52)

10) نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی اپنی شہادت کے ساتھ مسلمانوں کی فتح کی دعا

معرکہ نہاوند میں جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں قتل ہو گیا تو کوئی میری طرف پلٹ کر نہ دیکھے اور میں ایک دعا کرنے لگا ہوں، تم میری اس دعا پر آمین کہنا: پھر انہوں نے دعا کی: اے میرے اللہ! میری شہادت کے ساتھ مسلمانوں کو فتح نصیب فرما۔ لوگوں نے ان کی دعا پر آمین کہی۔ اور نعمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں سب سے پہلے قتل کیے گئے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: اے میرے اللہ! اپنے دین کو سر بلند فرما۔ اپنے بندوں کی مدد فرما۔ اور اپنے دین کی سرفرازی اور بندوں کی نصرت کے لیے نعمان کو پہلا شہید بنا۔ (تاریخ الاسلام:225، الکامل فی التاریخ:3/5)

11) راہ اللہ عزوجل میں جانیں فدا کرنے کی خاطر مسلمانوں کا اشتیاق

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم میں سے ہر ایک صبح وشام اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شہادت نصیب فرمائے۔ اور اس کو اس کے وطن اور اہل وعیال کی طرف واپس نہ پلٹائے۔ ہم میں سے کسی کی بھی منزل پیچھے نہیں۔ ہم سب تو اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکے ہیں۔ اور ہماری منزل تو آگے ہے۔ (فتوح مصر واخبارہا:54)

12) سلامتی رسول کریم ﷺ کو خطرہ لاحق ہونے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رونا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: ہم روانہ ہوئے تو لوگ ہمارے قریب پہنچ گیا میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ یہ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے ہمارے قریب آپہنچا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: غم نہ کرو، بلاشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہمارے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ ہمارے اور اس کے درمیان ایک دو یا تین نیزوں کے برابر فاصلہ رہ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ ہم تک آپہنچا ہے۔ اور (ساتھ ہی میں) میں رونے لگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اپنی جان کو خطرے میں دیکھ کر نہیں رو رہا بلکہ آپ کی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر رو رہا ہوں۔ انہوں (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا: آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے لیے بددعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! جس طرح آپ پسند کریں ہمارے لیے اس کے مقابلہ میں کافی ہوجایئے۔ (نبی کریم ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں) اس کے گھوڑے کی ٹانگیں سخت زمین میں پیٹ تک دھنس گئیں۔ (مسند احمد، رقم:3)

13) جان نثار انصاری کا آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک پر رخسار رکھے رحلت کرنا

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب مشرک (غزوہ احد میں) آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: ہمارے لیے اپنی جان کون بیچتا ہے؟ زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ سمیت پانچ انصاری آگے بڑھے۔ بعض راویوں نے نے کہا: زیاد بن السکن کی بجائے عمارہ بن یزید بن السکن تھے۔ وہ پانچوں انصاری ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جانوں کو نثار کرتے رہے یہاں تک کہ زیاد یا عمارہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں نے انہیں گرا دیا۔ پھر مسلمانوں کا ایک گروہ پلٹا اور انہوں نے وہاں سے ان کو ہٹا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انہیں میرے قریب کرو۔ لوگوں نے انہیں قریب کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف اپنا قدم بڑھایا تا کہ وہ اس پر اپنا سر رکھ لیں۔ پھر ان کی موت کا وقت آپہنچا اور ان کے رخسار رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پر تھا۔

14) زندگی کے آخری لمحات میں سعد بن الربیع ؓ کا سلامتی رسول کریم ﷺ کی فکر کرنا:

حضرت زید ؓ فرماتے ہیں؛ معرکہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں روانہ کیا اور فرمایا: اگر سعد ملجائے تو اسے میرا اسلام کہنا۔ اور اس سے کہنا کہ رسول اللہ ﷺ دریافت کررہے ہیں۔تم کیسے ہو؟ حضرت زید ؓ نے کہا: میں مقتولین میں گھومتے گھومتے ان تک پہنچا تو ان کی زندگی کے آخری سانس تھے۔اوران کے جسم پر تیر، تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے میں نے ان سے کہا: سعد! رسول اللہ ﷺ تجھے سلام کہتے ہیں اور تمہاری کیفیت کے متعلق دریافت فرمارہے ہیں۔حضرت سعد ؓ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ پر سلام اور تجھ پر سلام۔آنحضرت ﷺ کی خدمت میں میری طرف سے عرض کرنا: میں جنت کی خوشبو پارہا ہوں۔اور میری قوم انصار سے کہنا: اگر تمہاری زندگی میں رسول اللہ ﷺ تک دشمن پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام:3/29)

(789)(الأحزاب:6، جامع الاصول، رقم:7429، بخاری، رقم:4781)

(790)(معارف القرآن:7/87، سورۃ احزب، آیت:6)

(791)(جامع الاصول، رقم:21، خ، رقم:15)

(792)(ابو داود، رقم:4361)

(793)(ابو داود، رقم:4362)

(794)(رواہ فی ھامش ابی داود:2/9، ھامش البخاری:2/614)

(795)(ھامش البخاری:2/614)

(796)(رسائل ابن عابدین:1/354، خلاصۃ الفتاویٰ:4/386، فتاویٰ شامی:4/215، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، سب، فقرۃ:11، نبی، فقرۃ:44-45، استحقاق، فقرۃ:7-5)

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں: توہین رسالت اور اس کی سزا، مؤلف مفتی محمد جمیل احمد تھانویؒ مرتب مفتی محمود اشرف صاحب، تحفظ ناموس رسالت ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی، مجموعہ القاسم جلد 13 مؤلف مولانا محفوظ الرحمن عثمانی، ماہ نامہ الخیر: صفر جنوری 2011، توہین رسالت اقلیتیں اور قانون تحفظ مذاہب مؤلف مفتی نذیر احمد خان جامعہ بنوریہ کراچی، ماہ نامہ شاہرہ علم انڈیا تحفظ ناموس رسالت نمبر، ناموس رسالت کی حفاظت کیجیے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔)

(797)(مسلم، رقم:49)

(798)(امداد المفتین:1025)

(799)(مسلم، رقم:1764، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح:8/512، الصارم المسلول لابن تیمیۃ:66)

(800)(دار الافتاء دار العلوم کراچی، فتویٰ نمبر:2/859)

(801)(فتح الباری)

(802/1)(توہین رسالت اور گستاخان رسول ﷺ کا بدترین انجام، مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب)

(802/2)(بخاری، رقم:2125، معارف القرآن:4/82)

(802/3)(تاریخ دمشق لابن عساکر:3/389، معارف القرآن:4/82)

(802/4)(روح المعانی، دلائل النبوۃ للبیہقی، معارف القرآن:4/83)

(802/5)(بخاری، رقم:447)

(802/6)(بخاری، رقم:3615)

(803)(جامع الاصول، رقم:8281)

(804/1)(جامع الاصول، رقم:5570)

(804/2)(بخاری، رقم:**3825**)

(804/3)(مسلم، رقم:1764، جامع الاصول، رقم:6664)

(805)(ترجمان السنۃ:1/357)

(806)(شعب الایمان، رقم:1364)

● (ترجمان السنۃ:1/357) وفی حب العرب احادیث کثیرۃ بعضھا صححہ الحاکم، وقال الذھبی الحدیث ضعیف لا صحیح ولا موضوع (تذکرۃ الموضوعات:112) وفی آخر الرقاق من المستدرک واحب العرب من قلبک قال الذھبی صحیح۔(المستدرک 4/232)

● اس روایت کو عقیلیؒ نے تخریج کرکے لکھا ہے، یہ منکر ہے بے اصل روایت ہے، فیض القدیر میں اسی طرح لکھا ہے۔ یہ روایت مشکوۃ میں بھی ہے (حضرت جونپوریؒ کا من گھڑت روایات پر تعاقب:316)

(807)(ترجمان السنۃ:1/358)

(808)(ترمذی، رقم:3862)

(809)(بخاری، رقم:3783)

(810/1)(بخاری، رقم:3785)

(810/2)(بخاری، رقم:3799)

(811)(بخاری، رقم:3749)

(812)(ترجمان السنۃ:1/361)

(813)(ترمذی، رقم:2350)

(814/1)(ترجمان السنة:1/361-362)
(814/2)(بخاری،رقم:4889)
(814/3)(بخاری،رقم:5411-5441)
(814/4)(حیاۃ الصحابہ:2/488،طبرانی فی الاوسط والکبیر، رحماء بینھم:2/213)
(814/5)(ابوداود،رقم:3931)
(814/6)(بخاری،رقم:3712)
(814/7)(بخاری،رقم:3503)
(815)(نبی کریم ﷺ کی محبت کے اسباب ڈاکٹر فضل الٰہی:32-10-6)
(816)(نبی کریم کی محبت کے اسباب:12-18-23)
(817)(علامات محبت،نورالدین عتر:26، پاکستان میں اردو سیرت نگاری ایک تعارفی مطالعہ،سید عزیز الرحمٰن)
(818)(علامات محبت،نورالدین عتر:27،نبی کریم کی محبت کے اسباب:31)
(819)(علامات محبت،نورالدین عتر:28،نبی کریم کی محبت کے اسباب:31)
(820)(راہ عمل مولانا خالدی سیف اللہ رحمانی:3/64،علمی وتحقیقی رسائل، مفتی رضوان صاحب:9/186)
(821)(مسلم،رقم:2490)
(822)(بخاری،احادیث الانبیاء،قول اللہ واذکرفی الکتاب مریم،رقم: 3445، علمی وتحقیقی رسائل ، مفتی رضوان صاحب:9/233)
(823)(مسند احمد،مسند بنی ہاشم،مسند عبداللہ بن عباس،رقم:1839)
(824)(مسند احمد،مسند النساء،حدیث الربیع بنت معوذ،رقم:27021)
(825)(بخاری،مناقب الانصار،ایان الجاھلیة،رقم:3836)
(826)(ترمذی،الادب،کراھیة قیام الرجل للرجل،رقم:2754)
(827)(نبی کریم ﷺ سے محبت اور اس کی علامتیں:90-92،علمی وتحقیقی رسائل،مفتی رضوان صاحب:9/215)
(828)(مسند احمد،مسند انصار،حدیث معاذ بن جبل،رقم:22052)
(829)(میرے والد میرے شیخ:173)
(830)(راہ عمل،مولانا سیف اللہ خالد،:63-3/69)
(831)(تفصیل کے لیے دیکھیں: بارہ ربیع الاول اور عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت،محمد زید مظاہر:18)
(832)(ماہ ربیع الاول حقیقت،فضیلت،اعمال اور بدعات،مبین الرحمن صاحب:5)
(833)(ترمذی،المناقب،عن رسول اللہ ﷺ، میلاد النبی ﷺ، رقم:3619، مسند احمد،مسند بنی ھاشم،مسند عبداللہ بن العباس،رقم:2506)
(834)(ابن کثیر،محمود پاشا)
(835)(ابن اسحاق ، سیرۃ ابن ھشام : 1/158البدایة والنھایة :3/375،تاریخ دمشق3/70)
(836)(المنتظم لابن جوزی:2/246،البدایة النھایة 3/376،ابن عبدالبر،ابن حزم،فتاویٰ رضویہ:26/412،رسالہ نطق الھلال،)
(837)(البدایة والنھایة:3/375)
(838)(خطبات حکیم الامت،مواعظ میلاد النبی ﷺ)
(839)(ترمذی:1/141،بخاری،رقم:2497،البحر الرائق:2/298، الاعتصام للشاطبی:1/39،کفایت المفتی:1/237، دارالافتاء بنوی ٹاؤن،فتویٰ نمبر:44-1440032000183،فھم محرم الحرام کورس،مفتی منیر احمد صاحب:46،راہ سنت:169)
(840)(فھم محرم الحرام کورس: 47،ماہِ محرم کے فضائل واحکام:110بحوالہ: امدادالفتاویٰ: 5/261,301، امدادالمفتین: 175، احسن الفتاویٰ:1/382)
(841)(خصائص الکبریٰ : 1/ 83، ناشر: دارالکتب العلمیه بیروت،دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبھانی:1/601،رقم:555،تحقیق شیخ طلحه مینار)
(842)(ماہ ربیع الاول حقیقت ، فضیلت ، اعمال اور بدعات ، مبین الرحمن: 16-21، بارہ ربیع الاول اور عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت،محمدزید مظاھر:90)
(843)(ابوداؤد،الصلاۃ،صلاۃ العیدین،رقم:1134)
(844)(فتاویٰ بنوری ٹاؤن،فتویٰ نمبر:144105200004)
(845)(فتاویٰ بنوری ٹاؤن،فتویٰ نمبر:144012201920)
(846)(دول الاسلام للذھبی: 1/301، القول المعتمد فی عمل المولد،حسن المقصد فی عمل المولدللسیوطی،شرح صحیح مسلم غلام رسول سعیدی:3/179، لسان المیزان:4/295، المدخل لابن امیر الحاج فصل فی مولد النبیﷺ والبدع المحدثة فیه:1/75،فتویٰ ابن تیمیہ،مکتوبات امام ربانی مترجم اردو: 1/ 274،انوار الساطعه:267،جاء الحق مفتی احمدیار:1/194،راہ سنت:162)
(847)(اصلاحی خطبات:2/155-153، حضرت لدھیانوی:87،

باره ربیع الاول اور عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت، محمد زید مظاهری:94
(848)(علمی وتحقیقی رسائل، مفتی رضوان صاحب:209/9)
(849)(حضرت لدھیانوی:90)
(850/1)(حضرت لدھیانوی:88)
(850/2)(علمی وتحقیقی رسائل، مفتی محمد رضوان:237/9)
(851/1)(علمی وتحقیقی رسائل، مفتی رضوان صاحب:209/9)
(851/2)(حضرت لدھیانوی:90)
(851/3)(کفایت المفتی:237/1، الاعتصام للشاطبی:39/1، المدخل:2/3، فتاویٰ بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر:144001200908 علمی وتحقیقی رسائل، حمد ونعت اور اس کی شرائط، مفتی محمد رضوان صاحب:153/9)
(851/4)(کتاب الادب باب:92)
(851/5)(علمی وتحقیقی رسائل، مفتی محمد رضوان صاحب:242/9)
(852)(بخاری، التفسیر، مائدة، رقم:4612)
(853)(ابو داؤد، الترجل، فی تطویل الجمة، رقم:4190)
(854)(فضائل اعمال، حکایاتِ صحابہ:119)
(855)(ابو داؤد، اللباس، ماجاء فی اسبال الازار، رقم:4089)
(856)(ابو داؤد، اللباس، فی الحمرة، رقم:4066)
(857)(فضائل اعمال، حکایاتِ صحابہ:116)
(858)(ابو داؤد، اللباس، فی الحمرة، رقم:4070)
(859)(مسلم، الصلاة، خرورج النساء الی المساجد، رقم:138)
(860)۔(ابن ماجه، الصید، النهی عن الخذف، رقم:3226)
(861)(فضائل اعمال، حکایاتِ صحابہ:122)
(862)(ابو داؤد، الادب، ماجاء فی البناء، رقم:5237)
(863)(فضائل اعمال، حکایاتِ صحابہ:118)
(864/1)(مسلم، رقم:2090)
(864/2)(اخرجه ابو نعیم، حیاة الصحابة:462/2)
(865)(شفاء لقاضی عیاض)
(866)(بخاری، الزکاة، الاستعفاف عن المسالة، رقم:1472)
(867)(بخاری، المغازی، مرجع النبی من الاحزاب، رقم:4119)
(868)(مسلم، الجهاد، غزوة الحنین، رقم:1775)
(869)(اخرج ابن عساکر، حیاة الصحابة:459/2)
(870)(مصنف ابن ابی شیبه، حیاة الصحابة:459/2)
(871)(بخاری، العتق، رقم:2545، مسلم، أیمان، رقم:1661، ابو داؤد، الادب، رقم:5158)
(872)(مسند احمد:286/3، الطبقات الکبریٰ لابن سعد:245/8)
(873)(ابو داود، الادب، النصیحة، رقم:4944)
(874)(شرح النووی علی مسلم:16/2، تحت الایمان، الدلیل علی ان من خصائص الایمان این یحب لاخیه، رقم:45)
(875/1)(فتح الباری:59/1، تحت الایمان، حب الرسول ﷺ)
(875/2)(تاریخ امت مسلمہ:446/1)
(876)(مسائل بهشتی زیور:306/2)
(877)(مسائل بهشتی زیور:309/2)
(878)(ملفوظات حکیم الامت:387/6)
(879)(معجم کبیر للطبرانی، الترغیب:122/1)
(880/1)(سنن الترمذی، رقم:2685)
(880/2)(بخاری، رقم:4086)
(881)(بخاری، العلم، بَاب: العِلمِ قَبلَ القَولِ وَ العَمَلِ)
(882)(بخاری، العلم، رفع العلم وظهور الجهل)
(883/1)(بخاری، العلم، کیف یقبض العلم)
(883/2)(بخاری، رقم:6390)
(883/3)(بخاری، رقم:2822)
(883/4) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: تم عالم بنو یا طالب علم بنو یا علم کی بات کو توجہ سے سننے والے بنو یا علم اور علم والوں سے محبت کرنے والے بنو (ان چار کے علاوہ) پانچویں قسم کے نہ بنو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ تم علم اور علم والوں سے بغض رکھو۔ (منتخب احادیث/علم/رقم:32۔ مجمع الزوائد 1/328)
ایک اور حدیث میں آتا ہے: نبی اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کے پاس مہاجرین نے آکر عرض کیا: اللہ کے رسول! جس قوم کے پاس ہم آئے ہیں ان سے بڑھ کر ہم نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو اپنے مال بہت زیادہ خرچ کرنے والی ہے اور تھوڑے مال ہونے کی صورت میں بھی دوسروں کے ساتھ غم خواری کرنے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہم کو محنت ومشقت سے باز رکھا اور ہم کو آرام وراحت میں شریک کیا یہاں تک کہ ہمیں خوف ہے کہ ہماری ساری نیکیوں کا ثواب کہیں انہیں کو نہ مل جائے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "بات ایسی نہیں ہے جیسا تم نے سمجھا ہے جب

تک تم لوگ اللہ سے ان کے لیے دعائے خیر کرتے رہو گے اور ان کا شکریہ ادا کرتے رہو گے۔(ترمذی، رقم:2487)

حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں: دین کی نعمت جن وسائط سے ہم تک پہنچی ان کا شکر واعتراف اور ان کی محبت نہ کرنا محرومی ہے: من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (ابوداود، رقم: 4813)

اور اسی طرح ان ہی کو اصل کی جگہ سمجھ لینا بھی شرک اور مردودیت کا سبب ہے۔ وہ تفریط ہے اور یہ افراط ہے اور صراط مستقیم ان دونوں کے درمیان ہے۔

(884) (بخاری، الجہادو السیر، قولہ تعالیٰ من المومنین رجال صدقوا --، رقم:2805)

(885) (بخاری، المغازی، غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ، رقم:4091)

(886) (تاریخ طبری:290/3)

(887) (البدایۃ والنہایۃ:11/7-12)

(888) (فتوحِ مصر واخبارھا، ص:52)

(889) (تاریخ الاسلام:225، الکامل فی التاریخ:5/3)

(890/1) (حیاۃ الصحابۃ:331/1 بحوالہ البدایۃ:162/3)

(890/2) (بخاری، رقم: 3952، سیرت مصطفی مولانا ادریس کاندھلوی علیہ الرحمۃ:62/2)

(890/3) (سیرت مصطفیٰ مولانا ادریس کاندھلوی:62/2، زرقالی:413/1)

(890/4) (فتوح مصر واخبارھا:54)

(891) (فضائل اعمال)

(892) (السیرۃ النبویۃ الحبان، ص:428، تایخ خلیفۃ بن خیاط:100، تاریخ الاسلام للذھبی:20-21)

(893) (مسلم، الایمان، الامر بقتال الناس حتی یقولوا شھادتین، رقم:32)

(894) (مسند احمد، مسند النساء، مسند بنت ابی بکر الصدیق، رقم:26957)

(895) (حیاۃ الصحابہ اردو 221/2 عربی 209/2)

(896) (حیاۃ الصحابہ اردو 226/2 عربی 211/2)

(897) (حیاۃ الصحابہ:225/2)

(898) (حیاۃ الصحابہ:214/2)

(899) (مسلم، رقم:2452)

(900) (حیاۃ الصحابہ:214/2)

(901) (حیاۃ الصحابہ:2/397-404)

مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

یادداشت

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن
MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی قدر محترم جناب ____________ امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے، کوئی تجویز اور مفید بات بتائیں۔

یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارے کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

امید ہے جس جذبے سے یہ گزارش کی گئی ہے، اسی جذبے کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

☆ کورس کا تعارف کیسے ہوا؟

☆ کیا آپ نے اپنے محلہ کی مسجد، لائبریری یا مدرسہ/ اسکول میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟ نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں

☆ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟

☆ کتاب کی کمپوزنگ، جلد اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

معمولی ہے ☐ بہتر ہے ☐ اعلیٰ ہے ☐

☆ کتاب کی قیمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سستی ہے ☐ مناسب ہے ☐ مہنگی ہے ☐

☆ کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والوں اور پڑھنے والوں کے لیے دعائیں تو کرتے ہوں گے

ہاں ☐ نہیں ☐ کبھی کبھی ☐

دوران مطالعہ اگر کسی غلطی پر مطلع ہو جائیں تو ان نمبروں پر میسج یا اطلاع فرمائیے:

0331-2607207 - 03312607204

مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

{مفتی منیر احمد صاحب مدظلہ کی تالیفات ورسائل}

نمبرشمار	کتاب	نمبرشمار	کتاب
1	فہم ایمانیات	19	فہم جمعۃ المبارک
2	فہم محرم الحرام کورس	20	حلال وحرام رشتوں کی پہچان کے رہنما اصول
3	فہمِ صفر کورس	21	شادی مبارک
4	فہمِ شعبان کورس (شبّ براءت)	22	کامیاب گھرداری
5	فہمِ زکوٰۃ کورس	23	بیٹی مبارک ہو
6	فہمِ رمضان کورس	24	جذباتی رویوں سے ایسے بچیں
7	فہمِ حج وعمرہ کورس	25	سیرت کوئز لیول 1
8	فہمِ قربانی کورس	26	سیرت کوئز لیول 2
9	فہم دین کورس	27	حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
10	فہمِ طہارت کورس	28	حدیث اور اُس کا درجہ کیسے پہچانیں
11	فہمِ نماز کورس	29	ڈیپریشن، اسٹریس کے اسباب اور اُن کا حل
12	فہم حلال وحرام کورس	30	مالی معاملات اور اخلاقی تعلیمات
13	فہم مسائل حیض ونفاس	31	مالی معاملات اور شرعی تعلیمات
14	سخت بیماریوں، پریشانیوں کا یقینی علاج	32	مالی تنازعات اور ان کا حل
15	توبہ	33	فہم میراث
16	استخارہ	34	آسان علم النحو
17	مسنون اذکار	35	علم دین اور اس کے سیکھنے سکھانے کا صحیح طریقہ
18	فہم نکاح وطلاق	36	طبی اخلاقیات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 6 بنیادی حقوق کا تعارف

- ختم نبوت سے متعلق تفصیلات: معنی، مطلب، اہمیت، قادیانیت اور آئین پاکستان، تحریک ختم نبوت کا تعارف، قادیانیوں سے میل جول کا حکم
- درود شریف سے متعلق تفصیلات: حکم، فضائل، کن مواقع / اوقات میں پڑھنے کی تاکید ہے، مستند درود شریف کیا ہیں؟
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے متعلق تفصیلات: چار قرآنی ہدایات، 23 واقعات
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے متعلق تفصیلات: سارے عالم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع کیوں ضروری ہے؟ ٹھوس دلائل، اتباع کی 15 برکات، اہمیت کے 7 دلائل ترک اتباع کے 7 نقصانات، 6 واقعات۔ طریقہ اتباع
- انسانی مذاہب کے تمام بانیوں کے مقابلہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی ایسی ہے جو تاریخی اعتبار سے مستند اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، 5 باتوں کے ذریعہ اس کی تفصیلی وضاحت، ٹھوس دلائل، بیسیوں واقعات
- انسانی مذاہب کے تمام بانیوں کے مقابلے میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی ہے جس کے تمام پہلو ذاتی احوال، عبادات، معاملات، اخلاق کے معمولات سامنے ہیں کوئی گوشہ مخفی نہیں۔ بیسیوں احادیث سے تفصیلی وضاحت۔
- تمام طبقات انسانی کے لیے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہی آئیڈیل بننے کے قابل ہے، ٹھوس عقلی دلائل اور بیسیوں واقعات سے ثبوت
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی، کی وضاحت بیسیوں واقعات سے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تفصیلات: محبت کا حکم، ثمرات، محبت کا مفہوم، محبت پیدا کرنے کے 6 طریقے، محبت کی 6 علامات اور ان سے متعلق بیسیوں واقعات، حضور سے صحیح اظہار محبت کے تین بنیادی اصول۔ مروجہ طریقے اور ان کی شرعی حیثیت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے 15 واقعات۔ کسی سے محبت کی 3 بنیادی وجوہات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ان کا بدرجہ اتم ہونا
- کمالات محمدی کی تفصیلات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انسانی کمالات، تمام نبیوں کی صفات کا جامع ہونا۔
- خصائص محمدی کی وضاحت: انبیاء کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے 13 خصائص امتوں کے مقابلے میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے 16 خصائص، امت محمد کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے 19 خصائص۔
- جمال مصطفی کی تفصیلات: ہر ہر عضو کی الگ الگ قرآن، بیسیوں احادیث اور واقعات سے دلنشین وضاحت۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانیت پر احسانات کی تفصیلات: محسن انسانیت کے 6 بڑے احسانات کی قرآن واحادیث اور واقعات سے وضاحت۔
- مسئلہ ناموس رسالت کی تفصیلات: شرعی حیثیت، گستاخان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کے 10 واقعات
- دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کی تفصیلات: حکم، 7 شکلیں، 4 طریقے، دین محمد کے لیے جانی مالی، جذباتی، تعلقاتی قربانی دینے والوں کے 27 واقعات

Almuneer.pk AlmuneerOfficial Almuneer